



## آئینہ

نمبر شمار	مضامین	مصنف	صفحہ نمبر
1	اپریل ٹول	مفتی تقی عثمانی صاحب	11
2	چراغِ محبت	ابن الحسن عباسی صاحب	14
3	فدا کا اہلی دای یا رسول اللہ	راحت راشد حسین	16
4	حضرت زینبؓ	مولانا عاشق الہی	33
5	ام المومنین حضرت ام سلمہؓ	محمد سعید علوی	36
6	جوانی.....	بنت عبداللطیف	41
7	غیر مسلموں کے مقرر کردہ دن	زہرہ بنت جاوید	42
8	رسول اعظمؐ	پروفیسر خیال آفاقی	44
9	عورت کا حقیقی منصب	عبدالغفور ندوی	63
10	داستانِ مجاہد	نسیم حجازی	66
11	کٹھن ہیں راہیں ویران تو نہیں	بنت مولانا عبدالجلیل	81
12	گھر کہانی	مہر افروز مہر	91
13	گہری سوچ	بنت مہمن	94
14	بہترین ساتھی	نسیم آرا	97
15	انٹرویو	راحت ارشد حسین	100
16	فردوس بریں	عبدالجلیل شرر	104
17	ایک بھاگ بھری کے قصے	رضی الدین سید	122
18	در پردہ	ام حیات ہنگورا	125

## آئینہ

19	حمزہ بہادر	پروفیسر خیال آفاقی	137
20	ہے جذب جنوں تو ہمت نہ ہار	تبسم حسن علوی	149
21	تمنا کے سیراب	پروفیسر ریحانہ	151
22	عہد وفا	زہرہ واسما علی	160
23	تربیت یا غفلت	صابا یونس	165
24	مجھے اک محسن انسانیت کا ذکر کرنا ہے	حمیرا حیات شیخ	180
25	والدین کے حقوق	سیدہ اقرام صدیقہ	184
26	استاد صاحب	زاہدہ رشید	188
27	موبائل فون	بنت نیاز محمد	190
28	اسے قبر نے بھی قبول نہ کیا	ممتاز احمد تبسم	192
29	خواتین میں ہارٹ ایک	مہمن	194
30	آہ اے چارہ دل	کہنیا لاکپور	196
31	خوابوں کی تعبیر	مولانا عبداللہ صفدر	198
32	تبسم	محمود عباسی	202
33	سہانہ بچپن	ادارہ	204
34	روشن چراغ	ادارہ	206
35	گلدستہ حیا	ادارہ	208
36	حیا کی محفل	ادارہ	219

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## فَرْحَانُ الدِّیْنِ

### سہولت کو نظر کر کے

ارشاد فرمایا:..... ”پہلے معمولات پر اگر کسی روز قدرت نہ ہو تو انہیں ٹھکڑ کر دیا جائے۔ مثلاً اگر صبح کی ایک بیع 100 کی پوری کرنی ہے اور کسی وجہ سے اتنا وقت نہیں ہے تو ایک سو کے بجائے 33 مرتبہ 7 مرتبہ کرنا بھی کتنا ہی نفع دے گا صرف 3 مرتبہ پڑھ لینا چاہیے، بالکل بھڑکانا چاہئے۔“

### مقتصد رجوع الی اللہ ہے

ارشاد فرمایا:..... اور اللہ کا نفع کے سلسلے میں ایک بار فرمایا کہ: ”میں نے دوستوں سے دو باتوں کی قیادت فرمادی ہے، ایک تمہارے دوسرے وقت کی، فرمایا اور اللہ کا نفع کی تعداد کچھ مقرر نہیں ہے، تعداد مقرر کر دینی قیل کے لئے تاکہ نسل ہو جائے کہ ہم نے پڑھا، مقتصد رجوع الی اللہ ہے ایک پڑھ لی، مروج نہ ہوا تو 33 مرتبہ پڑھا، تاکہ بھی مروج نسل ملا تو کیا اور مرتبہ پڑھا، یہ بھی نہیں ہو سکا تو 3 مرتبہ پڑھا۔“

### حفظ مراتب

ارشاد فرمایا:..... ”بیکسہ کے درمیان اگر کوئی ضروری کام آجائے جو وقت کا تقاضا ہو اس کام کو کرتا چاہئے، وقت کا تقاضا واجب ہو جائے اور اللہ کا نفع تو فیض و مسحتات ہیں تو فرض و واجب کو چھوڑ کر سختیاں میں نہیں پڑنا چاہئے۔“

### روحانی ناشتہ

ارشاد فرمایا:..... ”صبح و شام کی تسبیحات قرآنی ہے تو ہے، جس طرح صبح کے ناشتہ کے بعد جسم میں طاقت و توانائی ہے، کیونکہ اس عصارہ پر سورہ کو قضا کھانچا گیا، چنانچہ چون فجر کے جسمانی مشاغل انجام دینے میں دو توانائی محروم و محال ہوتی ہے اسی طرح صبح و روز و دوستانہ مستغفار و دوسری روحانی ادا ہو جائے ہیں اور انتخاب العاصی میں متاثرات نفس کل ہوجاتی ہے۔“

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مُحَمَّدٌ رِسَالُہٗ

### بیٹے سے محبت

ترتیب: مولانا محمود عباسی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم جب پیدا ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پلانے کے لئے ام بردہ خولہ کے سپرد کیا۔ دودھ پینے کی ایک گواہی ہستی میں رہتی جس۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر وہاں جاتے، ابراہیم کو دوسں لیتے اور بیکار سے ابراہیم کو دودھ پیتے تھے کہ بارہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھنے گئے اس وقت ابراہیم کی صحت خراب تھی آخری وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوسں لے لیا۔ بچے کی حالت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ جب ابراہیم کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے ابراہیم! تم تہا رہی موت سے چھٹیں ہیں، آنکھ روئی ہے، دل اس سے، لیکن ہم کوئی بات ایسی نہیں کہتے، جس سے ہمارا رب ناراض ہو جائے۔“ ابراہیم کو دینے اور قبر پر پانی پھرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے سرانے کھڑے ہوئے اور دعائی کی، جو چپکے ہی تھیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:..... ”اے میرے بیٹے! قیامت کے دن جب تم سے سوال ہوگا تم کہنا کہ اللہ میرا رب ہے، اسلام میرا دین ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد ہیں۔“

یہ کن کن صحابہ رضی اللہ عنہم رونے لگے، ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے، روتے روتے ان کی چھٹیں گل گل گئیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا:

”میرا کہیں روتے ہو؟“ انہیں نے فرمایا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لڑکا ہے، اے تو یہ بڑا بھی نہیں ہوا تھا اس نے کچھ کہ بھی نہ تھا، فرشتوں کا بھی کسی اس پر نہیں چلا تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تو حید کی تھیں، کھانا حج سے تو عمر کا کیا حال ہوگا جو باغ ہے فرشتوں کا کلمہ بھی اس پر چل چکا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس کو کتنی تھیں کرنے والا بھی نہیں ہے۔“

جس روز ابراہیم کا انتقال ہوا اس روز صبح کو گرہن لگ گیا تھا۔ فیض لوگوں نے کہا شروع کیا کہ ابراہیم کے انتقال کی وجہ سے سورج کو گرہن لگا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور فرمایا:..... ”سورج چار چاند لگتا تو ان کی نشانیوں میں سے دو نشان بھی ہیں۔ کسی کی موت یا زندگی سے ان کو گرہن نہیں لگتا۔“



## آوازِ حیا

گلتا ہے جھوٹ بولنا، بہانے بنانا اور بات کہہ کر مکر جانا، ہماری قومی پہچان بن گئی ہے، ہماری صبح اس طرح شروع ہوتی ہے کہ ہم اخباروں میں حکومتی عہدے داروں کے بلند وبالا دعوے اور ملک و قوم کی تقدیر بدل دینے کے خوش آئند اعلانات پڑھتے اور الیکٹرونک میڈیا پر سنتے اور دیکھتے ہیں، پھر دوسرے ہی دن ان دعوؤں کی یا تو نفی کر دی جاتی ہے یا پھر سرے سے ایسی کوئی بھی بات کرنے اور کہنے سے انکار کر دیا جاتا ہے۔ جب حکمرانوں کا یہ حال ہوگا تو عوام کا تو کہنا ہی کیا!!

رہ گئے ہم عوام، تو برسہا برس سے یہ سب جھوٹ اور غلط بیانی سن سن کر ایک تو ہم اس کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ ہم اس احساس سے ہی عاری ہو گئے ہیں کہ ہمارے قومی زوال کا ایک بڑا سبب یہی دروغ گوئی ہے۔ اقوام عالم میں ہماری کیا حیثیت اور پوزیشن ہوگئی ہے اس پر سوچنے کی نہ تو ہمیں فرصت ہے اور نہ ہی ہم ایسی باتوں پر غور کرنے یا ان کو سنجیدگی سے لینے کے لئے تیار ہیں۔

## آوازِ حیا

ہمارے گھروں کا بھی یہی حال ہے کہ ہم ہر بات چاہے وہ کسی گھر جانے کی ہو اور ہم نہ جانا چاہیں تو بجائے اس کے کہ ہم سچائی اور صفائی سے کہہ دیں کہ ہم نہیں آسکتے، اتنی سی بات پر بھی ہم کوئی نہ کوئی من گھڑت بہانا بنا دیں گے۔

آخر ہم یہ کیوں کرتے ہیں؟..... کیا ہمیں بالکل ہی اس بات کا ڈر و خوف نہیں رہا کہ کردار کی یہ پستی ایک مسلمان بلکہ کسی بھی انسان کو زیبا نہیں۔ پھر ہم کریں تو کیا کریں۔ یقین کیجئے کہ اس وقت بھی ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں، ہم خود بھی سچ بولیں اور اپنے بچوں کو بھی ہر حال میں سچ بولنے کا پابند بنائیں۔ ہمارا خواہ کیا سا بھی نقصان ہو، لوگ ہمیں کیسا ہی برا کہیں اور سمجھیں، ہمیں ہر حالت اور ہر موقع پر سچ بولنا ہے۔ کیا ہم ملک و ملت اور امت کی فلاح کے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتے..... یہ سوچئے اور ضرور سوچئے!!!

آپ کی مدد پر..... راحت ارشد



120 روپے کی قیمت  
120 روپے کی قیمت  
120 روپے کی قیمت

# حسب ماہنامہ قارئین کے لیے

حبیبہ کی سالانہ خریداری پرزبردست رعایت  
یہ کوپن پر کیجئے اور سرکولیشن منیجر حبیبہ کے ایڈریس پر ارسال کیجئے  
ایڈریس: ادارہ حیاتی اوکس 15009 جی پی او صدر کراچی  
موبائل: 0300-2048082

نام

پتہ

فون نمبر

فیکس

میں مئی آرڈر ارسال کر رہی ہوں/کر رہا ہوں

(نوٹ) تمام کراس چیک، قابل قبول نہیں صرف مئی آرڈر ارسال کریں۔

جی ہاں

میں حبیبہ کی/کا سالانہ خریدار ماہ

سے بذریعہ

بک پوسٹ

رجسٹرڈ ڈاک

بٹنا چاہتی ہوں/چاہتا ہوں۔

☆	بارہ شماروں کی قیمت	ڈاک خرچ	کل رقم	بچت	سالانہ بدل اشتراک
بک پوسٹ	720 روپے	120 روپے	840 روپے	120 روپے	720 روپے
رجسٹرڈ پوسٹ	720 روپے	360 روپے	1080 روپے	120 روپے	960 روپے



## حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

مغرب کی بے سوچے سمجھے تقلید کے شوق نے  
ہمارے معاشرے میں جن رسوں کو رواج دیا، انہی میں  
سے ایک رسم ”اپریل ٹول“ منانے کی بھی ہے، اس رسم  
کے تحت کیمپریل کی تاریخ میں جھوٹ بول کر کسی کو دھوکہ  
دینا اور دھوکہ دے کر اسے بے وقوف بنانا صرف جائز  
گھما جاتا ہے، بلکہ اسے ایک کمال قرار دیا جاتا ہے، جو  
فطرتی صفاتی اور چابکدستی سے دوسرے کو جتنا بڑا  
دیکھ دے، اتنا ہی اسے قابل تعریف اور کم اہم پر لے لے  
تاریخ سے صحیح فائدہ اٹھانے والا سمجھا جاتا ہے۔  
یہ مذاق جسے درحقیقت ”بد مذاق“ کہنا چاہئے، نہ  
جاننے والے افراد کو بلاوجہ جانی اور مالی نقصان پہنچا دیتا ہے،  
بلکہ اس کے نتیجے میں بعض اوقات لوگوں کی جانیں چلی گئی  
ہیں، انہیں کسی ایسے صدمے کی جھوٹی خبر سنائی گئی جسے  
سننے کی وہ تاب نہ لا سکتا اور زندگی ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔  
بیرسم جس کی بنیاد جھوٹ، دھوکے اور کسی بے گناہ کو  
بلاوجہ بے وقوف بنانے پر ہے، اخلاقی اعتبار سے تو جیسی

کچھ ہے، ظاہر ہی ہے، لیکن اس کا تاریخی پہلو بھی ان لوگوں کے لئے انتہائی شرمناک ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقدس پر کسی بھی اعتبار سے ایمان رکھتے ہیں۔ اس رسم کی ابتداء کیسے ہوئی؟ اس بارے میں مؤرخین کے بیانات مختلف ہیں، بعض مصنفین کا کہنا ہے کہ فرانس میں سترہویں صدی سے پہلے سال کا آغاز جنوری کے بجائے اپریل سے ہوا کرتا تھا، اس مہینے کو رمی لوگ اپنی دیوی ونس (Venus) کی طرف منسوب کر کے مقدس سمجھا کرتے تھے، ونس کا ترجمہ یونانی زبان میں Aphrodite کیا جاتا تھا اور شاید اس یونانی نام سے مشتق کر کے مہینے کا نام اپریل رکھ دیا گیا۔ (برٹانیکا پندرہواں ایڈیشن، ص ۹۲۳، ج ۸)

بعض مصنفین کا کہنا ہے کہ چونکہ اپریل سال کی پہلی تاریخ ہوتی تھی اور اس کے ساتھ ایک بت پرستانہ تقدس بھی وابستہ تھا، اس لئے ان دن لوگوں جشنِ مسرت منایا کرتے تھے اور اسی جشنِ مسرت کا ایک حصہ بھی مذاق بھی تھا اور فتنہ رفتہ رفتہ کرتی کر کے اپریل فول کی شکل اختیار کر گیا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس جشنِ مسرت کے دن لوگ ایک دوسرے کو تختے یا دریا کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے تختے کے نام پر مذاق کیا جو بالآخر دوسرے لوگوں میں بھی رواج پکڑ گیا۔

برٹانیکا میں اس رسم کی ایک اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ۱۲ مارچ سے موسم میں تبدیلیاں آتی شروع ہوتی ہیں، ان تبدیلیوں کا بعض لوگوں نے اس طرح تعبیر کیا کہ (معاذ اللہ) قدرتِ ہمارے ساتھ مذاق کر کے ہمیں بے خوف بناتا رہی ہے، لہذا لوگوں نے انہی اس زمانے میں ایک دوسرے کو بے خوف بنانا شروع کر دیا۔ (برٹانیکا، ص ۹۲۰، ج ۱)

یہ بات اب بھی سچی ہی ہے کہ قدرت کے اس نام "نہاد" مذاق کے نتیجے میں بدتم چلنے سے "قدرت" کی ہیروئی تصدیق ہوئی، یا اس سے انتقام لینا منظور تھا؟ ایک تیسری وجہ انیسویں صدی عیسوی کی معروف

ہے، وہ پہلی پمپل ہے جو اپریل کے آغاز میں شکار کی گئی، لیکن لاورس نے اپنے مذکورہ بالا موقف کی تائید میں کہا ہے کہ Poisson کا لفظ جس کا ترجمہ "پمپل" کیا گیا ہے، درحقیقت اسی سے ملنے چلے گیا اور فرانسیسی لفظ Posion کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کے معنی "تکلیف پہنچانے" اور "مذاب دینے" کے ہوتے ہیں، لہذا یہ رسم درحقیقت اس عذاب اور لذت کی یاد دلانے کے لئے مقرر کی گئی ہے جو عیسائی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچائی گئی تھی۔

ایک اور فرانسیسی مصنف کا کہنا ہے کہ دراصل Poisson کا لفظ اپنی اصل شکل ہی ہے، لیکن یہ لفظ باجی الفاظ کے ابتدائی حروف کو ملا کر ترتیب دیا گیا ہے، جن کے معنی فرانسیسی زبان میں بالترتیب عیسیٰ، مسیح، اللہ، بننا اور مذہب ہوتے ہیں۔ گویا اس مصنف اور انہیں تکلیف پہنچانے کی یادگار ہے۔ (اس تفصیل کے لئے دیکھئے فرید ویدی کی عربی انسائیکلو پیڈیا، دائرۃ معارف القرآن، ص ۲۲۲، ج ۱)

اگر یہ بات درست ہے (لاورس وغیرہ نے اسے بڑے ذوق کے ساتھ درست فرما دیا ہے اور اس کے شواہد پیش کئے ہیں) تو بظاہر گمان یہی ہے کہ یہ رسم بدیہوں نے جاری کی ہوگی اور اس کا خلفا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تحقیر ہوگی، لیکن یہ بات جتنا حیران کن ہے کہ جو رسم یہودیوں نے (معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ٹہنی اڑانے کے لئے جاری کی، اے عیسائیوں نے کسی طرح خشنہ پٹنوں نہ صرف قبول کر لیا، بلکہ خود بھی اسے منانے اور رواں دواں ہونے میں شریک ہو گئے، اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عیسائی صاحبان اس رسم کی اصلیت سے واقف ہی نہ ہوں اور انہوں نے بے سوچے سمجھے اس پر عمل شروع کر دیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عیسائیوں کا حراج مذاق اس معاملے میں عجیب و غریب ہے، جس صلیب پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے

خیال میں سولی دی گئی، بظاہر قاعدے سے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ ان کی نگاہ میں قابلِ نفرت ہوتی کیس اس کے ذریعے حضرت تعالیٰ علیہ السلام کو ایک اذیت دی گئی، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ عیسائی حضرات نے اسے مقدس قرار دیا تاثر خود گرد یا اور آج وہ عیسائی مذہب میں تقدس کی سب سے بڑی علامت سمجھی جاتی ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات ضرور واضح ہوتی ہے کہ خواہ اپریل فول کی رسم جس نامی دیوی کی طرف منسوب ہو، یا اسے (معاذ اللہ) قدرت کے مذاق کا رنگ لگا دیا جائے، یا حضرت مسیح علیہ السلام کے مذاق اڑانے کی یادگار، یہ ضرورت میں اس رسم کا شرک کی نہ کسی توہم پرستی یا کسی گستاخانہ نظریے یا دافعتے سے بڑا ہوا ہے اور مسلمانوں کے نقطہ نظر سے یہ رسم مندرجہ ذیل بدترین گناہوں کا مجموعہ ہے:

- (۱).....جھوٹ بولنا
- (۲).....جھوٹ کرنا
- (۳).....دوسرے کو لذت پہنچانا
- (۴).....ایک ایک واقف کی یاد دہانی جس کی اصل یا قوت پرستی ہے، یا توہم پرستی، یا پھر ایک جینگر کے ساتھ گستاخانہ مذاق۔
- اب مسلمانوں کو خود فیصلہ کر لینا چاہئے کہ آیا یہ رسم اس لائق ہے کہ اسے مسلمان معاشروں میں اپنا کر اسے فروغ دیا جائے؟
- اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارے ماحول میں اب اپریل فول منانے کا رواج بہت زیادہ نہیں ہے، لیکن اب بھی ہر سال کچھ نہ کچھ خیرین سننے میں آتی جاتی ہیں کہ بعض لوگوں نے اپریل فول منایا، جو لوگ سوچے سمجھے اس رسم میں شریک ہوئے ہیں، وہ اگر تنبیہ کی سے اس رسم کی حقیقت، اصلیت اور اس کے گناہ پر غور کریں گے تو انشاء اللہ اس سے پرہیز کی اہمیت تک ضرور پہنچ کر رہیں گے۔

☆☆☆☆









مدینہ سے رخصتی کے دن، ہم فجر کی نماز پڑھ کر جس وقت سلام پیش کرنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے تو میں پیش پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میری آنکھ میں آنکھیں نہیں آتا تھا کہ یہاں روضہ مبارک کے سامنے آتے ہی میں کیوں رونے لگتا ہوں۔ میں ہی کیا، یہاں تو ہر شخص ہی ایک عجیب کیفیت میں رہتا ہوا نظر آتا۔ میں نے اپنے چاروں طرف بڑے بڑے تھوند لوگوں کو بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے ہوا دیکھا تو مجھے لگا کہ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں، اصل عشق تو ان سب کو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا شوق کہ اس کی مثال کوئی اور قوم آج تک نہیں پیش کر سکی، نہ کر سکے گی۔ دعا کے لئے میرے سوچے ہوئے وہ سارے الفاظ میرے ذہن سے نکل گئے جو میں نے یہاں پہنچتے ہی بتعجب کہتے تھے۔ میں بس بیتے انسانوں کے ساتھ سر جھکا کر کھڑا رہا۔ پھر بہت آہستہ سے کسی نے ایک شفقت بھرا ہاتھ میرے سر پر پھیرا، میں ہڑ ہڑا گیا۔ کیا یہ حقیقت تھی یا میرا خیال..... میں سمجھ نہ سکا مگر شہدک کے اس کس..... اس احساس نے مجھے ہلکا کر دیا۔

چھلایا ہوا تھا، ابھی میں ادھر ادھر دیکھ ہی رہا تھا کہ مجھے دور سے عثمان بھائی آتے ہوئے دکھائی دیئے، حسب معمول ان کے ہاتھوں میں دو بڑے بڑے تھیلے تھے۔

”السلام علیکم برادرز.....“  
عثمان بھائی نے ہمیشہ کی طرح بڑے جوش سے ہم کو سلام کیا۔  
”وعلیکم السلام عثمان بھائی..... لائے تھیلے پکڑا لے، آج تو آپ کچھ زیادہ ہی ذہنی سامان لائے ہیں۔“

سرفراز بھائی نے آگے بڑھ کر عثمان بھائی سے سامان لیا اور وہیں ایک ستون کے ساتھ پیچھے بیٹھ گئے۔  
”واؤ..... کیا ناشتہ ہے، حلوہ براغھا، او کچھو، پاکستانی انشال.....“ میں نے سرفراز بھائی کے سجانے ہوئے دسترخوان پر نظر ڈالی اور خوشی سے اس پر ہڑا

”عثمان بھائی آپ کچھ زیادہ نہیں لائے، یہ اتنا ہم کیسے کھا سیں گے، یہ تو کون سی آرمیوں کے لئے ناشتہ ہے“  
مسلمان بھائی نے عثمان بھائی کو سرسکرا کر دیکھا۔  
”کوئی بات نہیں..... ابھی چار بھائیوں کو لے کر آجاتا ہوں، وہ دیکھیں، وہ بزرگ سے صاحب اپنے ساتھیوں کے ساتھ جارہے ہیں، میں ابھی آیا۔“

عثمان بھائی یہ کہتے ہوئے اٹھے اور چند ہی لمحوں میں وہ اپنے مہمانوں کو لے کر آ گئے۔  
”بچے برادرز، ان حضرات سے ملے، یہ ہیں عمر کے لئے آنے والے جناب عبدالغنی صاحب، جو اپنے عزیزوں کے ساتھ آج ہمارے دسترخوان کو رونق بخش رہے ہیں، آگے پیچھے، میں سب اور شروں کو جانچنے، ٹھوس دیر میں نہیں لگا کر مہم کے لئے بھی نکلتا ہے۔“

ناشتہ بہت ہی خوشگوار محال میں کیا گیا، ابھی میں نے الحمد للہ کہتے ہوئے نشوے ہاتھ صاف کئے تھے کہ سرفراز بھائی کھینک کر کہنے لگے۔  
”کیا ہوسر سرفراز بھائی..... آپ میری طرف دیکھ کر اس کیوں رہے ہیں، واوہ، دیکھا گیا، آپ سب سن سیں، میں

جگہ بہرہا ہوں، میں نے اپنی پوری زندگی میں ایسا لذیذ ناشتہ نہیں کیا۔“  
میں نے سارے پانچ بی بی پر اچھے کا ایک نوالہ ڈالا۔  
”آپ تھک کر رہے ہیں بھائی، میں خود کھتا ہوں کہ مدینہ کی اشیاء خورد و نوش کا ذائقہ ہی الگ ہے، آپ نے یہاں کا وہی کھلایا ہے، میں دھوئی کرتا ہوں کہ اس کا ٹیسٹ، کسی ملک، کسی شہر میں نہیں پایا جاتا، میں نے اپنے کاروبار کے سلسلے میں بڑی دنیا دہشی ہے، بہت ملکوں شہروں میں لا تعداد کھانے کھائے ہیں، مگر جو لذت، جو ذائقہ مدینہ میں ہے، نہیں ہنس ہے۔“  
عبدالغنی صاحب نے یہ کہتے ہوئے ایک پینکٹ کھولا اور ہم سب کو مجھوں کے چھوٹے چھوٹے ڈبے اور پیکیٹس کے بارز پیش کئے۔  
”واو کیا تحفہ ہے..... زندہ باد عبدالغنی صاحب اور شکر یہ آپ کا۔“

اجماعیہ ائمہ کی صاحب اور ساتھیوں، ہم چلتے ہیں، آپ سے پھر ملاقات ہوگی، ان شاء اللہ۔  
ہم سب نے ایک دوسرے کو سلام کیا، بھائیوں اور عثمان بھائی کی گاڑی کی طرف چل دیئے۔  
☆ ☆ ☆ بندہ ☆ ☆ ☆

مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی سمت جدید ہائے دے سے ہمارا سفر بڑا یادگار رہا، میں سارے وقت گاڑی کے شیشوں کے باہر چاروں طرف بڑے غور سے دیکھتا رہا۔ ”بھائیوں ذرا اس وقت کو تصور کر لائے کی کوشش کیجئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اسی کے لگ بھگ راستے سے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کی تشریف لائے تھے، پورا کساہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈھن بن چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف آپ کے رفیق خاص حضرت ابوبکر صدیق تھے، سوچئے کہ کتنا کھن وقت و کھن سفر ہوگا، پھر زاد راہ کیا تھا؟ صرف پانی اور ستودہ، وہ بھی ذرا سے، جو حضرت صدیق اکبرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ نے ایک تھیلے میں ڈال کر اونٹنی کے کپادے سے باندھ دیئے تھے، حضرت اسماءؓ چلنا باندھنے کے لئے دوڑی مگر گھر سے لانا بھول گئی تھیں، چنانچہ انہوں نے اپنی کمر سے بندھی ہوئی نئی ڈوڑی، جس کو کرنی میں شقائق کہتے ہیں، نکالتی اس سے ستور کا تھملا باندھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس تدبیر سے بہت خوش ہوئے اور اسماءؓ کو ”ذات التھمین“ کا لقب عطا فرمایا۔“

عثمان بھائی اتنا کہہ کر خاموش ہوئے ہی تھے کہ سرفراز بھائی کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔  
”برادر عثمان! آپ کی اس بات نے کس اس وقت کو تصور میں لائے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ یہیں نہیں آئیں راستوں میں سے ایک راستے پر سفر کرتے ہوئے مدینہ منورہ کی قیام میں قیام کیا ہوگا، تو میں تاریخ کے ہر دور میں سے اس راستے کو غور سے دیکھتے ہوئے سوچ رہا ہوں کہ وہ

کون سا مقام ہوگا کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاش میں کمری بیوی خاتون کی بچپنوں نے ”طلع البدر علینا“ کا سرودی اٹھایا ہوگا۔  
”آپ نے بالکل ٹھیک کہا سرفراز بھائی، مگر انہوں نے کہا کہ نہ کسی کو یہ ایمان افروز اور دل کماز واقعات سننے کا شوق ہے نہ جانے کا۔“

عثمان بھائی کی آواز میں بڑی اداسی تھی۔  
ہمارا باہر کی سفر بڑی خاموشی میں گزرتا رہا، چار گھنٹے گزر گئے، صبح سویرے سرفراز بھائی اور عثمان بھائی ہی کچھ کہہ دیتے تو زادیر کے لئے گاڑی کی خاموش فضاء میں ایک ارتقا ش پیدا ہوتا اور نہ پھر وہی سکوت۔

”بھائیوں، بھائیوں، شہر شہر کی پولیس چوکی آ رہی ہے، اس کے بعد ہم مکہ مکرمہ میں داخل ہو جائیں گے، میرا خیال ہے کہ گاڑی پارکنگ لائن میں پارک کر کے ہم ٹیسی سے حرم چلتے ہیں، پہلے بچھو کھن میں گئے گاڑی کو رکھ کر پھر آرام سے کھانا حرم میں داخل ہوں گے۔“

عثمان بھائی کی بات پر ہم سب یہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ عثمان بھائی نے چیک پوسٹ پر گاڑی روک کر اپنا ایک کارڈ اور ہمارے پاسپورٹ ایک پولیس والے کو دکھائے، اس نے ہم جا کر گاڑی کے اندر دیکھا، پھر ہاتھ سے اشارہ کیا کہ جائے۔

گاڑی ابھی تک سے کہہ رہی تھی کہ میری نگاہ دوڑوں طرف پھاڑوں کی دھولوں پر ہے مگر کہہ پڑی۔

”بھائیوں یہ شہر شہر کی مخالقات ہیں، ابھی مجھے یہی ہم کہہ میں داخل ہوں گے، آپ کو کھنی آبادی کے اس مہمان سے شہر میں فلک بوس عمارت نظر آئے گی کہ کمرہ کی چند سرسبز میں ہی شاندار ہیں، کیونکہ تخت اور چٹائی پتھروں والے پھاڑوں کو کٹ کاٹ کر یہ شہر بنایا گیا ہے، اس قیام اور توسیع میں ہمت، پیار اور محنت، تئیں ہی کا بڑا وسیع استعمال ہوا ہے، آؤ بڑا چودہ سو تینتیس سال پہلے مکہ کے اس گھر میں چلتے ہیں جہاں آمنہؓ کے گھر ایک

چاند لٹکا، جس کی کمر میں پورے عالم میں پھیل گئیں، ابھی حضورؐ کی دیر میں ہم اللہ کے گھر میں داخل ہوں گے ان شاء اللہ آپ تصور میں وہ وقت لائے جب حضرت عبدالملک اپنے لومولود پوتے کو ہاتھوں میں اٹھائے خاندان کعبہ میں داخل ہوئے ہوں کہ اور اس کا نام گھر صلی اللہ علیہ وسلم رکھا ہوگا تو ان کے کیا احساسات و جذبات ہوں گے؟ پھر وہ وقت جب ماں اور دادا دونوں ہی ہمیشہ کے ہمیشہ کے تھے، بپا تو پہلے ہی نہیں تھے، چچا نے سر پر ہاتھ رکھا، جس وقت غار حرا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دی آتی اور آپ گمراہے ہوئے گھر پہنچے تو آپ الہیہ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو دلی دلی سے پیار کیا بعد جو فلک میں جو غلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ تو بڑے گئے، اس کا اعزاز بھی آج ہم آرام و آسائش کے دلدادہ نہیں کر سکتے، سب سے بڑھ کر تو شعبہ ابلی طالب کی کھانی میں گزارے گئے تین طویل سال..... پورے 1095 دن نہ کھانا، نہ پینا، نہ ٹکی سے ملنا، نہ جلا میل بایکٹ، کیا تکلیف و دقت ہوگا، ہاتھ میں کھانا ملنے میں چند منٹ رو ہو جائے تو ہمارا جو حال ہوتا ہے، وہ ہمیں خوب معلوم ہے، وہ..... وہ..... سامنے دیکھئے، اب ہم کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں۔“

عثمان بھائی نے سامنے لگے پورڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے زور سے کہا۔  
میں اچانک ہی حال میں لوٹ آیا، میرا دل جاکا کہ میں عثمان بھائی سے کہوں کہ وہ تاریخ کے اس تسلسل کو جاری رکھیں، مگر پھر مجھ پر حرم میں قدم رکھنے کی خواہش ای طرح طاری ہوئی کہ میں نے ان سے گاڑی تیز چلانے کے لئے کہا۔

”میرے چھوٹے برادر فرحان، کیا مجھ پر فائق لگانے کا ارادہ ہے، آپ کو معلوم ہے کہ یہاں اور اسٹاپنگ پر ٹریفک ٹھاک جڑنا لگتا ہے، تین سو ریاں،

پھر نہ بھر سکتی ہے بیڑے ہی رہتے ہیں، بھائی آرام سے، آرام سے۔“

عثمان بھائی نے ایک لمحے کے لئے مجھے پیچھے مڑ کر دیکھا، پھر ہنسنے لگے۔

مجھ کا غش، جہاں سے حدود حرم شروع ہوتی ہے، پر بڑا شگوارا، لوگ آ رہے تھے، احترام باندھ رہے تھے اور پھر واپس چارے تھے، عثمان بھائی نے چند لمحوں کے لئے مسجد کے قریب گاڑی روک لی، پھر آگے بڑھ گئے۔

جس وقت ہم لوگ باب عبدالعزیز سے حرم میں داخل ہوئے، میرا دل ان زور سے دھڑک رہا تھا کہ جیسے ابھی سینہ و زور کر رہا تھا، پھر میرے سامنے خاندان کعبہ اپنے تمام جلال و جلال، بیت و عظمت کے ساتھ تھا، میری نظریں اللہ کے گھر پر گزریں، دعا کے لئے اٹھے ہوئے میرے ہاتھ اٹھے، دعا کے لئے اٹھے، اللہ تعالیٰ کی جلالت و عظمت اور اپنی کم مائیگی اور تہاہ حالت کے احساس سے میں کپکپانے لگا، مجھے یاد ہی نہ رہا کہ مجھے کیا مانگنا تھا..... مجھے یہ کعبہ کے اس گھر کو دیکھ کر سب سے پہلے کیا دعا کرنی تھی۔

”ایمان پر خاستہ، ختم نبوت کے عقیدے پر عافیت کی زندگی اور موت کی دعا کر فرحان، ہاں می، ڈیڈی، بھائیوں اور بھائیوں کے لئے ہدایت اور ختم نبوت کے عقیدے پر چاچا نے دعا کرنا نہ چھوٹنا۔“

مسلمان بھائی نے میرے پاس کے مگر سرش کی، میں بری طرح چونک پڑا، میں نے مگر ان کی طرف دیکھا، وہ بڑے جذبے سے دعا میں مانگ رہے تھے، میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور مسلمان بھائی کی بتائی ہوئی دعا بجا دیا، بارگاہ لگا۔

”میں اور ڈیڈی..... مجھے شہر مندگی ہونے لگی کہ میں نے ایک بار کئی ان کی اور گھر والوں کی ہدایت کے لئے دعا مانگی کہ، میری نظر سرفراز بھائی پر پڑی..... وہ خانہ کعبہ پر نظریں جمائے بڑے جذب کے عالم میں



کڑے تھے، وہ گھرے محمود بھائی..... ان کا تو کہنا ہی کیا، میرا دل چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے محمود بھائی جیسے اجسامات دے دیں، عجیب تو یہ ہے کہ ان کے اندر نہ کچھ کہتے تھے، نہ بولتے تھے، مگر لگتا تھا کہ اوست کے لئے ان کا درد ہمارے دلوں میں بھی پہنچ رہا ہے، یہاں بھی وہ خاموش کڑے تھے، بس ان کے آنسو بہہ رہے تھے، میں نے دعا کیا کہ چاروں طرف دیکھا، میں اللہ کے کھر اور دنیا بھر سے آئے ہوئے اللہ کے بندوں کو دیکھتا ہوں۔

”کیا نظارہ ہے فرخان..... کیا راجد پر نور نظارہ، دیکھو سب کفن جیسی وہ چار دیواریں پہنے کیے جذبے سے طواف کر رہے ہیں، دہلیز باہر سے آئے ہوئے ان فرزند ان تو حید میں کوئی احتیاض نہیں، ایک جیسا لباس، ایک جیسی ٹوپ، ایک جیسا جذبہ، ایک جیسا احساس، نہ لڑکائی، شہنشاہی، نہ بڑائی، نہ گدائی، سب کی آنکھیں ہم سب کی زبانوں پر لپک، اپنی سیاہ رازی پر نہ مات.....“

محمود بھائی نے بہت آہستہ سے مجھ سے کہا، میں ان کے لیے کھلاؤں اور صدقات میں کھو گیا، ابھی میں ان کے الفاظ پر غور کر رہی رہا تھا کہ مسلمان بھائی نے میرا کتہا ہالیا۔

”چلو فرخان اب عمرہ شروع کر دیں، وہ دیکھو سامنے کی ہرے رنگ کی ٹوب لائٹ سے اس مقام کی نشاندہی کر رہی ہے، جہاں سے ہمیں طواف کرنے کے لئے جمرا کی سیدہ میں کھڑا ہوتا ہے، آئیے محمود بھائی، سر فراز مارے یہ عثمان کہاں بھی گئے۔“

مسلمان بھائی چاروں طرف دیکھنے لگے، مجھے عثمان بھائی سبز صوب سے ایک بوڑھے سے صاحب کو پکڑ کر صحن میں اتارے تو دکھائی دیئے، عثمان بھائی، یہاں بھی سب پر بازی لے گئے تھے۔

”یاد عثمان بھائی، میں نے اندازہ کم از کم میری نظروں سے تو ابھی تک نہیں کر رہا، ہر وقت، ہر ایک کی خدمت کے لئے تیار، چلو اب جلدی سے ان کے پاس پہنچتے ہیں۔“

سر فراز بھائی یہ کہتے ہوئے نیچے کی طرف اتارے گئے۔ ہم نے عثمان بھائی کو جالیا، وہ ایک ڈنکل چیز والے سے ان بزرگ صاحب کو طواف اور بھر سی کروانے کے لئے رقم طے کر رہے تھے۔

”برادر چلے، اللہ کا نام لیجئے، عمرہ مکمل کرنے کے بعد ہم سب ہمیں اس کین لائٹ کے پاس ملیں۔“ میں نے طواف شروع کیا تو راسی دریں میں ہم سب الگ الگ ہو کر مسلمانوں کے اس غم خیز میں شامل ہو گئے جو ہماری طرح ہزاروں میل دور سے اللہ کے گھر کی کشش سے یہاں پہنچ گئے تھے، فضاء لپک لپک، لپک لپک کی صداؤں سے گونج رہی تھی، اچانک ہی ایک شخص کی اونچی آواز میں بڑی کئی تلبیہ نے میری طرح ہر ایک کو گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا، وہ دھانولے رنگ کا مضبوط قد کاٹھ کا ایک اونچا لمبا آدمی تھا، اس کے لیے میں ایک درجہ بڑی پکار تھی، جیسے کہ وہ گھر کے قریب کھڑا گھر والے کو آواز دے رہا ہو، وہ بوڑھے بے تابی سے اس طرح لپک لپک کہہ رہا تھا کہ اس کی صدا ایک فریادی ہنہ کا چاروں طرف کو پہنچے گی، پھر وہ لپک کر طواف کرنے والوں کے ہجوم میں داخل ہو گیا۔

دعا میں اگلے تے روئے، مگر کڑا تے اپنی سیاہ کاریوں اور گناہوں پر تادم ہوتے ہوئے میرا عمرہ مکمل ہوا۔ جس وقت میں سبز لائٹ پر پہنچا تو مسلمان بھائی، محمود بھائی اور عثمان بھائی وہاں بیٹھے ہوئے تھے، وہ سب ٹھنکی ہانڈے سے خاندنہ کو پکڑ رہے تھے، میں بھی ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔

”یاد فرخان ذرا سر فراز کو کھنوں کرنا، بڑی درجہ بوٹی، کہاں رہ گیا وہ، ابھی زیارتوں پر بھی جاتا ہے، پھر بوٹی بھی دیکھتا ہے۔“ مسلمان بھائی نے فکرمندی سے کہا۔ ابھی میں نے اپنا موبائل نکالا ہی تھا کہ اچانک ہی

سر فراز بھائی نے پیچھے سے آگسٹ کو سلام کیا۔ ”کہاں رہ گئے تھے بھائی، بہنو پڑیاں ہونا شروع ہو گئے تھے۔“

عثمان بھائی ہمیشہ کی طرح مسکرا کر سر فراز بھائی سے بولے۔

”لیجئے آپ سب پریشان ہوئے اور مابدلت حاضر ہو گئے، چلے کہاں جانا، جب عثمان بھائی۔“ مجھے کھا کر سر فراز بھائی نے بات بدل دی ہو۔

”پچھلے بیٹا مجھے کسی کردار کا تھا ہی لے اے دیر ہوگی، نیکی بتا کر یہاں سے خائیں نہیں کرنا چاہو، ہاتھ بھر جس عبت سے اس نے مجھے سنی کر دیا، میں اسے اس کا بدلہ تو دے سکوں، ہاں دعاؤں میں ہمیشہ اسے ضرور یاد رکھوں گا۔“

سر فراز بھائی کے پیچھے کڑے ایک عمر رسیدہ صاحب نے بڑی محبت سے ہمارے سامنے آتے ہوئے یہ کہا۔

”اچھا تو یہ بات تھی، حضرت آپ ہم سب کے لئے یہی دعا کرینگے گا، خاص طور پر میرے والدین اور کھر والوں کے لئے کہ وہ گمراہی سے ہدایت کی طرف آجائیں اور قسم نبوت کے عقیدے پر دل سے ایمان لا کر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائیں۔“

”آمین..... آمین..... ضرور..... ضرور آپ سب بھی میرے والد پر مسلمان کے قسم نبوت کے عقیدے پر ایمان رکھنا تھا، میں دعا کریں گا، چھاپٹوں میں چٹا ہوں۔“ مسلمان بھائی نے میری طرف بوڑھے خوں سے لکھا، میں نے شرم سے گردن جھکا لی، مجھے بڑی محاسبات ہوئی کہ میں اس طرح کی بڑی، بیہوش اور ایمان کی ایمان کی طرف آنے کی دعائیں نہیں کروں، اس طرح مجھے کرنی چاہئے تھیں۔

ہمیشہ بھائی..... اچانک ہی مجھے جوشیدہ بھائی کا دل آنا ہانڈے وہ کیسے ہوں گے، بلکہ صرف وہی کیوں

نجانے سب یہ کیسے ہوں گے، ابھی میری سوچیں یہیں تک پہنچی تھیں کہ سب باہر جانے کے لئے کڑے ہو گئے، میں نے اپنے آہستہ سے پہننے والے آنسو خاموشی سے احرام کے کونے سے صاف کئے اور وہیں سے دل ہی دل میں گھر والوں کی ہدایت کے لئے دعا میں کرتا ہوا سب کے ساتھ باہر آ گیا۔

”آئیے برادر سامنے والی ٹائی کی دکان سے طلق کروا کر سینی کر کر پر سزا پھروا کر پہلے پارکنگ لائٹ چلے ہیں، پھر اجرا سہیل کر کے کپڑے پہن کر کہیں کھانا کھا کر ہوئی کر لیتے ہیں، پھر اسٹاپ وہاں رکھ کر زیارتوں کے لئے نکلتے ہیں، عصر رات میں پڑھ لیں گے، ٹینکد آپ کے صرف پاس آج کا ڈواہر کھا کر چارواں ہے، کل رات تو بوجے میں آپ سب کو جہد ابتر پورٹ See off کر کے سب پر ضرور دیا ہیں چلا جاؤں گا۔“

عثمان بھائی نے کہا تو بڑی مشتاشت سے مگر ان کے لیے سب چھپی ہوئی اشرفی کوبی نے غصہ کیا۔ ”عثمان بھائی، آپ پاکستان ضرور باضرور آئیے گا، دیکھئے وعدہ کیجئے۔“

میں عثمان بھائی کے گلے میں لٹک سا گیا، عثمان بھائی ہنسنے لگے۔

”یاد و صدق تو میں بالکل نہیں کرتا مدینہ سے نکلے کوئل نہیں کیا جاتا، اب اس وقت میں مدینہ بہت یاد آ رہا ہے۔“ ٹھیک کہا کہ میں عثمان بھائی، مجھے بھی مدینہ بہت یاد آ رہا ہے، کلمہ لپک کلمہ شمرنا تاہوں سے تو ہماری زبان میں، مگر کوشش کر کے آپ کو اس کا نقش میں ترہ تبادوں گا، سنئے..... ہمیں آپ سب بھی فور سے شیں۔

ہم مدینہ گئے اور آ بھی گئے لب پہ طہیر کی اک داستان رہ گئی جسم خاکی ہمارا یہاں آ گیا روح انوار میں گم وہیں رہ گئی محمود بھائی کی آواز میں ایک کپکپاہٹ سی تھی شہر



سنا کہ انہوں نے اس کا ترجمہ کیا تو عثمان بھائی نے زور سے جھانک کر ان سے ہاتھ ہٹایا۔

☆☆☆☆

عرفات کا میدان بالکل خالی تھا، چاروں طرف ایک ہی چیز سنا تھا، ہماری طرح چنگوڑ وہاں پہنچے ہوئے تھے، جوادھر ادھر گھوم پھر رہے تھے۔

”یہ کیجئے بھائیوں ہم لوگ عرفات کے میدان پہنچ گئے ہیں، عرفات مکہ سے کوئی اٹھارہ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، یہ عیدمزدحم سے بارہ میل، عثمان میدان کے، جہاں حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہ السلام کی جبل رعت پر ملاقات ہوئی تھی، یہیں اسی میدان میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پچھلے سے ان کی تمام اولاد کی رحوں کو نکال کر جمع کیا اور ان سے وعدہ ”الست برکم“ کیا یعنی کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کی سر پر اپنا ہاتھ پھیرا تو حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد دوسری رحوں سے پورا میدان بھر گیا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے تمام رحوں سے پوچھا کہ ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟“ اس کا جواب تمام رحوں نے اللہ تعالیٰ کو دیا کہ ”جی ہاں ہاں“۔

اس میدان میں ہی اس صیغہ پر ہے جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بخلا تھا اور اسی صیغہ میں بعد نماز ظہر و عصر جو کہ ظہر کے وقت میں پڑھی جاتی ہے، حج کا خطبہ پڑھا جاتا ہے آئے جبل رعت کی طرف ملتے ہیں، چھوڑا سا اور پڑھ جائیے گا۔ آپ سب جب حج کرنے آئیں گے تو یہاں تسبیح پڑھ کر چلیں گی۔“

ہم سب عثمان بھائی کے ساتھ جبل رعت پر چڑھے اور وہاں سے چاروں طرف دیکھا، دور دور تک کسی انسان کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔

عرفات کے میدان سے ہم لوگ واپس ہوتے ہوئے مٹی پہنچے، ہر طرف بالکل خاموشی تھی، جرات کی وہ بلند و بالا عمارتیں دیکھیں، جہاں شیطانوں کو پتھر مارے جاتے ہیں۔

”بھائیوں آپ نے جرات کی بلڈکنیں دیکھیں، یہ حکومت نے حاجیوں کی آسانی کے لئے ایسا پروڈیجٹ بنایا ہے کہ جس کی تعریف نہ کرنا ملے، اس عمارت میں پانچ منزلیں ہیں، ایک طرف سے داخل ہو کر شیطانوں کو ننگے پاں مار کر دوسری طرف سے باہر نکلا جاتا ہے، الحمد للہ کچھ تین سالوں میں ایک بھی حادثہ یہاں نہیں ہوا، ورنہ پہلے سب سے مشکل مرحلہ یہی کاہی ہوتا ہے، چلے آگے چلے آگے لئے نکلتے ہیں۔“

عثمان بھائی نے گاڑی کے جانے والی سڑک کی طرف مڑی اور تھوڑی سی دیر میں ہم تک پہنچے۔

”عثمان بھائی میرا خیال ہے کہ اب عشاء کی نماز پڑھتے ہی سب مہمان کھا کھا کر ہونٹ چلنے لگے، آپ تو ہم سے بھی بہت زیادہ تھک گئے ہوں گے، ارے ایسے تو اذان کی آواز ہے۔“

سرفراز بھائی نے عثمان بھائی سے یہ کہتے ہوئے ہم سب کی طرف دیکھا۔

”بالکل ٹھیک خیال ہے آپ کا سرفراز بھائی اور ذر میری طرف سے، آج بے جا جلدی سے نماز لینے چلیں۔“

جس وقت سلمان بھائی نے مجھے فجر کی نماز کے لئے جگایا، مجھے اندازہ چھپے سے بھی سوچا تھا کہ میری اگلا ہی گیا۔

میں نے تھک سہ ڈوب کر بولی آواز میں کہہ دیا۔

”کون سی جلدی، میرے بھائی ہم لوگ سونے سے بچے رات سے سو رہے ہیں۔ اب جلدی سے نہا جو کر فریش ہو جاؤ۔“

سلمان بھائی نے بڑی محبت سے مجھے کپڑے پکڑائے۔ ہم سب نے نماز پڑھ کر کئی طواف کئے، میں چرکے میں بیٹھی ڈیڑھ اور گھر والوں کی ہدایت کی دعا مانگتا رہا، لگ رہا تھا کہ جیسے کہہ میں سے نور کی شعاعیں نکل نکل کر آسمان کی طرف جا رہی تھیں۔

”سرفراز بھائی اپنی ذاتی بی بی نور کی شعاعیں نکل رہی ہیں یا پھر میرے ایسی ایک خیال سا رہا ہے۔“

میں نے سرفراز بھائی سے پوچھا، ہم دونوں ایک طرف بیٹھ کر کوئی کچھ چارہ ہے۔

”بالکل نکل رہی ہیں، اس میں خیال کی کیا بات ہے، فرخان اور نظیریں اٹھاؤ۔ ایسا لگ رہا ہے کہ کوئی نورانی ہالہ اوپر آسمان کی طرف جا رہا ہے۔“

اسی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سلمان بھائی محمود بھائی اور عثمان بھائی کی آمد نے ہمیں چونکا دیا، وہ تینوں ہمارے قریب ہی بیٹھ گئے۔

”یہ اللہ کا گھر ہے بھائیوں، وہ گھر کہ جہاں ہر شخص آ کر بھلا بھلا گھر کا دروازہ کھٹکنا سکے، پھر یہ کرنا بیجا کرام میں سے کی ایسی ہی گزرتے ہیں کہ جب ان کی دعوت کو قوم نے مانا اور انہیں بھلا یا تو وہ بے بس ہو کر مکہ مکرمہ ہجرت کر کے آئے، جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت کی عبادت میں مصروف اور مشغول ہے، یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو گئے، یہی وجہ ہے کہ حضرت کی ارد گرد تین سو انبیاء کرام کی قبریں ہیں، حطیم کے اندر میزاب کے نیچے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کی قبریں ہیں، یہ سب تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوا ہے، پھر یہیں نہیں، چاروں زم اور مقام ابراہیم کے درمیان حضرت ہود، عیسیٰ اور صالح علیہم السلام کی قبروں کا کوئی نام بھی استاد سے معلوم ہوتا ہے۔ اتنی زیادہ تعداد میں انبیاء کی یہاں تدفین ہوئی، ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کن کن بیانی اور مقام ابراہیم کے درمیان نانوے انبیاء کی قبریں ہیں، آپ کو معلوم میں سے کہ کوئی دیکھی ہو تو یہاں کئی کتابوں کی دکانوں سے تاریخ کا خرید کر ضرور پڑھیں، ہاں تاریخ دیکھنی ساتھ حیدر بن مہولے کا۔“

عثمان بھائی کے الفاظ کی روانی تھی یا ان کے بیان کرنے کا طریقہ، مجھے اردوں کا تو نہیں سمجھتا، میری نظریں ان کے گفتگو کے ساتھ ساتھ ان مقامات کا احاطہ کرتی رہی، جہاں جہاں انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں

کاتایا۔

”بھائیوں سامنے دیکھئے، وہ کس کس رنگ و نسل کے لوگ بیٹھے ہیں، افریقہ کے کچھ، بالکل سیاہ قام، سب کے برابر غائب شام یا لبنان کے لوگ ہیں، ایسے سرخ و سفید کا ہاتھ لگاؤ تو کیلئے ہوں، پھر قریب ہی بیٹھنے کے پیلے پیلے مسلمان، ادھر لے چڑے گورے بچے حرکت حضرت، ادھر چھوٹے چھوٹے سانولے سانولے انڈیشین و بریز، بالکل سیاہی قدرت ہے، ہاں یاد رکھنی کہ تو قیامت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ”نہ گورے کو کالے پر کوئی فضیلت ہے، نہ کسی عربی کو کبھی پر فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہی ہے۔“

عثمان بھائی خاموش ہوئے تو سلمان بھائی نے گھڑی پر نظر ڈالی۔

”عثمان بھائی آپ ہمیں غار اور دوسری وہ تمام جگہیں دکھائیں، پھر ہمیں الوداعی طواف بھی کرنا ہوگا، اس کے بعد ریز پورٹ کے لئے روانگی۔“

ہم سب اٹھ کھڑے ہوئے، غار غار دیکھئے، پہاڑ پر چڑھنے کا یہ اشرق پر دھاتا جا رہا تھا، جس وقت عثمان بھائی نے ہمیں کہہ سے کوئی چنگوڑی ٹھٹھا کی سمت غار غار لے جانے کے لئے گاڑی اشارت کی تو میں نے بڑے اشتیاق سے ان سے پوچھا۔

”عثمان بھائی، یہ غار کے کاندھ بھی جائیں گے نا۔“

”ہاں..... ہاں بھائی ان شاء اللہ ضرور جائیں گے۔“

غار غار میں ہم پہنچے تو وہاں کی فضاء میں ایک بڑی روح پرورد خود بخود بولی تھی، اس مہک کو میں کوئی نام نہ دے سکا۔

”میرا بڑا بھائی وہ غار ہے کہ جہاں زمانہ نبوت جنتا قریب آ جا رہا تھا، اتنا ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہاں وقت زیادہ گزرا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں بیٹھیں قیام فرماتے، عبادت و ریاضت و مراقبے میں مصروف رہتے، یہ گھر سے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے،

کبھی بھی حضرت غدیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسی جگہ پر  
اشیاء خورد و نوش پہنچا دیتے، پھر آپ کو بے خواب نظر  
آنے لگے، آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے، بالکل وہی  
پیش آنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول غار  
حرا میں عبادت میں مشغول تھے کہ جبرئیل امین تشریف  
لائے اور آپ پر پہلی وحی ان کے ذریعے نازل ہوئی،  
جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ ”یٰسے اقرء باسم ربک  
الذی خلق“ کی آیت تھی جس سے قرآن  
پاک کے بتدریج آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے کا  
مسلک شروع ہوا۔ جب وقت آپ اس غیر معمولی صورت  
حال، جلال الہی اور وحی کی ہیبت و وزن سے کانپتے  
ہوئے گھر پہنچے اور اپنی شریک حیات حضرت غدیر کو جو کچھ  
واقعہ سنایا تو انہوں نے آپ کو سولی دی کہ آپ لوگوں کی مدد  
کرتے ہیں، مسافروں کا خیال رکھتے ہیں، یتیموں اور  
بیواؤں کی دیکھ ریکرتے ہیں، سب کے ہمدرد و غم خوار  
ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی سوا نہیں کرے گا، پھر وہ آپ صلی  
اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا زاد بھائی ورق بن نوفل کے پاس  
لے گئے، جو تاجر و دانش مند تھے، انہوں نے یہ  
سب سن کر کہا کہ یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ  
السلام پر اتر ا تھا، کاش کہ میں اس وقت تک زندہ رہتا  
جو قریش تمہیں مکہ سے لے گا کی اور میں تمہاری پوری  
پوری مدد کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ بات  
جبران کی تھی کہ جو تم انکس صادق و امین تھے، حق اور  
یقین کرتی ہے، پھر انکس سب سے کیوں نہ لے گا، آپ  
صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات پر ورق بن نوفل کا جواب تھا  
کہ جس کو حید خداوندی کا پیغام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لا  
ہے، جس کو بھی ملا، اس کو اس کی جانی و دین بن  
گئی آئیے چھوٹا اب پیچھے چلے، اب میں آپ سب  
کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانے پیدائش دکھا دے گا  
کہ جسے آپ شریک راؤ نہ کروں گا، اب وقت بہت ہی کم  
ہے، ہر طرف لوگ نہ بھی جانتے ہیں۔“

”عثمان بھائی آپ کو تو واقعی کسی اسکول میں  
اسلامی تاریخ پڑھائی چاہئے، میں تو آپ کے حافظے پر  
تجربا ہوں۔“  
مسلمان بھائی نے عثمان کو سستی نظروں  
سے دیکھا۔  
”اے سرور یہ کوئی حافظہ کا کمال نہیں، یہ تو رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک حیات کا ابتداء ہے، یہ تو ہر  
مسلمان بچے کو بھیجن ہی سے شاندار یاد کروانا چاہئے۔“  
عثمان بھائی نے سمجھ دیا۔  
”عثمان بھائی میں نے اور مسلمان بھائی نے تو آج  
پہلی مرتبہ یہ سب سنا ہے، پھر کیا کہہ سکتا ہوں۔“  
عثمان نے عثمان بھائی سے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔  
”پہلے آئیے گاڑی میں بیٹھنا۔“  
عثمان بھائی مسکرا کر نچھرتے گئے۔  
گاڑی میں بیٹھتے اور مکہ کی طرف مڑتے ہی میں  
نے عثمان بھائی کا کندھا ملا لیا۔  
”عثمان بھائی آپ کچھ کہہ رہے تھے۔“  
”ہاں تو میرا دُر پلٹے تاریخ کا سلسلہ وہیں سے  
جوڑتے ہیں جہاں چھوڑا تھا، پھر ہوا یہ میرے چھوٹے  
برادر فرحان کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا  
قرض ادا کرنا شروع کیا تو سخت مشکلات آپ کے سامنے  
آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے حضرت  
خدیجہ ایمان لائیں، مردوں میں جیکل حضرت ابوبکر  
صدقین اور چون میں حضرت عثمانؓ نے، حضرت زید بن  
الحذافہ بھی اولین ایمان لانے والوں میں سے ہیں، یہ  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے جبکہ حضرت  
خدیجہؓ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا بھائی تھا کہ  
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کی طرف من فرمایا:  
”.....حاضر ہے (حضرت خدیجہ کا لقب) مجھ پر اس  
وقت ایمان لائی جب ساری دنیا نعرہ بڑائی ہو گئی۔“

”.....اس نے اس وقت میری تصدیق کی جب  
لوگ مجھے بتا رہے تھے۔“  
”.....اس نے اپنے دل میں مجھے ایسے وقت  
شریک کیا جس وقت لوگوں نے کسب مال سے مجھے منع کیا۔“  
”.....اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی کسب سے صاحب  
اولاد دیا جبکہ کسی دوسری بیوی سے اولاد انکس دی۔“  
جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی  
تعداد بڑھنے لگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دارالم کو اپنی  
ایمانی دعوت کا مرکز بنایا اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے  
جانوروں کو باجماعت نماز پڑھاتے تھے، اسی مکان میں  
حضرت عمر فاروقؓ اسلام قبول کیا، اس کے بعد آپ صلی  
اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں اعلانِ نماز کرنے لگے،  
جیسے پیغمبروں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا، ویسے  
دیئے قریش کے بااثر لوگوں کے کرد و مجبور مسلمانوں پر  
مظالم بڑھ رہے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے مسلمانوں کو پہلے جوشہ پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت  
کی اجازت دے دی، نبوت کے دسویں سال آپ صلی  
اللہ علیہ وسلم کو فدک یا فدک کے سرے صدوں سے دو چار ہوئے،  
ایک حضرت خدیجہ کا وصال، دوسرے حضرت ابوطالب کی  
دینا سے رخصتی، پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتھک  
کوشش کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے ایمان کی  
دولت سے محروم رہے، بائیسوں بہت ہی ڈرنے کا مقام  
پہنچے کہ ہم نے ایمان کی سلامتی اور ایمان پر خاتمے کی دعا  
دریں سر، صرف اللہ سے پناہ مانگتے رہنا چاہئے۔“  
عثمان بھائی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور  
خاموش ہو گئے۔  
”بالکل ٹھیک کہا آپ نے عثمان بھائی، آپ کی  
بات پر مجھے ایک چھوٹا سا دانت یاد آ گیا، یہ وہ کہ ہمارے  
برادر میں ایک اللہ والے کر رہے ہیں، شاہ اسماعیل  
ؒ، ایک مرتبہ وہ ایک کھیت میں سے کر زہ رہے تھے،  
راستہ سے بہت گھر تھا کہ سامنے سے ایک شخص اپنے کتے

کے ساتھ آ رہا تھا، جب دونوں بالکل قریب پہنچے تو اس  
شخص کو بھانپنے لگا، کتہ کو بھانپا اور شاہ  
اسماعیلؒ سے پوچھا کہ یہ بتائیے کہ آپ اچھے ہیں یا برا  
کتا، شاہ اسماعیلؒ شہیدؒ نے ایک نظر اس شخص کو دیکھا اور  
بڑی تیزی سے بولے۔ ”بھائی اگر میرا ایمان پر خاتمہ  
ہو گیا، پھر تو میں ہی اچھا ہوں ورنہ دوسری صورت میں یہ  
کتا ہی فصل ہے۔“  
سرفراز بھائی کی اس بات پر میرا دل دھک دھک  
کرنے لگا، میں نے تو اپنے گھر میں بھی ایسا کوئی واقعہ  
نہیں سنا تھا، کیا ڈیڑی اور ان کی جماعت کے بڑوں نے  
کبھی غور کیا کہ وہ کس جگہ سے خود ساختہ نبی کے پیچھے  
اندھا دھندہ دوڑ رہے ہیں، انہوں نے آقاؐ سے مدنی  
صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات سے کسے سین پہلو ملا کر آپ  
پر واقعہ ہر دن اپنے اندر ایک دلاؤری کی رکھتے رہے سنتے  
جاؤ، دل ہی نہیں بھرتا، کاش..... کاش ڈیڑی، جی اور گھر  
والے ایمان لے آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری  
نبی مان لیں..... اللہ تعالیٰ ہدایت دے سکے۔ اللہ تعالیٰ  
ہر بات دے دے..... ابھی میری سوچیں سبیل تک  
پہنچیں کہ میں کس عثمان بھائی کی آواز نے مجھے چننا کیا۔  
”برادر آپ نے اسراء کے بارے میں تو ضرور  
سنایا پڑھا ہوگا، آپ لوگ اپنی زبان میں اسے معراج  
النبویؐ کہتے ہیں، یہ واقعہ یہیں کہ کرم میں پیش آیا، جب  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ حرام میں گھومتے ہوئے  
الحرام سے مسجد اقصیٰ تک، پھر وہاں سے سلاطین تک  
اپنے مبارک حید کے ساتھ ایک ایک رات میں کیا، یہ کہ  
منورہ ہجرت سے کچھ پہلے ایک شب آپ صلی اللہ علیہ  
وسلم مسجد الحرام میں تشریف رکھتے تھے اور خٹیم میں آرام  
فرما رہے تھے کہ بیدار ہوئے اور نیند کی درمیانی حالت میں  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو  
دیکھا کہ چند رشتوں کے ساتھ تشریف لائے اور آپ  
صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہہاں ہم کے پاس لے گئے جہاں



سینہ اور نوک چاک کر کے دل مبارک کو نکالا، اسے زم زم سے دھویا، اسے بعد ایمان و حکمت سے بھرا ہوا سونے کا ایک طشت لایا گیا، جبرئیل امین نے ایمان و حکمت کا وہ خزانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں منتقل کر کے اسے سینہ مبارک میں رکھ کر اسے دوبارہ برابر کر دیا، یا اس کے بعد مسند رنگ کا بعد حجرے سے مشابہ ایک جانور لایا گیا جسے براہ کئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر شروع ہو گیا۔ عراق کی رفتار اس قدر تیزی کی کہ اس کا ہر قدم گناہ کی آخری حد پر پڑتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بیت المقدس پہنچے اور عراق کو ملا ہی میں باندھا جہاں انبیاء علیہ السلام کی ساریاں پائے جاتے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد اقصیٰ تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر جب بارہ نکلے تو جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شراب اور دودھ کے دو پیالے پیش کئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کا پیالہ اٹھالیا، جبرئیل امین کینے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرت کو پسند فرمایا ہے، اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت گمراہ ہو جاتی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل امین کے ساتھ آسمانوں میں تشریف لے گئے، پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام، دوسرے پر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، تیسرے میں حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے میں حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں میں حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کی سیر کرائی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے اس مقام تک پہنچے جہاں قدم قدرت چلنے کی آواز نواز دیتی تھی، مجھ اور اس کے بعد بنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ العقیلیٰ جنت کی انتہائی

کی ہری کر درخت تک پہنچ گئے، اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انوار تجلیات کا نظارہ کیا، بعض روایات میں ہے کہ یہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا جلوہ دیکھا اور اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کا تختہ دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر پیکار نمازیں فرض کی گئیں، جب واپسی میں آپ کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے ہوا تو انہوں نے تو پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا تختہ عطا کیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیکار نمازیں، حضرت موسیٰ نے یہ جواب سن کر کہا کہ میں اپنی قوم کو آزاد ہوا چوں، آپ کی امت بھی یہ باتیں اٹھائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کی اس بات پر کئی بار اللہ تعالیٰ کے حضور نماز کی تعداد میں کمی کی درخواست کی تو آخر میں پانچ نمازیں باقی رہ گئیں، جو قیامت تک کے لئے امت پر فرض ہیں۔

صبح کے وقت جب رسول اللہ صلی اہل علیہ وسلم نے رؤسائے قریش کے سامنے اس واقعہ کو بیان فرمایا تو ان میں سے کسی نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو تسلیم نہیں کیا اور طرح طرح کے سوالات کرنے شروع کر دیئے، قریش میں اکثر افراد تار تار تھے اور انہوں نے بیت المقدس کو بار بار دیکھا تھا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں صحیح ہیں تو ہمارے سامنے بیت المقدس کی ہیئت بیان کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی اس بات سے سخت تشویش ہوئی مگر اللہ تعالیٰ نے اسی وقت وہاں پہاڑ پورا نشان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دیا، اب کفار و مشرک کرتے جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مبارک آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر جواب دیتے جاتے تھے، جس وقت یہ واقعہ اسراء پیش آیا، ان دنوں حضرت ابوبکر صدیقؓ حاضر رہے جس وقت آپ واپس مکہ پہنچے اور آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمانوں تک سفر کے

واقعہ معلوم ہوئے تو آپ نے فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور انہوں نے اس کو بچھڑا۔

چنانچہ بھائی یہاں تک پہنچ کر غامض ہو گئے، گاڑی میں بالکل سکوت تھا، لگتا تھا کہ ہم سب میں ان کے لہجے کی حلاوت اور ان کے جذبہ کی صداقت کے آگے کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہے، میں اپنے ہی خیالوں میں گھوبا بھٹکا تھا کہ سر فرزا بھائی کی آواز نے ہوش بگاڑ دیا۔

”آپ نے تو ہمیں ایک بھولا بھلا ہوا سبق یاد دلایا ہر اور عثمان، بھانجے کے اور کس کلاس و کتب میں برہما برس پہلے میں نے یہ واقعات پڑے تھے، اب تو وقت بہت ہی تنگ ہے، ورنہ آپ ہمیں کسی ایک اسٹال پر لے جاتے تو ہم یہیں سے تاریخ کی کتابیں خرید لیتے۔“

”ہاں ہر اور اب تو حرم ہی چلتے ہیں، طواف سے فارغ ہو کر محل سے سامان اٹھائے پھر جہاد میں لپڑت۔“

عثمان بھائی نے گردن پیچھے موڑ کر مجھے دیکھا، پھر سکرانے۔

میں نے ایک عجیب سوتی جاگتی کیفیت میں اپنا الوداعی طواف کیا، میرے قدم من کے ہورہے تھے، میرے الفاظ نظم ہو گئے تھے، مگر دل کی دعا میں جاری تھیں، اس وقت رش بھی بالکل نہیں تھا، ہاتھ دفعہ دہر بھائی میرے ساتھ ساتھ رہے، وہ سرگوش میں کچھ کہتے، پھر خاموش ہو جاتے، اچانک ہی انہوں نے آہستہ سے مجھ سے کہا۔

”عافیہ صدیقی کے لئے دعا کرنا فرمان..... بہت زیادہ دعا“

ان کی اس بات نے مجھے وہیں اکیلی جگہ جم کر دیا، میں بالکل فریز ہو گیا، یہ محمود بھائی آخر نہیں کیا چیز، کیا انہوں نے یہاں تک میرا ایک کو یاد رکھا ہوا ہے، پھر مجھے خود پر شرم آئی، یہاں بھی کیا کیا مطلب، یہیں تو وہ بد یاد آنے چاہئیں جو ہمیں ویسے تو کہیں اور بھی یاد نہیں آتے، میرا اپنی طواف عالم اسلام پاکستان اور عافیہ صدیقی کے

لے دعاؤں میں گزر رہا، میں نے فلسطین کے لئے دعا کی، افغانستان کو یاد رکھا، میں عراق کی کوئی نہیں بھولا، وزیرستان، باجوڑ اور سوات تک پہنچتے پہنچتے میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، یہ محمود بھائی ہیں کیا..... آخر یہ ہیں کیا.....

میں آخری چکر کے بعد ملہزم پہنچا تو سلمان بھائی کی زبان زار و قطار روئے ہوئے نظر آئے۔ میں نے وہاں دل کی باتیں کہیں سے، میڈیٹیو اور سب گمراہوں کے لئے دعا کی اور یوں قدموں سے سب کے ساتھ باہر آیا۔

چندہ روز بعد سرحد کی ہماری ڈرائیو بائیں خانہ شادی میں گزری، لگتا تھا کہ کسی کے پاس کچھ کہنے کو ہی نہیں ہے، ایئر پورٹ کی پارکنگ میں گاڑی پارک کر کے جب ہم ریشٹل پہنچے تو عثمان بھائی بغیر کچھ کہے ہم سب سے بغلیکے ہوئے سلام کیا اور فراموشی مڑ کر واپس چلے گئے۔

”میں عثمان بھائی کی نیکیت سمجھتا ہوں یا..... اگر وہ یہاں ایک منٹ بھی ٹھہرتے تو میں بچوں کی طرح رونے لگتا۔“

سر فرزا بھائی نے ایک زبردستی کی ہنسی کے ساتھ کہا۔

”میرا بھی یہی حال ہے بھائی..... بالکل یہی حال..... بلکہ میرا کبھی حال ہے..... خیر..... چلنے اب بند چلنے ہیں..... ظاہر میں وقت بہت کم ہے۔“

سلمان بھائی نے یہ کہتے ہوئے سامنے سے ہماری ٹرائی آگے کی اور ہم سب ان کے پیچھے پیچھے ہوئے۔

☆☆☆☆

یادیں..... یادیں، پھر وہ بھی ایسی یادیں..... اللہ اور اس کے پرہیزگار کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درباری، کھر پیچ کر کھنچے حج معنوں میں لگا کر مجھے میں اپنا دل وہیں اللہ کے گھر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں چھوڑ آیا ہوں، میں کنی دل کو بھویا رہا، مسلمان بھائی میں بالکل خاموش تھے، کھر اور اپنا دل..... لگ رہا تھا کہ ان کے پاس بھی کچھ کہنے کو کہیں رہا، پھر سر فرزا بھائی..... بھی کئی وہ



ہمارے گھر آرام کرنے آتے تو وہی شعر گنگنا تے رہتے  
جو ہمیں محمود بھائی نے سنایا تھا۔

ہوئے کہا۔

ہوئے کہا۔  
 ”واؤ..... زبردست..... چلیں تیاری کر لیں، مجھے

صبح آیا تھا، میں نے اس وقت تو تمہیں بتانا مناسب نہیں  
 سمجھا کہ تم ایمر جنسی میں الجھے ہوئے تھے، اسپتال بند

تھکے ہارے..... کبھی تو وہ کمرے میں داخل ہوتے ہی  
بستر پر گر جاتے اور ذرا سی دیر میں گہری نیند میں ڈوب

نہیں کہا نہیں۔“

میں ایک دم ہی غصے میں آ گیا۔

”ارے ارے۔۔۔ آہستہ آہستہ بھائی۔۔۔ آہستہ، فائدہ کیا ہوتا تھا نہ جانے گا، کون سا کوئی ہماری سنت، پھر تو ہسپتال کا معاملہ ہے، ہم نہیں دہاں، کوئی پتہ لگاؤ نظر تو تھا نہیں کہ ہم آئیں آگے بڑھ کر دیوبند لیتے، یا راجھی ابھی ذہن میں ایک خیال آیا ہے، وہ دیکھوں کہ کیا کیسے سمجھتے ہیں وہ اندر۔“

سرفراز بھائی نے اچانک ہی چٹکی بھر کھانی اور نہ لنگ۔ مجھے بھی تو اپنا کیا بتانا نہیں سرفراز بھائی، کیا سوچا ہے آپ نے۔۔۔ میں نے بڑی دیکھی سن ان سے تو پچھا۔ ”بس یار باب ایسا ہوگا کہ ہم جائیں گے ان کے آفس اور اندر جا کر کچھ ہنگامہ کر کے آئیں گے، تو ہیں سب بڑھ پڑھ ہی ہو، لیکن ایک کچھ دیکھ جائیں گے۔“

☆☆☆☆

سلمان بھائی ہمیں لے کر مغرب سے کچھ پہلے جس وقت ہاشم بھائی کے گھر پہنچے وہاں ہاشم بھائی ہمارا استقبال کرنے موجود تھے، مجھے بڑی شرمندگی اور غصہ تھا، میں نے تو اللہ کے کھر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے در پر بھیج دیا تھا کہ میں جیسا کیا تھا اندر ہی واپس آ گیا، ابھی میں ہی سب سوچ رہا تھا کہ اندر سے ہاشم بھائی کے والد صاحب آتے ہوئے دکھائی دے، انہوں نے آگے بڑھ کر ہم چاروں کو گلے سے لگایا اور بڑی گرم جوشی سے ہمیں عمر اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کی مبارک بادی دی، وہ دھم دھم سے کہنے لگے ہوں اندر آگئے، کرے میں شیخ کر ابھی تمام دوست ساتھ آ اور بزرگ اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے ہی تھے کہ ہاشم بھائی نے آگے بڑھ کر بانیگ سفینا، وہ بہت خوش نظر آ رہے تھے، انہوں نے نہسکرے ہوئے چاروں طرف دیکھا، پھر سلام کر کے اپنی بات کا آغاز کیا۔

”بھائیو دوستو اور بزرگو۔۔۔ میں ایک بار پھر اپنی

اور یہاں موجود سارے ہی حاضری کی جانب سے سلمان، سرفراز بھائی، محمود بھائی اور چھوٹے صاحب فرحان کو ان کے مبارک سفر سے بخیر و خوبی واپسی پر مبارکباد دیتا ہوں اور ساتھ ہی سرفراز بھائی سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ آگے آ کر وہاں گزارے ہوئے دنوں کی کچھ یادیں ہمارے ساتھ شئیر کریں، آئیے سرفراز بھائی، بیچے بانیگ حاضری ہے۔“

”وعلیکم السلام شام بھائی۔۔۔ یہ آپ سب ساتھیوں کی محبت ہے کہ آپ لوگ مجھے سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں جوقوت تم نے گزارا ہے اس کی رونمیا اور سناچار ہے آج ہیں، مگر مجھ نہیں آ رہا ہے کہ میں تو کیا کہوں۔۔۔ بیان کروں تو کیا کروں، میرے اپنے ساتھ تو یہ ہوا کہ جیسے ہی ہم چاروں روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے تو میرے ہاتھ پاؤں ٹل سے ہو گئے، سارے شرمندگی کے میرے اندر بالکل حوصلہ نہ رہا کہ میں وہاں دعا کے لئے ہاتھ ہی اٹھاؤں، جس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمارے اوپر اتنی رحمتیں۔۔۔ اتنی شفقتیں۔۔۔ کہ وہ ساری ساری رات ہمارے لئے تہ تیہ رہتے رہتے، ہمارے لئے الٹک بارہے کہ کسی طرح ہم جہنم کی آگ سے بچ جائیں۔۔۔ اللہ تعالیٰ کا قرب ہمیں مل جائے۔۔۔ اسی ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر صرح، ہر سنت اور چھوڑ کر آج ہم ایک عجیب و غریب سے سمت قسم کی زندگی گزار رہے ہیں، میں عجیب و غریب سلمان، محمود بھائی، فرحان بلکہ جو وہاں قصاب کی بیٹی حالت، یہی کیفیت تھی، اس کے ساتھ ہی ایک شعر بار بار ذہن میں آ رہا تھا، جو آج بھی اسی طرح میرے دل و دماغ میں پیوست ہے، یہی اس وقت تھا۔

بارگاہ سید الکونین میں آ کر سوچتا ہوں کیسے آیا، تم تو اس قابل نہ تھا اس کے بعد جب ہم مکہ معظمہ پہنچے تو وہاں بھی خانہ کعبہ پر نظر پڑتے ہی ہم چاروں لگ ہو گئے، جب کچھ

دوش آیا تو دعاؤں کے لئے ہاتھ اٹھانے نہ جانے کیا کیا مانگا۔۔۔ کیا کیا کیا۔۔۔ ایک عجیب و غریب دوش کی حالت تھی، میں بارہا بتاتا چلوں کہ میں نے آپ سب کے لئے ہر وہ دعا مانگی جو میں نے اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے کی، پھر میں نے بھی یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ سلمان، محمود بھائی اور فرحان نے بھی ہر سچی کو یاد رکھا، اس کے ساتھ ہی ہم پورے عالم اسلام کو ہی نہ بھولے، ہم تو خیر جیسی دعائیں کر کے کس کر میں مگر محمود بھائی۔۔۔ محمود بھائی۔۔۔ کائنات کے لئے وہ اصل درد ہمیں وہاں جا کر محسوس ہوا، جس وقت ہم نے انہیں بچوں کی طرح بلک بلک کر رب کے آگے ہاتھ پھیلا پھیلا کر فریادیں کرتے ہوئے دیکھا، مجھے یقین ہے کہ رب کعبہ نے ان کی آواز زاری کو ضرور قبول کر لیا ہوگا اور ساتھ ہی ان کو ضرور ہم نے ہماری سچی ٹوٹی چوٹی اٹھاؤں کو اپنی خصوصی رحمت سے منظور کر لیا ہوگا، بس یہاں نہیں۔۔۔ میں یہ اتنا بھی نہ جانے کیسے کہہ گیا، چلنے اب لوٹ کر اسی موضوع کی طرف چلنے ہیں، جس کے لئے ہم سارے ساتھی ہی بڑی صبری سے انتظار کرتے ہیں، یعنی کہ غزوات رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ہاشم بھائی ٹھیک کہتا ہیں؟“

سرفراز بھائی نے ہاشم بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ادھر کمرے کے قریب آ کر بیٹھ گئے، میں نے بڑے اشتیاق سے ہاشم بھائی کو دیکھا وہ مسکراتے ہوئے اٹھے اور دوبارہ مانگ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

”جی سرفراز بھائی آپ نے بالکل ٹھیک کہا، دوستوں جیسا کہ آپ کو یاد ہوگا کہ ہمارا آخری بیگانہ غزوہ نبی قرط کے بارے میں تھا جو 5ھ میں ہوا تھا، اب ہم 6ھ کی طرف آتے ہیں، لیکن اس غزوہ کے بعد کسی سربراہی ہوئے جو کہ 6ھ میں شروع ہوئے، یہاں یہ بتانا بھی مناسب لگتا ہے کہ سربراہی جنگ کو کہتے ہیں جس میں اصل صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس خود شرکت نہیں کر لی، بلکہ لشکر اسلام کی سالار کے Under روانہ فرمایا،

اس ضمن میں سب سے پہلے میرے محمد بن مسلمہ انصاری کے بارے میں بتانا چاہوں گا۔ 10 محرم 6ھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس سو اوروں کو کھجوریں سلمہ کی سرکردگی میں قرقاء کی طرف روانہ فرمایا، قرقاء چھوٹا سی بکر کی ایک شاخ ہے جس کے افراد مدینہ منورہ سے اس دور کے سات دن کے سفر کے راستے پر مقام رضہ میں رہتے تھے، محمد بن مسلمہ انصاری نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں شیخ قرطبہ پر چھاپہ مارا۔۔۔ ان کے ان افراد کو ہونے اور باقی بھاگ گئے، مال غنیمت میں وہاں سے ڈیڑھ سو اونٹ اور تین ہزار بکریاں ہاتھ آئیں، اس کے بعد یہ لشکر سفر کا ہوا، انہیں مدینہ میں مدینہ منورہ پہنچا جہاں اصل صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تمام غنائم پیش کئے گئے، جنہیں اس وقت اللہ علیہ وسلم نے لشکر پر تقسیم فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ یہ لوگ بنی حنیفہ کے سردار شامہ بن اعل کو گرفتار کر کے ساتھ لائے، جس وقت اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھنے کا حکم دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شامہ کے پاس سے گزرے تو اس سے فرمایا۔

”اسے شامہ میری نسبت تمہارا کیا گمان ہے۔“

شامہ نے جواب میں کہا۔

”میرا گمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اچھا ہے۔“

”اگر آپ قتل کریں تو ایک غوثی قتل کریں گے جو قتل کا ستم ہے اور اگر انعام و احسان فرمائیں تو ایک شکر گزار پر انعام و احسان ہوگا اور اگر مال مطلوب ہو جائے گا حاضر کروں۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شامہ کی بات سن کر خاموشی سے وہاں سے گزرے، دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اصرار سے گزرتے اور شامہ سے دریافت فرمایا۔

”انعام لائے میری نسبت تمہارا کیا گمان ہے۔“





یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں، جن کی پیدائش ۳۰ میلادی نبوی میں ہوئی۔ نبی ان کی ولادت کے وقت آں حضرت کی منی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۳۰ سال تھی، من بون کو کچھنے پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت ابوالعاص بن اریح سے کر دیا تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن بابت خولید کے بیٹے تھے، اس طرح وہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خالہ زاد بہن بن گئیں۔ لیکن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بچپن ہی میں اپنے شوہر کے پاس ہی رہیں۔

جھرت:..... حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ میں اپنے شوہر کے پاس رہیں، حتیٰ کہ ان کو کحالت شرک ہی میں چھوڑ کر اہل غزوہ بدر کے بعد مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، حضرت ابوالعاص زینب کے ہم سفر تھے۔

اس دفعہ ثمامہ صرف اس قدر کہہ۔  
 ”اگر احسان فرمائیں تو ایک شکر گزار احسان ہوگا۔“  
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جواب پر بھی خاموش سے گزر گئے، تیسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اصرار آئے اور ثمامہ سے وہی سوال کیا، ثمامہ نے اس دن صرف اتنا کہا:  
 ”میرا گمان وہی ہے جو میں کل عرض کر چکا ہوں۔“  
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ کی اس بات پر مضامیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔  
 ”ثمامہ! کوہل دو! لیکن اس حق کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ثمامہ سے فرمایا: ”اے ثمامہ میں نے تجھ کو معاف کیا اور آزاد کیا۔“  
 ثمامہ نے رہائی پاتے ہی ایک عربی نخلستان میں جا کر غسل کیا پھر مسجد میں آ کر اعلان کیا۔  
 ”اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ۔“  
 کلمہ پڑھنے کے بعد ثمامہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوئے:  
 ”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے پیشتر آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی چہرہ مجھے دنیا میں معوض نہ تھا اور آج (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے چہرے سے زیادہ روئے زمین پر کوئی چہرہ مجھے محبوب اور پیرا نہیں، اس سے پہلے آپ کے دین سے زیادہ کوئی دین مجھے معوض نہ تھا اور آج سب سے زیادہ آپ ہی کا دین مجھے محبوب ہے اور آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر معوض نہ تھا اور آج آپ کے شہر سے زیادہ مجھ کو کوئی شہر محبوب نہیں، میں عمرہ کے ارادے سے جا رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار مجھ کو گرفتار کر کے لائے، اب جوار شاد ہوا۔“  
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عمرہ کرنے کا حکم دیا اور ثمارت دی، ثمامہ نے ان کا غلط کامیاب میں سے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے

جہانے کے بعد جب اہل یمامہ مرد ہو کر مسیلہ کذاب کے ساتھ ہو گئے تو حضرت ثمامہ نے سورۃ مؤمنون کی یہ آیتیں لوگوں کے سامنے تلاوت کیں۔  
 ”یہ کتاب اتاری گئی ہے اس اللہ کی جانب سے جو غالب ہے، قبول کرنے والا اور بخیر مومن کو سخت سزا دینے والا اور دوسروں کو برا انعام دینے والا ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کی طرف فلوٹ کر سب کو جانا ہے۔“  
 اس کے بعد ثمامہ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر یہ کہا:  
 ”بھلا انصاف تو کرو کہ اس کلام مجھ کو مسیلہ کذاب کے ذہان سے کیا نسبت؟“  
 حضرت ثمامہ کے اعلان میں وہ بے ہوش ہوئے یہ کلمات اتر کر گئے اور بن ہزار افراد مسیلہ کا ساتھ چھوڑ کر آغوش اسلام میں آ گئے۔  
 اس کے باوجود جب حضرت ثمامہ نے دیکھا کہ لوگ بڑی تعداد میں مسیلہ کے پیچھے جا رہے ہیں تو انہوں نے ان مسلمانوں سے، جو ان کے ساتھ تھے فرمایا:  
 ”خدا کی قسم میں اس شہر میں ہرگز نہ رہوں گا، میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کیا ہے، جو میرے ساتھ چلتا جا رہے ہیں۔“  
 ثمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بات کو سن کر مسلمانوں کا ایک گروہ ان کے ساتھ ہو گیا اور وہاں سے روانہ ہو کر حضرت علامہ بن عمرؓ سے جا مل گئے۔  
 ہاشم بھائی کا بیان ہے کہ ہم سب ہمیں سب سے پہلے لگے کہ خاموش ہوتے ہی سب چونک کر نہیں دیکھنے لگے۔  
 ”اچھا چائیں لو سر میرے بن مسلمہ انصاری کا بیان اختتام کو پہنچتا ہے، اب ان شاء اللہ جب بھی اللہ نے چاہا تو 6ھ کے باقی سیرائی بیان ہوں گے، ملنے اب دعوت ولیمہ میں چلنے کی تیار کی کرتے ہیں، السلام علیکم۔“  
 ہاشم بھائی ایک جانتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کر سب سے پہلے ہاتھ نہ رکھ گئے ان کے چہرے ہی تمہاجس نے بھی ہاتھ نہ رکھ گئے۔ (جاری ہے)



لے آئے، جنگ میں شریک ہوئے، مسلمانوں کو فتح ہوئی اور حضرت ابوالعاص بن اریح دیگر مشرکین کے ساتھ قید کر دینے لگے، ان کو حضرت عبید اللہ بن یحییٰ بن اصبہان نے قید کیا تھا، بد سے بارگاہِ جبر میں شریک اپنے وطن پہنچے تو قیدیوں کو چھڑانے کے لئے قید (جان کا بدلہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، ہر ایک قیدی کے عزیزوں نے کچھ نہ کچھ بھیجا تھا، حضرت نذیب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شوہر کو چھڑانے کے لئے عمرو بن اریح کو مال دے کر روانہ کیا۔ (یہ حضرت ابوالعاص کے بھائی تھے) اس مال میں ایک بار بھی تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شادی کے وقت حضرت نذیب کو دیا تھا، اس بار کو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ یاد آگئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت رقت طاری ہوئی، جاں نثار صحابہ سے فرمایا کہ تم مناسب سمجھو تو نذیب کے قیدی کو یوں ہی چھوڑ دو اور اس کا مال واپس کر دو، اشاروں پر جان دینے والے صحابہ نے بخوشی قبول کیا اور سب نے عرض کیا کہ ہم کو ایسی طرح منظور ہے، چنانچہ حضرت ابوالعاص چھوڑ دیئے گئے، لیکن سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ شرط کر لی کہ نذیب کو مکہ کا رہنے کے لئے روانہ کر دینا، چنانچہ انہوں نے یہ شرط منظور کر لی اور اس کو پورا کیا، جس کی وجہ سے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی اور فرمایا:

”ابوالعاص نے مجھ سے گفتگو کی اور جج کا کہا اور مجھ سے وعدہ کیا اور اسے پورا کیا۔“

چنانچہ حضرت ابوالعاص کے مکہ پہنچ جانے پر حضرت نذیب رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے شیعہ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ آگئیں، لیکن ہجرت کے وقت ان کو بدودن کا اندیشہ پیش آیا کہ جب وہ ہجرت کے ارادے سے نکلتے تو بہار بن الاسود اور اس کے ایک ساتھی نے ان کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا، چنانچہ ایک نے ان کو

دھکا دیا جس کی وجہ سے وہ ایک پتھر پر گر پڑیں اور ایک تکلیف پہنچی کہ سراسر ہوا گیا، یہ تکلیف تادم آخر چلتی رہی اور بنی ان کی وفات کا سبب بنی، یہاں تک کہ وہ ”اور اصابہ“ میں ہے کہ حضرت ابوالعاص نے ان مدینہ منورہ جانے کی اجازت دے دی اور ان کے روانہ ہونے سے قبل ہی شام چلے گئے لیکن ہشام بن الاسود اور اس کے ساتھیوں نے ان کو جانے سے روکا اور گھر میں واپس کر دیا، اس کے بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رہ لانے کے لئے مدینہ منورہ سے آدی بھیجا، جس کے ساتھ وہ مدینہ منورہ پہنچے، حضرت نذیب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو تکلیف پہنچی اس کے بارے میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ میری سب سے اچھی بیٹی کی بیوی کی محبت میں تھا۔“

حضرت ابوالعاص کا مسلمان ہونا:..... ہدایت کے قہقہے میں ہے، حضرت ابوالعاص کا وقت اللہ عز و جل نے خیرہ کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص دوست بھی اور دار بھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کھریں میں لیکن مسلمان نہیں ہوئے، یہودی سے اس قدر نفرت ہے کہ مشرکین مکہ کے زور دینے پر بھی طلاق نہیں دیتے، بدریں قید ہوئے، یہودی کو مدینہ منورہ پر دیکھا گیا تو اسلام قبول نہیں کیا، پھر اللہ باری تعالیٰ نے ہدایت تو دی تو بخوشی سے اسلام کے حلقہ نبوت ہو گئے جس کا واقعہ یہ ہے کہ کچھ مکہ سے پہلے انہوں نے ایک قافلہ کے ساتھ شام کے سفر کا ارادہ کیا، قریش کے بہت سے مال آدے ساتھ پر تجارت کے لئے ساتھ لے کر روانہ ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک دستانہ جس کے امیر حضرت زید بن حارثہ تھے آدے آیا اور اس دستانہ سے اس قافلہ کا مال جمن لیا اور کچھ لوگوں کو قید کر لیا، حضرت ابوالعاص قیدی نہ آئے، بلکہ ہماگ کر مدینہ منورہ چلے گئے اور رات کو حضرت نذیب کے پاس پہنچ کر پناہ مانگی، انہوں نے پناہ

دے دی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت نذیب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زور سے پکار کر کہا (اے لوگو!) میں نے ابوالعاص کو پناہ دے دی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ کیا آپ حضرت نے نذیب سے نذیب نہ کیا کیا؟ حاضرین نے کہا، جی ہاں ہم نے نہ اس مصنف عادل صلی اللہ علیہ وسلم پر بدو کا حق مانا، فرمایا: (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اس وقت سے پہلے مجھے بھی پتہ نہیں تھا کہ ابوالعاص مدینہ میں ہے اور اس کو نذیب نے پناہ دی ہے مجھے اس وقت اس کا علم وہاں تک تھا کہ اس کی آواز پہنچی) اس کے بعد فرمایا کہ ادنیٰ مسلمان بھی کسی کو پناہ دے دے تو سب مسلمانوں کو اس کا پورا کار لازم ہو جاتا ہے، پھر یہ خبر کر کے آپ حضرت نذیب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے اور ان سے فرمایا کہ ابوالعاص کو کبھی طرح رکنا اور مایاں بیوی والے تعلق کو نہ ہونے دینا کیونکہ تم ان کے لئے حلال نہیں ہو، حضرت نذیب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یہ کیا مال لینے آئے ہیں، میں کر آپ نے اس دستہ کو جمع کیا، جنہوں نے ان کا مال چھینا تھا اور فرمایا کہ اس شخص ابوالعاص کا جو تعلق ہم سے ہے، اس سے تو آپ لوگ واقف ہیں اور اس کا مال جو تم لوگوں کے ہاتھ لگ گیا ہے جو ہمارے لئے اللہ کی طرف سے امتات ہے، جس کا پتا نہیں کہ آپ لوگ اس کے ساتھ احسان کریں اور جو مال اس کا لے لیا ہے واپس کر دیں لیکن اگر تم ایسا نہ کر دو تو میں مجبور ہوں کہ اس مال کے قہری قار ہو، یہ سن کر سب نے ان کا مال بخوشی خاطر واپس کر دیا، اس مال کو کہ وہ مکہ معظمہ پہنچے اور ان پر جس گم کا جو حق تھا اور کر دیا، اس کے بعد کھڑے شہادت پڑھ کر اہل اسلام ہو گئے اور کفار کو اس کے کہیں نہ کہاں پہنچ کر اس نے اسلام کا کلمہ پڑھا کہ اگر مدینہ میں مسلمان ہو جاتا تو تم لوگ یہ سمجھتے کہ ہمارا مال مارنے کے

لئے مسلمان ہو گیا، اب جب کہ میں نے تمام حقوق ادا کر دیے تو کلمہ اسلام پڑھا، اس کے بعد حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ چلے گئے اور اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نذیب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بدو کا ان کا کٹا خر دیا۔

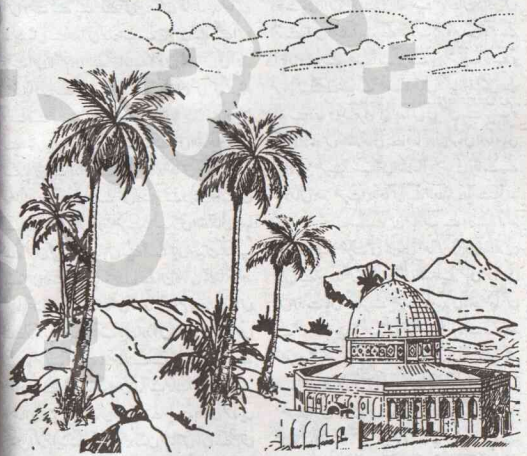
وفات:..... کچھ سال کے بعد حضرت نذیب رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں دوبارہ آئیں اور ان ہی کے نکاح میں ۸ھ میں وفات پائی، آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواتین کی قبریں اترے، اس وقت آپ کے مبارک چہرہ پر برجہ خم کے آثار موجود تھے، جب آپ کبر سے باز شریف لائے تو فرمایا کہ مجھے نذیب کے صنف کا خلیا آ گیا، ہاتھ میں لے کر اللہ سے دعا کی کہ قبر کی بجلی اور اس کی ٹھٹھ سے نذیب کو محفوظ فرما دیں، اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور آسانی فرمادی، حضرت نذیب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے چار سال بعد حضرت ابوالعاص نے ۱۲ھ میں وفات پائی۔ حضرت نذیب کے کفن مبارک کے دو پونے تولد ہوئے، ایک حضرت علی بن ابی العاص انہوں نے سن بلوغ کے قریب آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں وفات پائی، دوسرے حضرت امام رضی اللہ عنہما جن سے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کیا، پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کا نکاح حضرت نذیب کی وفات کے بعد ان کا نکاح حضرت نفیس بن مخیرۃ سے ہوا، ان سے ایک صاحبزادہ بھی بنی ان کی تولد ہو، مگر بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح میں ان کے کفن مبارک سے کوئی اور لدوئی نہ حضرت نفیس کی حافظہ سے ”جڑے“ میں لکھا ہے:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل مبارک حضرت فاطمہؑ کے علاوہ کسی سے نہیں چلی۔“

☆.....☆

# ام المومنین حضرت ام سلمہ

محمد سعید علوی



حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا غیر معمولی شرف و فضیلت کی حامل خاتون تھیں، ان کے والد کا شمار قبیلہ بنی مخزوم کے مشہور اور اہم سرداروں اور عرب کے معدودے چند صاحبِ جود و سخا میں ہوتا تھا، وہ اپنی سخاوت و فیاضی کی وجہ سے ”زاد الرکب“ کے لقب سے مشہور تھے، کیونکہ ان کے علاقے کا قصد کرنے والے قافلے اور ان کی

معیشت میں سفر کرنے والے مسافر بھی اپنے ساتھ زادراہ لے کر چلنے کی ضرورت نہیں محسوس کرتے تھے، جو بالکل آغازِ دعوت کے زمانے میں وادعہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان سے پہلے صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان چند لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا جن کی تعداد پانچوں کی انگلیوں سے بھی کم تھی، ان کا نام ہمند

ہات امیہ اسی تھا، لیکن ان کی کنیت ”ام سلمہ“ ان کے نام سے زیادہ مشہور تھی، وہ اپنے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ ہی اسلام لائیں۔ وہ وادعہ اسلام میں داخل ہونے والی دوسری خاتون تھیں، یہ شرف ان سے پہلے صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حاصل تھا، جیسے ان کے شوہر کے مسلمان ہونے کی خبر قریش کو ملی، وہ غصے سے آگ بگولہ ہو گئے، ان کے اندر ایک ہیجان برپا ہو گیا اور انہوں نے ان دونوں کو ایسی اذیت ناک اور عبرت انگیز سزائیں دیں کہ سلسلہ شروع کر دیا جو مضبوط چٹانوں کو پلا دینے کے لئے کافی تھیں، لیکن انہوں نے ان سزاؤں کے سامنے تو کسی ضعف و کمزوری کا اظہار کیا نہ ہمت ہاری، نہ کسی قسم کے تردد و مذہذب میں مبتلا ہوئے، جب اذیت رسائی کا یہ سلسلہ سخت سے سخت تر ہوتا چلا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی تو یہ پیش تھے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شوہر انجمنی دیار اور انجمنی علاقے کی طرف چل پڑے اور اپنے پیچھے کم میں عالی مکان، اپنا بلند مقام اور اپنی خاندانی شرافت چھوڑ گئے، وہ اپنے اس عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کے خواہاں اور اس کی رضا و خوشنودی کے طالب تھے، اگرچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شوہر کو نجاتی (شاہِ حبشی کی حمایت و سرپرستی میں نہایت سکون و اطمینان کی زندگی نصیب ہوئی تھی مگر اس کے باوجود وہ بہت دلی (کم) واپس جانے اور سر پر مشہدِ ماییت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیدار کی آرزو ان کے دلوں کو ہر وقت مضطرب اور بے چین رکھتی تھی اور پھر جب سزائیں حبشہ میں مقیم رہا جین کے پاس مسلسل اس طرح کی خبریں آنے لگیں کہ مکہ میں مسلمانوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا ہے، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں کی طاقت کافی بڑھ گئی تھی اور قریش کی اذیت رسائیوں اور ان کے ظلم و ستم کا زور و بڑی حد تک ٹوٹ چکا ہے، تو ان میں سے کچھ لوگوں نے مکہ واپس لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ دیا حرم میں پہنچنے کا شوق اور بازگاہ رسالت میں حاضری کا اشتیاق انہیں کھینچنے لے جا رہا تھا، چنانچہ واپسی کے اس فرس میں بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شوہر سب سے آگے تھے، لیکن واپس آنے والوں پر بہت جلد یہ بات منکشف ہو گئی کہ ان کے پاس اس سلسلے میں جو خیریں پہنچی تھیں، ان میں بہت زیادہ مالِ خدائی سے کام لیا گیا تھا اور مسلمانوں نے حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اسلام لانے کے بعد جو تھوڑی سی چیزیں قدیم کی تحب کی قریش کی طرف سے اس کی شدید مزاحمت ہوئی ہے، اس کے بعد مشرکین نے مسلمانوں کو ستانے اور ان کو خوفزدہ کرنے کے لئے طرح طرح کے جھنڈے استعمال کئے اور ان کے ظلم و ستم کی پگلی پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ چلنے لگی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہجرت کر کے مدینہ پہلے جانے کی اجازت مرحمت فرمادی اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شوہر نے قریش کی اذیتوں سے نجات حاصل کرنے اور اپنے دین کی حفاظت کے خیال سے جلد از جلد ہجرت کر جانے کا فیصلہ کر لیا مگر یہ کام ان کے لئے اتنا آسان نہ تھا جتنا وہ گمان کرتے تھے۔ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ان کو اپنے سخت اور انماک حالات سے گزرتا پڑا جن کے سامنے تمام فتقین نظر نظر آتی ہیں۔ ہم ہجرت کی یہ انماک داستان خود حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زبانی بیان کرتے ہیں، کیونکہ اس سلسلے میں ان کا مشاہدہ بہت گہرا اور ان کی تصویر کشی زیادہ مکمل ہے، وہ بیان کرتی ہیں:

”جب ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی ٹھانی تو توہمیں نے میرے



لے سواری کا اونٹ تیار کیا، مجھے اس پر سوار کیا اور میرے پیچہ سلمہ کو میری گود میں ڈالا اور کسی چیز کی طرف مڑ کر دیکھے بغیر اونٹ کی نکیل پکڑ کر روانہ ہو گئے، لیکن نکل اس کے ہم کدے سے باہر نکلنے میرے قبیلہ (بنی مخزوم) کے کچھ لوگوں نے ہمیں جاتے ہوئے دیکھ لیا اور وہ ہمارا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور ابو سلمہ سے کہنے لگے کہ ”تم اپنے متعلق چوچا ہو فیصلہ کر دو تمہاری بیوی سے تمہیں کیا سروکار؟ یہ ہماری بیٹی ہے، ہم تم کو گر کر اس بات کی اجازت سے نہیں دے سکتے کہ اس کو اپنے ساتھ لے ہوئے دروزی کو شکر میں کھاتے چہرہ“ پھر وہ ان کے اوپر جھپٹ پڑے اور مجھے زبردستی ان سے چھین کر الگ کر دیا، جب میرے شوہر ابو سلمہ کے قبیلہ (بنو عبدالملاسد) کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ میرے قبیلہ والوں نے مجھے اور میرے بچے کو ابو سلمہ سے چھین لیا ہے تو وہ نہایت غضبناک ہوئے اور کہنے لگے کہ ”خدا کی قسم جب تم نے اپنے خاندان کی لڑکی کو ہمارے قبیلہ کے آدمی سے چھین لیا تو اب بھی بچے کو اس کے پاس نہیں رہنے دیں گے۔“

پھر میری آنکھوں کے سامنے یہ وہ میرے بچے سلمہ کا چینی طرف پھینچنے لگے، اس کھینچائی میں اس کا ہاتھ مجھے کی آکھڑ گیا اور وہ اس کو چھین کر لے گئے اس وقت مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میرا وجود گولے سے گولے ہو کر ٹکڑے ہو گیا ہے اور میں الگ رہ گئی ہوں، ایک طرف میرے شوہر اپنے دوین اور اپنی جان کی حفاظت کے لئے مدینہ چلے آئے اور میرے بچے کو بنو عبدالملاسد نے زبردستی جبراً انھیں سے چھین لیا اور میرے قبیلہ بنو مخزوم نے زبردستی مجھے اپنے پاس رکھ لیا، اس طرح ذرا سی دیر میں مجھے، میرے شوہر اور میرے بچے کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا گیا.....“ پھر حضرت اسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی داستان کا گھڑیاں بیان کرتی ہیں:

”اس کے بعد میرے روزمرہ کے یہ معمول ہو گیا کہ صبح سویرے مکہ کے باہر اس کی طرف نکل جاتی اور

پاس پہنچنے سے روک دے، اس لئے میں نے جھٹ پٹ اپنی سواری کے اونٹ کو تیار کیا، بچے کو گود میں لیا اور اپنے شوہر سے ملنے کے لئے مدینہ کی طرف چل پڑی، جب میں عجم کے مقام پر پہنچی تو میری ملاقات عثمان بن طلحہ (عثمان زمانہ جاہلیت میں خاندان کعبہ کے کلید بردار تھے، صلح حدیبیہ کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، حج مکہ میں شریک ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منج پر بیت اللہ کی نچی ان کے حوالے کی) سے ہوئی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا۔

”زاد المراکب“ کی بیٹی کیا کہا جاتی ہے؟“

”اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”کیا تمہارے ساتھ کوئی اور نہیں ہے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”نہیں، خدا نے تعالیٰ اور میرے اس بچے کے سوا میرے ساتھ دوسرا کوئی نہیں ہے؟“ میں نے جواب دیا۔

”خدا کی قسم، جب تک ہم مدینہ نہ پہنچ جائیں ہمیں تیار نہیں چھوڑوں گا۔“ یہ کہہ کر انہوں نے میرے اونٹ کی نکیل تھام لی اور مجھے ساتھ لے کر روانہ ہو گئے، خدا کی قسم اس سے پہلے مجھے کسی ایسے عرب کی صحبت نصیب نہیں ہوئی تھی جو ان سے زیادہ کریم انش اور شریف ہو، ان کا یہ حال تھا جب وہ کسی منزل پر پہنچتے تو وہ اونٹ کو بٹھاتے اور خود مجھ سے پرے ہٹ جاتے، جب میں اونٹ سے نیچے اتر کر زمین پر ٹھیکے سے کھڑی ہو جاتی تو وہ اونٹ کے پاس آتے، کادہ اتر کر زمین پر کھڑے دیتے اور اونٹ کو لے جا کر کسی درخت سے باندھ دیتے، پھر مجھ سے دور کسی سامنے میں لیٹ جاتے، جب روانگی کا وقت ہو جاتا تو وہ اٹھ کر اٹھ کر میرے پاس آتے اور اس کو تیار کر کے میرے قریب لائے اور مجھے اس پر سوار ہونے کی اجازت دیتے ہوئے دوہرت جاتے، جب میں سوار

ہو کر اہلینان سے بیٹھ جاتی تو آتے اور اس کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چل پڑتے، مدینہ پہنچنے تک راستہ بھر میرے ساتھ ان کا کہنا اور دیر، جب ان کی نظر میں خوف بن عمرو کی قیام رہ پڑی تو بوسلہ کہ ”تمہارے شوہر اس بستی میں ہیں، خدا کا نام لے کر چل جاؤ۔“ یہ کہتے ہوئے وہ واپسی کے لئے کدے کی طرف مڑ گئے، جھجھکے ہوئے ایک طویل عرصے کی جدائی کے بعد دوبارہ ہم ایک دوسرے سے ملے، حضرت اسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی آنکھیں اپنے شوہر کے دیدار سے خشکی ہوئیں اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دل کو اپنی بیوی اور بچے کو پا کر قرار و سکون نصیب ہوا۔“

اس کے بعد واقعات اور حوادث تیزی سے گزرتے رہے، یہ ہر ذرہ وہ ہے جس میں حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما شریک ہوئے اور حق یاب و ظفر مند ہو کر جنگ بدر کے بعد حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس غزوہ میں بھی ایک بہادری طرح شریک ہوئے اور اس میں اپنی جرأت و شجاعت کے اہم نقوش چھوڑ آئے، جنگ سے واپس آئے تو ان کا جسم زخموں سے چھرا، وہ برابر زخموں کا علاج کرتے رہے اور بظاہر ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ خرم و غم مند ہو چکے ہیں مگر حقیقت میں ایسا نہیں تھا، وہ دم و رقم بظاہر تو بھر گئے تھے مگر اندری اندر خراب ہو گئے تھے، ایک دن ان کا پاک پھٹ گئے اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ستر سے لگے گئے، اسی زمانے میں جب وہ اپنے زخموں کے ساتھ نکلتی میں معروف تھے، ایک دن اپنی بیوی سے بولے کہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

ترجمہ: ”جو شخص کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کی وقت انا، اللہ والا یہ زخموں پر مے اور دعا کرے کہ خدا! میں تجھ سے ہی اس مصیبت کا اتر جاتا ہوں، اُلی تو مجھے

اس کا بہترین نعم البدل عطا فرما، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے عطا فی مافات کی بہترین صورت پیدا فرمادیتا ہے۔“ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روز تک بستر عیالات پر پڑے رہے، اسی دوران ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عبادت کیلئے تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے میں داخل ہوئے اور ابھی اچھی طرح ان کو دیکھ بھی نہیں سکے تھے کہ انہوں نے زنگی کو خیر باد کہہ دیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کی آنکھوں کو بند کیا اور آسمان کی طرف نظر اٹھاتے ہوئے ان کے لئے دعا کی۔

ترجمہ: ”اے اللہ ابوسلمہ کی مغفرت فرما دے، مقربین میں ان کو بلند مرتبہ عطا کر اور ان کے پس اندازگان میں ان کا قائم مقام ہو، اب العالین اجماعی اور ان کی مغفرت فرما، ان کی قبر کو شاد اور مژور کر، ادھر جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وہ دعا یاد آئی تو جو حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بتائی تھی تو انہوں نے کہا۔ اللھم اجزونی فی مصیبتی لیکن ان کا دل اللھم اخلفنی خیراً منیہا کہتے پھر آدہ وہ ہوا تھا وہ دل ہی دل میں کہہ دیتی کہ ابوسلمہ سے بہتر حضور ہو سکتا ہے جو نعم البدل کے طور پر طلب کیا جائے۔“

لیکن پچھو یہ بعد انہوں نے دعا مکمل پڑھی، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس مصیبت پر مسلمانوں نے غیر معمولی مدد و افسوس کا اظہار کیا، انہیں ”ایم العرب“ کے لقب سے نوازا، کیونکہ مدینہ میں ان کے ننھے ننھے بچوں کے سوا ان کے اہل قبیلہ و خاندان میں سے ان کا کوئی قریبی سرپرست اور مدد نہ تھا، مہاجرین و انصار دونوں نے بیک وقت اپنے اپنے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق کو محسوس کیا اور ان کی مدد و فاقہ گردے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا، مگر انہوں نے ان کا پیغام

منظور نہیں کیا پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ نکاح کی پیشکش کی مگر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیغام کو بھی رد کر دیا، پھر جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے پیغام دیا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا ”اے اللہ کے رسول! میرے اندر تین خصلتیں ہیں جو شاید آپ کو پسند نہ آئیں، پہلی بات یہ ہے کہ میں انتہائی غیر متند اور خود دار عورت ہوں، مجھے اندیشہ ہے کہ میری متند آپ کی طبع مبارک کو ناگوار گزرے جائے گی اور آپ مجھ سے ناراض ہو جائیں تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے سزا دے گا، دوسری بات یہ ہے کہ میں ایک سن رسیدہ عورت ہوں اور تیسری یہ ہے کہ میں بال بچوں والی عورت ہوں۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ باتیں سن کر اشراف فرمایا کہ ”یہ جو تم نے اپنی غیرت مندی اور خودداری کی بات کہی ہے تو میں اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ تمہارے اندر سے اس کو دور کر دے اور جہاں تک سن رسیدگی کی بات ہے تو اس میں میری حالت تم سے مختلف نہیں ہے اور یہ جو تم نے بال بچوں کا ذکر کیا ہے تمہارے لئے یہ کسی گمراہی کی ضرورت نہیں ہے، تمہارے بچے میرے بچے ہی ہیں۔“ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نکاح کر لیا اور ان کی وہ دعا بحسن قبولیت بن کر سامنے آگئی جو انہوں نے اپنے شوہر کے انتقال کے وقت کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ابوسلمہ کا نعم البدل عطا فرمایا اور اس وقت سے ہندوستانی امیہ خزمہ صرف مسلمہ کی ماں نہیں، بلکہ تمام مسلمانوں کی ماں ہو گئیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے چہرے کو جنت میں تروتازہ اور باوقر رکھے، ان سے راضی رہے اور ان کو راضی رکھے آمین ☆☆☆☆

## جوانی.....

بنت عبد اللطیف، بنت مبارک حسین

ملف صالحین کے علاق میں سے ایک دوسرے کی خیر خواہی کرتے۔ چنانچہ ان کا چھوٹا کسی معاملے میں بڑے کو نصیحت اور خیر خواہی کی بات بتلاتا یا بڑا چھوٹے کو ادب سکھاتا کوئی کسی سے ناراض نہ ہوتا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی جوان کا بوڑھے کو نصیحت کرنا، اسی طرح بوڑھے کا جوان کو نصیحت کرنا نہایت مرغوب ہے۔ اس کے ذریعے تابع جوان اللہ تعالیٰ کا حبیب بن سکتا ہے۔“ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں تم کو جوانوں کی نسبت نیکی کی وصیت کرتا ہوں، اس لئے کہ وہ نہایت نرمل ہوتے ہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مجھے بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث فرمایا، پس جو ان کو میرے ہم مجلس بنے اور بوڑھوں نے میری مخالفت کی، ان کو میں نے اس کے متعلق یہ اُشعار کہے ہیں۔“ ترجمہ:..... اگر شاخوں کو تم زمر کو تو سیدھی ہو سکتی ہیں اور اگر خشک لکڑی کو تم زمر کرنا چاہا تو ہرگز نرم نہ ہوگی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو ان کم عبادت کرتے تھے، لیکن جب آپ کی وفات ہو گئی تو انہوں نے اپنی عبادت میں اضافہ کر لیا اور کہنے لگے۔ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں میں نرمل عذاب سے امن

تھا، مگر اب آپ کا وصال ہو گیا، اس لئے وہ امن دور ہو گیا۔“ احمد بن حرب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”انسان کو چالیس سال کی عمر میں جب اس کے بال سفید ہو رہے ہیں اور بڑھاپا شروع ہو چکا ہو تو اس وقت لہو و لب اور انہوں میں مشغول ہونا بہت ہی محبوب اور نہایت برا ہے۔“ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ چالیس سال سے بیشتر یہ تمام امور مہربان ہیں، یہ اسی قبیل سے ہے کہ علماء نے فرمایا ہے کہ روزہ دار کو نصیحت کو ترک کرنا لازم ہے تو کیا یہ روزہ دار کو نصیحت جائز ہے؟ بلکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ یوں کو نصیحت بھال میں شامل کرنا ہے، ہرگز وہ کسی کی حالت میں تو بد بھالوںی ترک کر دینا چاہئے۔ بخاری بن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”انسان اگر چہ نیاں عرصہ دار نہ رکھے مگر جنت کی زندگی کے متعلق اسے ایک سال کے برابر ہے، پہلی جو شخص ایک سال جس کے ذریعے وہ دائمی خوشگوار زندگی حاصل کر سکتا ہے، اس کو شائع و بر باد کر دے تو بخدا وہ بہت نقصان اور خسارے میں ہے۔“

اے دوست! اس بیان کو یاد رکھ اور جوانی کو نصیحت شاکر اور بڑھاپے کو کثرت استغفار سے پیوند لگا، شاید اس طرح تو اپنے دین کو کمال کر لے۔ ☆☆☆☆



غیر مسلموں کے مقرر کردہ دن  
اور ہم مسلمان

زہرہ بنت جاوید

حال ہے، وہ ہے جب کہ ہم اپنے مسلمان بھائی، بہنوئوں سے یہ کہتے ہیں کہ اس کو کوئی ”یطیخان“ ڈے“، کو اور اس جیسے اور ہٹاردلوں کو نہیں غیر مسمنا ہے، ان کی نہ سناںیں تو ان کا جواب پڑے یہ کیا ہوتا ہے۔

”یطیخان“ ڈے“ کے بارے میں کہتے ہیں: ارے بی! ہم تو حجت کا اظہار کر رہے ہیں، کا محبت کا اظہار کرنا گناہ ہے، اور ہم کو نساں دن کو غیر مسملوں کی طرح مٹا رہے ہیں، تو میرے بھائی، بہنو! کا محبت کا اظہار کرنے کے لئے پورے سال میں صرف یہی دن باقی رہ گیا ہے کہ جس کا بیک گراؤ ٹیجی انتہائی شرمناک ہے، کیا کسی اور دن محبت کا اظہار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اگر کسی بات سے کہ آپ کہتے ہو کہ ہم غیر مسملوں کی طرح نہیں مٹنا ہے تو ”یطی“ و ”یطیخان“ ڈے“ وغیرہ سے ”ڈی“ کے لئے اور سارے گھر کو اور شہر کو جیت کی علامت دینا۔

غیر مفلو اور کاڑوں وغیرہ سے سنا دینا یہ سب کیا ہے؟ غیر مفلو کی نشانی تو اور کیا ہے؟ اور کیا مفلو کا اظہار یہی طرح کیا جاتا ہے؟ اور کیا صرف یہی دن رہ گیا ہے اس کے لئے؟ میں ”یطیخان“ ڈے کے بیک گراؤ ٹیجی اور اس کی قیاحت کی تفصیل میں جانا نہیں جانتی، اس

میرا بہت دنوں سے ارادہ تھا کہ ان دنوں کے بارے میں کچھ لکھوں، جنہیں غیر مسلموں کے ساتھ ساتھ ہمارے مسلمان بہن بھائی بھی بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں، جیسے "فیلطائن ڈے، ماہور ڈے، فادر ڈے، اپریل فول" وغیرہ۔

دو سب سے قبل 14 فروری کو گرام، غیر مسلموں کی دیکھا دیکھی ہمارے مسلمان بہن بھائیوں نے بھی بڑے جوش و خروش سے منایا، کہ عید کے موقع پر بھی اتنا جوش و خروش دیکھنے کو نہیں ملتا، پھر شہریت کی علامت والے غباروں اور کارڈوں وغیرہ سے سجایا گیا تھا اور اتنی زیادہ سجاوٹ اور انہجام تو ہمارے اپنے مذہبی جمہوروں یعنی مسلمانوں کی بھی ہوتا اور یہاں تک کہ شہر کا ہر ایک ایک عید و خوشی کی جگہ پر ہوتا ملک ہی یہی مناسبت پر آجاتا۔

اس دن کے کشمیرا تو بوجہ تو بوجہ! محنت کی علامات کے کشانوں سے اپنے بھرے ہوئے تھے، جیسے پتہ نہیں کیا ہو جبکہ اس دن کا "بیک گراؤنڈ" دیکھا جائے تو مسلمانوں کے لئے اس دن کو اتنے جوش و خروش سے منانا نہایت شرم کا مقام ہے ایک اور بات جو بہت حیران کن اور دلچسپی کی

موضوع پر میرے استاذ محترم مفتی محمد ساجد مین صاحب کا مضمون ”بیلاٹن ڈے..... غیری کی کا دوسرا نام“ کے عنوان سے ماہنامہ حیات وری 2012ء کی زینت بن چکا ہے۔ وہی ملاحظہ فرمائیں اور ایک ”قادر ڈے“، ”مار ڈے“ وغیرہ مانتے ہو، وہ کیا ہے، کیا اس کا یہی حق ہے، جنہوں نے تجھیں پالا اور بڑا کیا، بس اس سے محبت کر اٹھا کر لئے صرف یہی ایک دن رہ گیا ہے، باقی پورا سال ان کی نافرمانی کر، وہ ان سے بددلی کر اور ایک دن اگر ان سے کھلے لو اور ان کو بچھو پیش کر دو، بس یہی حق ہے ان کا؟

افسوس ہے ایسے معاشرے اور ایسے مسلمانوں پر،  
جو اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مفہوم  
تو اچھی طرح نہ سمجھ سکے، لیکن غیر مسلموں کی نقالی میں  
پیش پیش ہیں۔

کیا آپ نے بھی سنا ہے کہ کسی غیر مسلم نے میدانِ افسوس پرے جوشِ خروش سے نہانی کیا غیر مسلم نے اسلامیات پر قربانی کیا کسی غیر مسلم نے اسلامی سال کے شروع میں خوشیاں منائیں نہیں؟..... تو پھر یہ سب کیا ہے؟ اسلامی سال کے آغاز پر خوشیاں منانے کا تو کسی مسلمان کا بھی نہیں سنا ہوگا، خوشیاں منانے کی تو دور کی بات ہے، ہوتا ہے کہ مسلمان ایسے بھی ہیں جن کو یہ بھی نہیں پتا کہ اسلامی سال شروع ہو گیا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی بہت سے دن ہیں جو غیر مسلموں کے ساتھ ساتھ ہمارے مسلمان بھی بہت خوش و خرم سے مناتے ہیں۔

افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارا ملک جو کہے کو تو ایک اسلامی ملک ہے لیکن ان دنوں میں ایسے سجادیا جاتا ہے۔  
 اور حکومت کی طرف سے ان دنوں میں ایسے اسباب مہیا  
 کئے جاتے ہیں اور ایسے پروگرام منعقد کئے جاتے  
 ہیں، جیسے مسلمانوں کا کوئی مذہبی تہوار ہو جبکہ دیکھا جائے  
 مسلمانوں کی عیدوں کے موقعوں پر ایسا کچھ نہیں ہوتا۔

تو میری محترم بہنوایسا کیوں ہے؟

حالانکہ ہمارا ملک تو اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔

افسوس صد افسوس!

کیا ہمارے بزرگوں نے یہ ملک اسی لئے حاصل کیا تھا کہ ہم اس میں غیر مسلموں کے رسم و رواج کو اپنائیں اور ان کے نقش قدم پر چلیں اور ان کے فضول اور شرمناک قسم کے دنوں کو بھی مناتے پھریں۔

میرے مسلمان بھائی اور بہنوئی آپ سے یہ التجا ہے کہ غیر مسلموں کے رسم و رواج کو اپنانے اور ان کے مقرر کردہ دنوں کو منانے کے بجائے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کریں۔

رہی بات ماں، باپ، بھائی، بہن وغیرہ سے محبت کا اظہار کرنے کی تو اس کے لئے پورا سال ہے ضروری نہیں کہ ”غادر ڈے، مار ڈے، ویسٹا کن ڈے“ یا غیر مسلموں کے اور مقرر کردہ دنوں میں محبت کا اظہار کیا جائے۔ بلکہ ہم مسلمانوں کے لئے تو ہر دن ایک دوسرے سے پیارا اور محبت کا ہے۔

☆☆☆

تمہارا بھائی مجھے بھی پیارا ہے

ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ  
امراکمہ حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان سے ان کے  
بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ ملنے آئے۔ ان دونوں بہن  
بھائیوں کے درمیان آپس میں بہت جارتھا۔ وہ آپس  
میں باتیں کر رہے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا:

”ام جیبہ، کیا معاویہ کہیں بہت پیارا ہے۔“

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا:

”ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، بھائی مجھے پیارا ہے۔“

یہ سن کر رسول الہم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

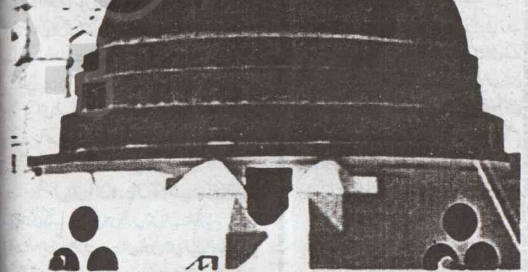
الریہ نہیں بہت پیارا ہے لو مجھے کسی بہت

پیارا ہے۔

# رسول عظیم ﷺ

پروفیسر خیال آفاق

قسط نمبر: 36



”برادر عزیز! آج تمہاری مصروفیات کا کیا نظام اصل ہے؟“ پھر کے بعد زید نے حیان سے دریافت کیا اور حیان نے ایک لمحہ سوچا اور بولا۔

”ابھی محترم! آپ کیوں مجھے زندہ کرتے ہیں، اسلام یا خاکسار، ناظم وہی ذوق اس لائق ہو سکتا ہے کہ آپ ایسے قادر الکلام کو مشورہ دے سکے۔“ زید نے اس

”ان شاء اللہ تعالیٰ، اپنے تعلیمی معاملات سے فارغ ہو کر حدیقہ کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔“

”یقیناً میرے بھائی کو، وہاں کا کنواں یاد آگیا۔“

ہوگا۔“ زید مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ اسے معلوم ہے کہ حیان جب بھی حدیقہ جاتا ہے تو غسل ضرور کرتا ہے۔

”جی ہاں ابھی محترم! بہت مزا آتا ہے نہانے میں، تازہ پانی بدن پر ذرا خنڈاؤں لگا، اور اب تو ویسے ہی موسم معتدل ہوتا جا رہا ہے۔“

”چلے پھر یکدم وہاں مجلس بھی رہے گی، امی حضور تمہاری محبت، حدیقہ سے لے کر سبزیوں دینے آتا ہے تو ضرور تمہاری خبر سے مطلع کرتا ہے۔“

”مرحبا، پھر تو میرا جانا وہاں بہت ضروری ہو گیا ہے، ماشاء اللہ بہت ہی محبت کرنے والے لوگ ہیں۔“

حیان نے خوش دلی سے کہا اور جب اپنے تمام تعلیمی معاملات سے فارغ ہو چکا، جس میں صفحہ کے اجتماع میں علم قرآن وحدیث کی تحصیل اور اسے خطاطی کی مشق اور پھر اپنے شاگرد عزیز اسامہ کی تدریس شامل ہے، وہ وہاں سے سیدھا دارالکرب پہنچا، زید اس کے انتظار میں ہی ہے، یہاں پہنچتے ہی دونوں ایک ہی سواری پر حدیقہ لے کر روانہ ہو گئے۔

”ابھی محترم! مجھے شدت سے انتظار ہے آپ کی سخن سرنوی کا!“ حیان نے راستہ چلتے ہوئے زید کو یاد دلایا اور مزید شہید کی سے کہنے لگا۔

”برادر عزیز! میں خود بھی سوچ رہا ہوں کہ کوئی وقت نکال کر وہاں جاؤں تاہیچے سے سیدنا رحمت عالم کی شان اقدس میں موزوں کرنے کی جسارت کی ہے، نہیں اہا حضور کی سماعت سے پہلے جہیں سناؤں، مجھے یقین ہے، اس فقیر و شریف میں تمہارا مشورہ میرے لئے بہت اہمیت کا حامل ہوگا۔“

”اللہ اکبر“ حیان جو زید کا رفیق بنا ہوا ہے، یہاں تک پہنچا۔

”ابھی محترم! آپ کیوں مجھے زندہ کرتے ہیں، اسلام یا خاکسار، ناظم وہی ذوق اس لائق ہو سکتا ہے کہ آپ ایسے قادر الکلام کو مشورہ دے سکے۔“ زید نے اس

”یقیناً میرے بھائی کو، وہاں کا کنواں یاد آگیا۔“

”اللہ اکبر“ حیان جو زید کا رفیق بنا ہوا ہے، یہاں تک پہنچا۔

”ابھی محترم! آپ کیوں مجھے زندہ کرتے ہیں، اسلام یا خاکسار، ناظم وہی ذوق اس لائق ہو سکتا ہے کہ آپ ایسے قادر الکلام کو مشورہ دے سکے۔“ زید نے اس

”یقیناً میرے بھائی کو، وہاں کا کنواں یاد آگیا۔“

کے جواب میں سنجیدگی سے کہا۔

”پیارے بھائی! تمہاری کسر نفسی بجا، لیکن حقیقت اپنی جگہ ہے۔“ اس کی آواز میں گہری سنجیدگی ہے، حیان نے پھر احتجاج کرنا چاہا، لیکن زید نے اس کی ایک ذہنی اور وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ منہ پر تعریف نہیں کرنی چاہئے، اس بات پر مصر ہے کہ حیان اپنی عمر سے زیادہ

باشعور، سخن فہم، عمل مند اور ذریکہ نوجوان ہے۔ حیان نے ایک نظر آسمان کی طرف دیکھا اور پھر سرخسہ ہو کر زمین کو دیکھنے لگا، نرم ریت پر دونوں سواروں کا سایہ ان کے ساتھ ساتھ پھیل رہا ہے، حیان اس منظر کو کافی دیر تک دیکھتا رہا، وہ سوچ رہا ہے کہ اس کی ذات اس لائق بھی نہیں کہ اس کو ریکارڈ پر سے کسی سواری پر بیٹھ کر گزر سکے، وہ تو شاید اس اوقتی کے سیر میں لگنے والے ایک ذرہ سے بھی کم حیثیت رکھتا ہے جس پر وہ سوار ہے۔

”یہ سب میرے رب کی ذرہ نوازی ہے کہ اس کے استغناء اور پیارے بندے سے کسی لائق سمجھے ہیں۔“

میں خیال کر کے اس کی آنکھیں پھر آئیں اور انسو رخساروں پر سے پھل کر سجدہ شکر بنالانے کے لئے اس کے دامن میں چل گئے۔

”ابھا! وہاں مرحبا!“ حدیقہ کے کارندے حیان اور زید کو اپنے درمیان دیکھ کر پھول کی طرح محل اٹھے، خبر خیریت کے تبادلے کے بعد، حیان حسب توقع اور اپنی عادت کے مطابق سب سے پہلے کنوئیں کی طرف چلا گیا، پھر جیسے ہی وہ نہانے سے فارغ ہو کر آیا، ہاتھوں کے لئے گرمی کا تازہ دودھ اور خشک مجھڑیں شیاقت کے لئے موجود ہیں، سب نے نیچے چٹائی پر بیٹھ کر اللہ کی نعمتوں سے کام و دن کو نوازا اور پھر زید نے حیان کو کارندوں کی فرمائش سے آگاہ کر دیا۔ وہ سب اس کی

قرنت کی سماعت کا اشتیاق رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے، حیان ایسے بنیادوں کی بنیاد پر فرائض کو دیکھ کر نظر انداز کر سکتا ہے فوراً پھیل کر شاد پر مستعد ہو گیا۔ وہیں کی آیات

”ابھی محترم! آپ کیوں مجھے زندہ کرتے ہیں، اسلام یا خاکسار، ناظم وہی ذوق اس لائق ہو سکتا ہے کہ آپ ایسے قادر الکلام کو مشورہ دے سکے۔“ زید نے اس

”یقیناً میرے بھائی کو، وہاں کا کنواں یاد آگیا۔“

”اللہ اکبر“ حیان جو زید کا رفیق بنا ہوا ہے، یہاں تک پہنچا۔

”ابھی محترم! آپ کیوں مجھے زندہ کرتے ہیں، اسلام یا خاکسار، ناظم وہی ذوق اس لائق ہو سکتا ہے کہ آپ ایسے قادر الکلام کو مشورہ دے سکے۔“ زید نے اس

”یقیناً میرے بھائی کو، وہاں کا کنواں یاد آگیا۔“

”اللہ اکبر“ حیان جو زید کا رفیق بنا ہوا ہے، یہاں تک پہنچا۔



کی تلاوت نے ایک سال باندھ دیا، قرأت کرتے وقت حیان کے بلائی چہرے پر نمایاں ہونے والے نور کے آگے، سورج کی سنہری کرنیں شرار مٹی ہیں، اور سامعین کا حال یہ ہے کہ ان کی روشیں جیسے اس نوجوان قاری کی آرزو کے ساتھ ساتھ مدوہ و ترکی کیفیت سے دوچار ہیں۔

”بحان اللہ! مرحبا!“ حیان کے خاموش ہوتے ہی سامعین کی طرف سے کلمات تین بلند ہونے۔ فضا پر کلام بانی کا نورانی کیف دور و پھیل گیا۔

”اچھا دوستو، اب تم اپنا کام کرو اور ہم کچھ دیر حدیقہ کی سیر کرتے ہیں۔“ زید یکا یک اپنی جگہ سے کھڑا ہوتے بولا اور حیان کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل دیا۔ حدیقہ کے بالکل آخری کنارے پر، جھوکرے ایک نسبتاً بے قد درخت کے پاس پہنچ کر اس نے حیان کو مخاطب کیا۔

”کیا خیال ہے حیان! یہ نگاہ مناسب ہے!“ حیان نے سوالیہ نظروں سے اس کی نہایت تنجیدگی کے سہرہ بام ہوں، مجھے تمہارے مشورے کی اشد ضرورت ہے، کیونکہ ایا حضور کی خدمت میں ہر حال کچھ اشعار پیش کرنے ہیں، اور اس کے لئے میں نے اس نوعیت فیض قہیدے کا انتخاب کیا ہے جو پہلے میں نہیں سنانا چاہتا ہوں، تم غور سے ساعت کرو اور محسوس کرو کہ کوئی خیال بالظن اول بدل کرنا ہے تو بے تکلف کہو!“

”واللہ انی محترم، آپ مجھے کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہیں، بھلا میری ایسی استطاعت کہاں کہ میں۔۔۔۔۔“

”بس میرے عزیز! تمہیں وضاحت نہیں، ساعت کرنی ہے اور اپنی رائے سے مجھے مطلع کرنا ہے۔“ زید نے اس کا ہاتھ پکڑا اور بالکلف فرش خاک پر بیٹھ گیا۔ حیان خود کو بہت بڑے امتحان میں پڑتا محسوس کر رہا ہے۔

”اجازت ہو تو پیش کروں۔“

”بسم اللہ، ارشاد کیجئے!“ زید کے جواب میں حیان بولا اور ہر سترن گوش ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ زید نے

ذہن پر زور دلا اور نیم دائیں کر کے گویا ہو گیا۔

”پڑھو! زمانے کی لوح پر کیا لکھا ہوا ہے؟“

کراس جہاں میں وہ در بھی تھا،

خدا کی صحنی پناہ خداؤں کا ایک جھمکتا لگا ہوا تھا۔

ہر ایک طبیعت، ہر اک جھمکتا،

الگ خدا تھا،

بلطف و دیکر، ہوا و ترس وہوں کا سیلہ سا لگ رہا تھا۔

خیر تا سفس سے دیکھتی تھی،

جنوں بھی حیرت زدہ کھڑا تھا۔

وہ در در کیا تھا،

بہت برا تھا، بہت برا تھا۔

زمن کے نیچے، زمین کے اوپر،

ہیں جتنے پتھر، وہ سب خدا تھے

خدا کے بندے،

خدا کی تخلیق کردہ چیزوں کو پوجتے تھے،

مجبب تماشے کے آدمی تھے،

کدرب کہیہ کو جان کر بھی،

اسی کو موجود مان کر بھی،

ہزار جھوٹے الہا آپس میں گھڑائے تھے۔

خدا نے واحد کو مان کر بھی،

اسی کو موجود مان کر بھی،

اسی پر ایمان رکھنے والے،

اسیر و دم و گماں ہوئے تھے،

نیرشک میں بھی مثال ان کی،

نیرشک میں تھاں جواب ان کا،

پھر اس پر کیا خوش گمان تھے وہ،

سوالیہ سرائشان تھے وہ،

کبھر رہے تھے،

کراس جہاں میں خدا تو ہے پر،

خدا کے ساتھ شریک بھی ہیں،

بہی ہمارے رفیق بھی ہیں،

بہی خدا یان خیر و شر ہیں

انہی کو چاہو!

انہی کو چاہو!

انہی کے آگے،

سروں کو اپنے جھکائے رکھو!

پھر ان سے فرمت ملے تو خودی،

خدا کے بندوں کو اپنا بنائے نہ رکھو

یہ ظلم تھا جو زمین کے سینے میں بھر چکا

بہی سبب تھا

کہ زندگی کی نظر میں انسان مر چکا تھا

فلک کا سورج،

زمین کی پستوں میں جیسے اتر چکا تھا۔

تبیعی عرب کے آفتاب پر اک آفتاب ابھرا

کہ جس کی تانہ رو شنی نے،

مہیب تار کیوں کو دھو کر،

جہاں کہہ نہ کہ جسم و جان کو،

نئی حرارت، نیا اجالا،

نیا لباس حیات بخشا۔

سرافران فلک نے رنگ کر،

زمین پر جھک کر،

یہ منظر انقلاب دیکھا،

کہ ایک بل میں،

شعور انسانیت کا ورثہ،

تباہ ہونے سے بچ گیا تھا،

ازل انسان، بغیر ذلت میں گرے کرتے،

سنبھل گیا تھا،

جو کیل گزرا وہا تھا مدت سے ایک دم میں

سنور گیا تھا۔

بساط جیسے حالت گئی تھی،

منات ولات ذہلی کی بازی ہلٹ گئی تھی،

ہوں کا چہرہ اتر گیا تھا۔

حکم کر دے کہ لوں میں اک انقلاب سا تھا،

جو سنگدل قہار زمانے پر مارا،

اب اس کا دل بھی گلاب سا تھا،

لوں پہ کیاں مہک اٹھی تھیں،

جنہیں پہ سورج چمک اٹھا تھا،

خودی سے سرشار تھیں لگا ہیں،

خیر و بر سے لیں بندھیں جو وفا کی راہیں،

وہ صل گئی تھیں،

اب الیشر سے مت تک کی بھی ہیراں،

اب ایک رنگت میں لکھل گئی تھیں،

تمام صحرا بچن کی صورت میں ڈھل گیا تھا۔

دھنگ دھنگوں کے الگ الگ سے تھے بھول لیکن،

بسی ہوئی تھی بھی کہ قدرت ایک خوشبو،

ہر ایک شاعر چن پے پشمی، ہر ایک فاضل

سارہی تھی بس ایک نغمہ

کہ جس کے شعروں کے تھنیے مختلف تھے لیکن

ردیف اصلاً تو ایک ہی تھی،

وہ لفظ تھا،

کہ سلسلہ جس کا کو جو گویا،

صلائے حق کو بخشنی تھی سر،

ہر ایک منظر پکارتا تھا،

سنوایے لوگو!

سنوایے لوگو!

نہیں سے کوئی الہ لیکن،

وہی ہے کو کواد ہی لوگو

وہی احد ہے،

وہی صمد ہے،

وہ ہے نیاز و سبب ہے،

وہ سب کا خالق ہے سب کا رب ہے،

مناس کا سامنے ایک کوئی

کلی کے جیسا مہک رہا ہوں۔  
یہ پاک خط،  
کہ جس کی آغوشِ زندگی میں،  
ہزار آزادیاں سمیٹے، میں جی رہا ہوں،  
ہوائے ارضِ وطن سے آپ حیا  
پی رہا ہوں،

زندگانی ہر زندگی کا  
 وہی ہے سارے جہاں کا مالک  
 وہی خدا کے عظیم تر ہے،  
 کہ جس نے دے کر  
 عظیم آب و ہوائی وقت،  
 زمیں کو جت بنادیا ہے،  
 ہزار رنگوں سے روشنی ہے،  
 جہاں ہر کو  
 طرح طرح سے بنادیا ہے  
 سبحان اللہ، سبحان اللہ،  
 الحمد للہ، الحمد للہ۔  
 یہ سن کے چشم بہن نے دیکھا،  
 تمام نقشہ بدل گیا ہے،  
 کہ یہ منظر بگڑے ہیں،  
 تمام نئے رنگوں کے چہرے اتر گئے ہیں،  
 بس ایک ہی رنگ ہے جو زندہ دلوں کی آنکھوں میں  
 بھرا ہے۔  
 خدا کی وحدت، خدا کی عظمت خدا کی قدرت کا  
 رنگ روشن  
 رُخ محبت کا غمازہ بہن کر،  
 فضا نے دل پر کبھر کیا ہے،  
 جو نوئی نوئی پی ہوئی کی،  
 وہ آج جس مسکرائی ہے،  
 وہ شمع طاق حرم کی جس پر  
 ہوا کا پہرہ بھادیا تھا  
 اب آج بھر جگمگاٹھی ہے،  
 کہ جس نے سارے جہاں کو سن بنادیا ہے،  
 اسی چراغِ غزل کا ابلیس ابدی ماہی جلا،  
 ادھر بھی آیا،  
 ادھر، جہاں کی مثال آئینہ دکھ رہا ہوں،  
 کر کن کی صورت چمک رہا ہوں

زبردست حاجت کا سامنا ہے، قلعہ کے اندر سے تیروں کی جیسے بارش ہو رہی ہے اور قلعہ کی بلندی سے سنگ باری کی جارہی ہے۔ اس طرح، حماد جنگ بیوہ یوں کے حق میں ہے، تاہم ان کے اندر ہمت نہیں کہ باہر نکل کر مسلمانوں کے معرکہ آرائی کر سکیں، جبکہ جلیل الدین اسلام کھلی اور تین جگہ پر ہیں جو کچھ خطہ نصر سے ان کے لئے نامناسب جگہ اور نقصان کا باعث ہے، لیکن جوش جہاد انہیں لاف نقصان سے بے نیاز کئے ہوئے ہے، وہ اپنے سالار اعظم میں ختم کمر برائی میں فی سبیل اللہ مصروف ہیں، اور اس جہاد کا ایک ہی مقصد ہے، اس فتنے کو دور کرنا جو تیرہ سال کی راہ میں صورت بنا ہوا ہے۔ نئی کریم علی اللہ وسلم جنگ کی ضرورت حال پر نظر کرے ہوئے ہیں، دیکھتے ہیں کہ مضر کھولیں وہ جاتا ہے اور جہاد میں قلعہ کے اندر بیٹھنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہے ہیں تو آپ ان قلعہ شکن بیٹھنے کے استعمال کا حکم فرماتے ہیں بولتے صاحب بن معاذ سے مسلمانوں کے اچھے گھر ہیں چنانچہ بیٹھیں اور دبا رہے لائے جاتے ہیں اور ان کے ذریعے ہماری پتھروں کو کھدے پر پینکا جاتا ہے، جس سے قلعہ کی دیواروں میں شگاف پڑ جاتے ہیں اور جہاد میں نعرہ بکھیر ملندے رہتے ہوئے ان کا گھون کے ذریعے قلعہ میں داخل ہو جاتے ہیں، اور اب دست بدست جنگ ہونے لگی ہے۔ بیوہ یوں جانوں پر کھیلے جا رہے ہیں، لیکن زیادہ در مقابلہ نہیں کرتے اور زبردست جنگ کرنے کے بعد آخر چھاپی پڑ پھرجوہو جاتے ہیں۔

”وہی تھی یہاں دیکھتے ہیں کہ ایک حاکم ہڈا ہوا۔“ (نہیں، بلکہ بیوہ یوں کو تین کی خاطر وہ جانوں پر کھیلے جا رہے تھے، قلعہ میں ہی چھوڑ کر ایک اور قلعہ کتبہ میں جا کر پناہ گزین ہو گئے، بہر حال اس مضبوط قلعہ زار پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔“

”الحمد للہ“ حیان اٹھارہ سرت میں زار دیر نہیں کرتا، جو دراصل اٹھارہ لشکر ہے جو بیس سالگی میں، اس



کے منہ سے نکل جاتا ہے۔ اس کے بعد، اساحتحرر! مسلمانوں نے یقیناً اس قلعہ کی طرف توجہ دی، ہوئی یہاں یہودی چاہتے تھے۔

”ہاں، نبی کریم نے مسلم سپاہ کو ملے بغیر قلعہ کعبہ، طوخ اور قلعہ سالم کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم فرمایا۔ خیبر کے قریب یاسب ہی یہودی جاوڑ طرف سے سخت کراب اپنی قلعوں میں جمع ہو گئے ہیں، مسلمان انہیں تسلیم کرنے کو موقع دینے بغیر محاصرہ کر لیتے ہیں، تاہم ان قلعوں کو کووری زیر کرنا آسان نہیں، بار بار حملوں کے باوجود عہدہ جلد ہی اسلام، فتح حاصل نہیں کر پاتے۔ محاصرہ طویل سے طویل ہو گیا ہے، چودہ روز گزر چکے ہیں، پھر بھی مسلمانوں کے لئے قلعہ کے اندر پہنچنے کا کوئی موقع نہیں، آخر خلیفہ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یقین اور دہلیز کے استعمال کا حکم صادر فرماتے ہیں، قلعہ کی دیواروں سے بھاری پتھروں کے ٹکرانے کی ہولناکی آوازیں فصاحت گوشتی ہیں تو یہودی مل جاتے ہیں، اور آخر جنگ باری اور تیر اندازی روک کر صلح پر مجبور ہو جاتے ہیں، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی اس پیشکش کو قبول فرماتے ہیں، بات بابت چیت ہے، لیکن خیبر ابن ابی اسحق حاضر ہوتا ہے، چالیں چلتا ہے، لیکن اس کی شرط پر درخواست منظور کی جاتی ہے کہ گروا یہودیوں سے نکل جائیں، ہوگا، اور وہی اس حالت میں کہ سامان حرب اور دیگر

ساز و سامان میں سے کوئی بھی چیز ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں ہوگی اور اس معاملے میں خیریت کی گئی، یعنی کچھ چھپایا اور پوشیدہ رکھا گیا تو اللہ اور اس کا رسول، اس عہد سے بری ذمہ ہوگا۔ یہود کو کیونکہ اپنی جانی صاف نظر آ رہی ہے اور جو روپیہ ان کا اللہ اور رسول کے ساتھ رہا ہے، ان سنگین تحائف کا بدلے ان کی گردن زدنی کے سوا اور کچھ نہیں، لہذا نبی رحمت کی طرف سے ان نرم شرائط کو انہوں نے غصت جانا، غور سے سمجھا دیا اور ان شرائط کو قبول کر کے صلحت کر لی، اور باقی رکھ کر قلعہ

مسلمانوں کے حوالے کر دیئے۔ یوں ان تینوں قلعوں کے بعد پورے خیبر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

”اللہ اکبر!“ خیان کا فاتحانہ لہرہ گونجا اور استاد صاحب زیر لب مسکرا دیئے، وہ جانتے ہیں کہ ایسے موقعوں پر جان کو اپنے جذبات پر قابو رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے غلوص کی شرم رگی، رسول اللہ کے یہ چودہ پندرہ سو رفیق جنہوں نے حدیبیہ کے قیام میں آپ کے دست مبارک پر غرضی کی بیعت کی اور اللہ کو ان کی یہ جان غامی ان قدر پسند آئی کہ ان سے اپنی رضا مندی کا اعلان فرما دیا تھا، وہی اللہ کے پسندیدہ آخر خیبر کی فتح پر خوشی سے سرشار ہیں، وہ جب اپنے آقا و حوالا کے ساتھ روانہ ہوئے تھے تو اس خیال سے بے نیاز تھے کہ انہیں فتح کے نتیجے میں مال و دولت ہاتھ آئے گا، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اس غزوہ میں خرب خوب مال غنیمت عطا فرمایا ہے، یہاں تک کہ یہودیوں نے اپنی عادت دیر سے کے مطابق بدھدی کا ارتکاب کرتے ہوئے، حتیٰ نبی نے انھیں کا ترکہ جو آدھار جواہر پر مشتمل ہے اور ایک منگن میں محفوظ ہے، چھپا دیا جو صلح کی شرائط کے سراسر خلاف ہے، لیکن اسے بھی اللہ نے یہاں تک کر دیا اور مسلمانوں کو دلایا۔“

”برادرِ کرم، اساتذہ کرام! کچھ اس کی تفصیل فرمائیے، یہ کی طرح ہوا؟“

”اس حرم کا ارتکاب کنانہ بن ربیع ابن ابی اسحق نے کیا، اس طرح کہ اس نے اس منگن کو جس میں شی بن اخطب کا خزانہ محفوظ ہے نہایت پوشیدہ طور پر غرضی جنگل میں دھن دیا اور اب اس سے دریافت کیا گیا کہ وہ غرضی بن اخطب کا خزانہ کہاں ہے؟ تو اس نے سمجھت ہولا کہ جنگل ساز و سامان خریدنے اور جنگ کے دیگر اسراف میں خرچ ہو گیا، لیکن غلوص کی قوم کے یہ کفر دے اس کی قلعہ کعبہ دی، بارگاہ رسالت میں آ کر کہا کہ کنانہ کو اس نے غلام جنگ میں ہراساں طور پر پھرتے ہوئے دیکھا ہے، خبر لیجئے

کیا معاملہ ہے۔ چنانچہ حضرت زبیر بن عوام چند نفوس کو لے کر گئے اور تلاش بسیار کر کے زمین میں چھپا ہوا خزانہ برآمد کر لیا گیا۔ اس کے بعد کنانہ کو اس بدھدی کے جرم میں گرفتار کر کے باز پرس کی گئی اور منگن تھا کہ اسے زبردستی کر کے چھپوڑ دیا جاتا لیکن اس کا ایک بڑا اور سنگین جرم بھی مسلمہ کو اپر سے پھر تھیک کر شریک قرار دیا۔“

”جی ہاں، نہایت بڑا دلائل منکر کیا تھا! خیان کا جیسے دشمن ہوا گیا۔ استاد صاحب نے بتایا۔

”ہی، اسی جرم میں اس کو حضرت محمدؐ کے بھائی، محمد بن مسلمہ کے حوالے کر دیا گیا، جنہوں نے قصاص کے عوض اس کی گردن اڑادی۔“

”غرض، نہ ایسا کرتا، نہ ایسا بھرتا۔“ خیان کی آنکھوں سے غم و فحشہ منظر ہے۔

”بیٹا، یہود خیبر، سب ہی اس سزا کے مستحق ہیں، رسول اللہ اگر چاہیں تو ان کو خود اپنی شریعت، یعنی شریعت موسوی کے روئے نقل کر سکتے ہیں، لیکن یہودیوں نے دین حق کے خلاف سازشیں کی ہیں، مسلک اپنی شرلوں سے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے چلے آ رہے ہیں، مسلمانوں کا ان سے کوئی دینی جھگڑا بھی نہیں، رسول اللہ نے بھی ان کا برا نہیں چاہا، پھر یہی بد بخت آپ کی مخالفت اور اسلام سے خاصیت میں، افکار و مشرکین سے بھی آگے بڑھے ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول کو جب اس طرف پیش قدمی کرنی پڑی اور اللہ نے آپ کو ان پر غلبہ نصیب فرمایا تو انصاف کا تقاضا ہے کہ انہیں ان کے سنے کی کڑی سے کڑی سزا دی جائے، لیکن رسول رحمت عالم نے سوائے کنانہ سب کی جان بخشی فرمادی۔ بلکہ یہودی درخواست کرتے ہیں کہ انہیں اپنی زمینوں پر کاشت کی اجازت دی جائے کہ وہ ان کے انصاف حصہ دے دو یا کہ ان کے گناہ آپ سے ادا قاعدہ ایک معاہدہ کرتے ہیں جو ان شرائط پر مبنی ہے کہ

وہ آئندہ قلعوں میں سکونت اختیار نہیں کریں گے، قلعہ سے باہر بھی اس صورت میں نہ سکتے ہیں کہ اپنے تمام ہتھیار اور سامان حرب مسلمانوں کے حوالے کرنا ہوگا، درجہ جواہر کے دقتیہ بھی مدینہ کی اسلامی ریاست کی تحویل میں دیں گے، نیز اگر یہود نے ان شرائط سے انحراف کیا تو مدینہ کی انتظامیہ ان سے وہ سامان بھی جو انہیں بخشا گیا ہے واپس لے کر انہیں خیبر سے باہر نکل سکے گی۔ یہ معاہدہ واصل، اسلامی ریاست کے تحت زمینوں کے رہنے کا پہلا اقدام ہے جس میں ان کے مذہب یا عقیدے پر کوئی قدر نہیں لگائی گئی، بلکہ اس کی انہیں پوری آزادی اور اجازت دی گئی، بلکہ جب ایک فاتح کی حیثیت سے ان کے مال و اسباب پر قبضہ کیا گیا تو کچھ قوریت کے نئے بھی مسلمانوں کو دستیاب ہوئے، جنہیں حضورؐ نے یہودیوں کو واپس کرادیے، بہر حال ایک بدترین محتارب گروہ کے ساتھ نبی اسلام کا یہ فراخ دلانہ سلوک آپ کی رحمت و رافت اور اسلام کی امن پسندی کا عین ثبوت ہے، اس کا احساس خود یہود کو بھی یہی وجہ ہے کہ ان کے معاہدے کو قبول کرنے میں انہوں نے کوئی بھی دیش نہ کیا اور تھیکر کی تاخیر فراموش پر رضا مندی ظاہر کر دی۔ معاہدے کے محضر نامہ پر جن اکابر صحابہ نے بطور گواہ دستخط کئے، ان کے اسماء گرامی ہیں، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت زبیر بن عوام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ استاد عبدالرحمن نے گویا اب تک کی اپنی بابت قسم کر لی، یہی وجہ ہے کہ مدینے کی غرض سے خاموش ہو گئے، پھر کچھ توقف کے بعد انہوں نے ایک بار پھر حیران کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”خیان بیٹا! خیبر کی ہم کے دوران کچھ واقعات ایسے بھی پیش آئے جو بادی نظر میں تو نہایت مختصر و معمولی لگتے ہیں، لیکن اپنی اثر کشمیری کے لحاظ سے بہت زیادہ قابل تذکرہ ہیں، جس نے جان بوجھ کر ان کو اس لئے

کردیا تھا کہ ان کے ذکر سے جنگی صورت حال کی منتقلی اور اس کے تسلسل میں فرق آگیا ہے، لہذا میں ان کو بھی جو میں نے چھوڑ دیئے تھے، پھر بطور پر بیان کرنا چاہوں گا تاکہ تمہارے علم میں محفوظ رہ سکے، البتہ اس سے قبل ضرور خیر کے اختتامی نتائج پر نظر ڈال لیتے ہیں۔“

”جی استاد محترم، براہ کرام!“ حیان کواد کیا جانے، اس کی تو خواہش اور اشتیاق یہ ہے کہ استاد صاحب کچھ رہیں اور وہ ستارے۔“

”خیر کار حاصرہ کو ایک ایک ماہ یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ تک دہا۔“ استاد صاحب بتاتے لگے۔ ”اس میں مختلف گروہ کے کوئی کرناوے افراد مار گئے، ان میں اسلام بن عظیم، حکیم بیہود یوں کے سردار بھی شامل ہیں، اور اسلامی لشکر میں شہید ہونے والوں کی تعداد پندرہ روایت کی جاتی ہے، ان میں قبیلہ قریش سے تعلق رکھنے والے چار ہمارے، ایک اشج اور ایک قبیلہ اہل علم سے، ایک اہل خیر میں تیس سے تعلق اور باقی کا تعلق انصار سے ہے، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی اسلامی رحمتیں نازل فرمائے۔“

”آمین، آمین!“ حیان نے فرط ادب سے سر جھکا دیا۔ استاد عبدالرحمن نے یکا یک اپنے قریب چوٹی صندوق کے اوپر رکھے ہوئے ایک غلطوہ کو اٹھا کر اٹا پٹا، پھر اسے قریب آکر پڑھنے لگے۔

”یہ دیکھو، ہمیں اس غلطوہ سے خیر میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کا پتا چلتا ہے، اس میں موسیقی، غلہ، پارچہ جات اور دوسرے گروہ کے علاوہ بڑی تعداد میں جنگی اسلحہ بھی شامل ہے، جیسا کہ تم سن چکے ہو کہ قلعہ صعب بن معاذ اور نقاتہ میں قلعہ خیر میں تینہ تینہ اور حاصرہ توڑنے والے لگی دہائی سے لیکر اسلامی کو حاصل ہوئے۔“

”استاد محترم! زیادہ ضروری تو نہیں تاہم یونہی اپنی معلومات کے لئے جو چھاپا جاتا ہو کہ تحقیق اور دہا بہ کیا، میں نے عراق میں اسے قیام کے دوران ان

چیزوں کا مشاہدہ کیا ہے، کہا جاتا ہے، فاتح سندھ میں قاسم رحمہ اللہ نے بھی دہا پر کے خلاف اسی طرح کے آلے استعمال کئے تھے، تحقیق جس کو اہل ہند کو بھیج کیتے ہیں یہ مضبوط لکڑی اور لوہے کی آمیزش سے چڑی کی طرح آکے ہے، جس میں موٹا رسا پلٹا ہوتا ہے، اور اس کے پیالے نما سرے پر چٹائی پتھر رکھ چیلے گی کھجڑے ہیں تاکہ رسا بھی طرح پٹ جائے، پھر اسے آزاد چھوڑ دیتے ہیں جو تیزی سے گھومتا ہے اور وہ پیلار نما حصہ پتھر کو نہایت تیزی کے ساتھ اپنے نشانے پر آگے کی طرف پھینک دیتا ہے، البتہ دہا اس سے قدرے مختلف ہے، جیسے پتھر لگے ہوئے ہیں، یعنی لکڑی کی طرح کا ہوتا ہے، پیچے یونانی دھڑکتے ہیں اور یہی منزل ہوتا ہے۔ اس کے اوپر ہی سے یعنی نہایت پر کھال کسی ہوتی ہے بالائی منزل پر قدر اندازوں کو ڈھایا جاتا ہے جو دہا کے ذریعے قلعہ کی دیواروں میں نصب لگانے والوں کی حفاظت پر مامور کئے جاتے ہیں۔ سنا ہے، خلیفہ کے ذاتی کتب خانے میں آلات حرب پر بھی کسی کتابیں موجود ہیں، ان میں ان چیزوں کے خاکے بنائے گئے ہیں۔“

استاد صاحب ایک لمحہ کے لئے خاموش ہوئے تو حیان نے یہ معلومات فراہم کر کے پران کا شکر بھی ادا کیا۔ ”میں اسٹوکرگراہی! اصفندت خولہ کہیں اس جتنی وقت میں غیر ضروری معلومات کے لئے لب کشائی کر رہا تھا!“ ”تمہیں! چھاپا کیا تم نے، میں نے بھی تو چاہتا ہوں کہ اس مجلس میں کوئی ایسی بات جو تمہارے ذہن میں سو سال سے کرا رہی ہے، اس کا اظہار تمہیں ضرور کرنا چاہئے، تاکہ بالکل خالی الذہن ہو کر اصل واقعات کو تمہیں ”رکسو“ جزام اللہ خیر، آپ اس قدر شفقت فرماتے ہیں، میں آپ کا صبر ہوں! استاد گراہی۔“

”تمہیں ایسا نہیں چاہتا چاہئے بیٹا! یہ تکلفات انہیوں کے درمیان ہوتے ہیں، اور وہ بھی دنیا کی باتوں میں جبکہ جہان علم و فکر میں ان تکلفات کی کوئی مصلحت

نہیں، جانے اور کھینے کے عمل میں تکلف مانع نہیں ہوتا چاہئے، اللہ تعالیٰ تمہارے ذوق و شوق کو سلامت رکھے، تم سوال کرتے رہو اور مجھے توفیق و استقامت نصیب فرمائے کہ میں تمہارے طلب علم کی کشتی کو دور کرنے کا سامان کر رہا ہوں۔“ استاد صاحب کی مشتاقانہ نمائش نے حیان کو اس قدر زیر بار دیا کہ اس کے ہونٹوں سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا، بس مسکراتے انداز میں چہرہ ہچکایا، استاد صاحب فوراً اپنے اصل منصب کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے۔

”مختصر یہ کہ خیر کے مختلف قلعوں سے خاصا مال غنیمت مسالوں کے قبضے میں آیا، خصوصاً قلعہ قوس کے کوئی ایک سو زار ہیں اور نیز چار سو لوہاریں، ایک ہزار نیزے، پانچ سو عربی کمانیں اور اسٹے ہی ترش پنج ہوئے، اور دوسرے قلعہ صعب میں معاذ سے ملے والے چیزوں میں سامان رسد اس کے ساتھ ساتھ بڑی تعداد میں موسیقی ہتھیار آئے جن میں گدے کھڑے ہو گئے اور کیمیز، کمریاں شامل ہیں، روزمرہ کی اشیاء کے علاوہ خاصی تعداد میں شراب سے بھرے ہوئے مسکینی برآمد ہوئے جس میں مٹی، تیل، مکھن، شہد اور اجناس وغیرہ ہیں۔ سوئے جانے کے برتن، اعلیٰ اور نیچے کپڑے، روز دوزی اور دھریں وغیرہ اور خاندان الہی! اجمعت کا قدیم کونایتہ حاصل کیا گیا، لاء، ان میں جڑاؤ زیورات کڑے، طلائی انگلیں، گوشیاں، بالیاں وغیرہ شامل ہیں اور جیسا کہ میں بتایا گیا تو رات کے کچھ گھنٹے بھی حاصل ہوئے، حفاظت اور احترام کے ساتھ بیہودیوں کو واپس کر دیئے گئے، حالانکہ یہ فتنہ ساز گروہ خود اللہ کی اس کتاب تو رات کے ساتھ کیا سلوک کرتا آیا ہے، اس کی اور بہت بات طویل ہے کہ انہوں نے تو رات میں کی طرح گریب کی اور نہایت بے باکی سے جب دل چاہا، ایسا اہل علم کو انہیں پسند نہ آیا وہ اسے نہ دیکھو نہ غلامد ظافہ دیکھئے، اسے یا تو کتاب اللہ سے بالکل نکال

دی دیتے یا اس میں لفظی اور موتی تلاویات کرنے کی کوشش کرتے، یعنی ہیرا پیمبری کر کے اپنی پسند کا مطلب نکال لیتے، یہاں میں تمہیں ان کی اس مذہبی بد دینائی کا ایک واقعہ سنا تھا، اس سے تم ان کی عیاری و مکاری کا اندازہ لگائے ہو۔“ استاد صاحب نے کہا اور حیان منتظر نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

”یقیناً تمہیں معلوم ہو گا کہ خیر نے بیہودیوں کو اسلامی حکومت کی باقاعدہ رعایا بنائے، اس سے قبل ان کے اور اسلامی ریاست کے مابین تعلقات معاہدات کی بنیاد پر قائم کیے جاتے رہے تھے اور ان معاہدات کی رو سے انہیں پوری آزادی حاصل تھی کہ وہ اپنے اندرونی اور بیرونی معاملات کو اپنے اصول و قوانین کے مطابق اور اپنے ہی قاضی اور حکم کے ذریعہ حل کرتے تھے، یعنی وہ اس بات کے پابند نہیں تھے کہ اپنے کسی قبیلے کے لئے رسول اسلام کے پاس آئیں اور آپ سے فیصلہ چاہیں، تاہم وہ اپنے مذہبی قوانین کے مطابق فیصلہ نہ چاہتے تو از خود ہی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاتے، اس امید پر کہ شاید آپ کی شریعت اس بارے میں کوئی دوسرا حکم بھی ہو، جس کی وجہ سے وہ اپنے شرعی قانون کی رو سے فتح کیتے ہیں۔ تو ان کی اس جلیبیٹی اور بہانہ سازی پر صرف عربی ایک واقعہ تمہارے سامنے دہراتا ہوں، وہاں کہ خیر کے بیہودیوں میں ایک صورت اور مرد ناجائز تعلقات کا سرگرم پلایا گیا، ظاہر ہے ان کے اس جرم کی سزا تو انہی کو ہی دوسرے جرم کی، یعنی دونوں کو سنگسار کرنا لازمی تھا، لیکن ان کی وجہ سے بیہودی نہیں چاہتے تھے کہ اس سزا پر وہ دہا بہ لہذا باہمی مشاورت کے بعد انہوں نے طے کیا کہ اس مقدمہ کو خیر اسلام کی عدالت میں لے جایا جائے۔ ممکن ہے وہ رجم کے سوا کوئی اور سزا سنائیں تو قبول کرنے میں حرج نہیں، البتہ اگر آپ بھی فیصلہ رجم ہی کے حق میں دیں تو قبول نہ کیا جائے۔ چنانچہ جب مقدمہ آپ کے حضور پیش کیا گیا اور آپ نے



بھی کریم کا ہی حکم دیا تو یہود حسب ارادہ اس فیصلے سے انحراف کرنے لگے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ ”اچھا تمہارے اپنے مذہب میں اس جرم کی کیا سزا ہے؟“ انہوں نے کہا کہ ”اپنے جرم کو کوڑے مارنا اور سزا کا لکے لگے کہ دے کر سوار کرنا ہے۔“ نبی کریم نے ان سے ان جھوٹ کو بے نقاب کرنے کے لئے ان کے خلاف فرمایا کہ وہ تم کھا کر کھیں کیا شادی شدہ زانی اور زانیہ کی بیٹی سزا ہے جو بے کتبے ہیں؟“ انہوں نے علماء نے بھی انہیں جھوٹی کی ہاں میں ہاں ملا دی اور کہا کہ ”ہاں سبھی سزا لگھی ہے تو رات میں۔“ لیکن ان میں ایک ایسا بیوی بیوی جو زنا کا بہت جیسا عالم تھا پھر نہیں بولا۔ رسول صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مخاطب کر کے فرمایا۔ ”تو تجھ سے اس خدا سے واحدی قسم دے کہ پوچھتا ہوں۔ جس نے تم لوگوں کو فرعون سے نجات دی، اور طور پر شریعت عطا کی، کیا واقعی تو رات میں زنا کی سزا لگھی ہے؟“ سواری کا خمیر جاگ پڑا، وہ بچے پر مجبور ہو گیا، کہنے لگا ”اگر آپ نے مجھے نکال دیا تو میں نہ ہوتا۔ نہ بتاؤ۔ نہ بتاؤ۔ نہ بتاؤ۔“ ہے کہ زنا کی سزا تو رات میں ہے لیکن ہمارے ہاں جب اس فعل کی کثرت ہوئی تو ہمارے حکام نے بے طریقہ اختیار کیا کہ بڑے لوگ بے جرم کرتے تو انہیں چھوڑ دیا جاتا اور چھوٹے لوگوں سے یہی حرکت مرزدہنی تو انہیں رجم کی سزا دیتے یعنی سنگسار کر دیا جاتا تھا مگر یہ دیکھ کر عوام میں ناانصافی پیدا ہو گئی تو ہم نے تو رات کے قانون کو ہی بدل دیا اور یہ قاعدہ بنالیا کہ زانی اور زانیہ کو کوڑے لگائے جائیں اور ان کا منہ کالا کر کے گھر سے پرائے منہ سوار کیا جائے۔“ صور عالم کے بیان ان حق نے اپنے ہی مذہب مذہب لوگوں کی زبانیں بنگر دی اور نبی کریم کے فیصلے کو مجبوراً تسلیم کرنا پڑا اور اس زانی جو زنا کو سنگسار کر دیا گیا۔ بیوی کی اس سیرا بھگری کو کوڑوں لگائی۔ جس کا بھی بے نقاب کیا ہے، سورہ مائدہ میں فرمایا گیا، جس کا

مقبوض ہے کہ ”یہ جھوٹ سننے والے اور حرام کھانے والے ہیں، لہذا اگر تمہارے پاس آئیں، یعنی اپنے مقدمات لے کر تو ہمیں اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہوں گا فیصلہ کرو، ورنہ انکار کرو۔ انکار کر دو تو یہ تمہارا کچھ لگا نہیں سکتے اور فیصلہ کر دو پھر تمہیں ٹھیک انصاف کے ساتھ کرو کہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرنا ہے۔ اور یہ تمہیں کیسے حکم سناتے ہیں جبکہ ان کے پاس تو رات وجود ہے جس میں اللہ حکم لکھا ہوا ہے اور پھر یہ اس سے منہ موڑ رہے ہیں، اصل بات یہ ہے کہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔“ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کی ثابت کو حکم دیا کہ وہ فحش کی کتنی کریں، مجاہدوں کی تعداد چودہ سو یا اس سے بچھ زیادہ کر ہوئی، ان میں پیپل کر ایک حصہ اور سوار کو ہر حصہ دیا گیا، حصہ پانے والوں میں ایک شخص ایسے بھی جو اس غزوہ میں شریک نہیں ہوئے لیکن ان کا بھی حصہ رکھا گیا، اور وہ حصہ جائز ہیں اور انصاری بھی جو سب شریک جہاد نہیں ہو سکے ہیں، لیکن کیونکہ یہیت رضوان میں شریک تھے لہذا انہیں فرموش نہیں کیا گیا، ان کا ختم لوگ بھی جنہوں نے جنگ کے دوران تجارت داری کے فرائض انجام دیے، انہیں بھی حصہ دیا گیا اور خود مال انظم کو بھی، عام لشکر کے لوگوں کی طرح ایک حصہ ملا۔“

”اللہ اکبر“ حیان کے منہ سے یہ سخت نکلا اور کیوں نہ بنایا ہو کہ دنیا کے قانون کی تاریخ میں جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں سے جو اس شان کا نظار آتا ہے کہ دیکھنے کے مساوات انسانی کا اتنا عظیم اللہ تعالیٰ مظاہر کیا ہے۔ ”میں نے یہ تفصیلات تمہیں اس لئے بتائی ہیں چنانچہ کہ تم یہ سوچ سوچ کر اس قدر مال و دولت اور ہماری اسلحہ رکھتے ہوئے بھی، ان خبر خود کو ذلت آمیز شکست سے نہ چٹا کہ تو اس کی وجہ ان کی غلط کاری، فتنہ سازی اور بد معاشری ہے جو ان کی دین اور دین میں سامنے ہے اور جب یہ شرب مینہ لہتی ہوا اور اس غلطی میں اسلامی جہاد بندی

ہوئی شروع ہوئی، اس کے باوجود کہ نبی علیہ السلام نے پہلے ہی روز ان کی طرف دوشی کا ہاتھ بڑھایا اور انہیں مطامعت کی دعوت دی، یہ اپنی فطرت بد سے باز آئے اور مسلسل خفیہ اور علانیہ اسلام کے خلاف سازشیں کرتے اور رسول اللہ کو نقصان پہنچانے کی کوششوں کو اپنا ایمان بنائے رکھا۔ یہودی خبیث، بد عہدی اور بد طبیعت کی ایک کا قاعدہ تاریخ ہے، میں نہیں اس کی تیسرے خوالے سے ان کی بڑی حرکت کا ایک اور غلط واقعہ سناتا ہوں۔“

”نبی استقامت“

”ہو یا کہ نبی کریمؐ نے قلعوں کی تیغ کے بعد چند روز خبر میں ہی قیام فرمایا، اس دوران سلام بن مہکم کی بیوی نسیب بنت حارث نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بھیجی ہوئی مری کی بطور دیدہ پیش کی، یہ عورت مرحب کی مادر زادی بھی ہے۔ یہ علیہ السلام سے فارغ ہو کر صحابہ کے ساتھ دست و پاویں پر تشریف فرما ہوئے، آپ نے ایک تقریباً لیکن زورانی اہل دین، جبکہ حضرت بشیرؓ نے برا جو آپ کے قریب ہی ہیں، اس کے باوجود کہ گوش میں غی محسوس کی، میں صرف اس وجہ سے محبت رسالت میں سخت ہوتا تھا خلاف ادب ہے، وہ ہوا تو لنگر پالتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرماتے ہیں۔ ”اس گوشت نے مجھے کہا ہے کہ یہ زہر آلود ہے۔“ اسی وقت اس عورت نسیب بنت حارث اور دیگر زورائے یہود کو طلب کیا اور دیات فرمایا۔ ”اس گوشت میں کس نے زہر پلایا ہے؟“

”میں نے!“ عورت دیدہ دلیری سے بولی۔ ”اس لئے کہ آپ نے میرے باپ، بھائی اور شوہر کو مارا ہے، میں نے خیال کیا، اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو اللہ آپ کو ضرور اس بات سے مطلع کر دے گا، دوری کرات میں میں آپ سے نجات مل جائے گی۔“ یہ کہہ کر اس نے فرار کیا۔ ”میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔“ رسول رحمت نے حسب معمول

کہ نبی اپنی ذات کے لئے بدل نہیں لیا، اس وقت بھی اس سے صرف نظر فرمایا۔ تاہم حضرت بشیرؓ برائے اس زہر کے اثر سے فوت ہوئے تو ان کے وارثوں نے اس عورت کو ان کے قصاص میں قتل کر دیا۔

”الانما الحلف“۔ ”حیان تاسف کے لہجے میں بولا۔ ”استقامت گواہی! تیرا ان ہوں کہ لوگ اپنے عمل سے اپنی دنیا اور عاقبت دونوں ہی خراب کر لیتے ہیں!“

”اے بیٹا، مال اللہ عجزت قدم قدم کرتے ہے کہ بوش کرو، آنکھیں کھول، کھول، انسانوں کے بعض کردہ اس قدر عاقبت ناخوش واقع ہوئے ہیں کہ نہ انھوں سے بچتے اور نہ داغ سے سوچتے ہیں، مری شہی اور بغاوت کو اپنا طریقہ بنا کر خود کو ہلاکت میں ڈال لیتے ہیں، جیسا کہ تم سننے آ رہے ہو کہ یہود نے اپنا حال خبر اسلام کے ساتھ مسلسل معاہدہ کر دیا، وہ یہ اختیار رکھتے رہے جس کی پاداش میں آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی جڑیں کاٹ دیں، خبر کا مگر مکان کے تابوت میں آخری کیل غایت ہوا اور اس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں صلح حدیبیہ کے نفاذ کر کے طرف سے بے فکر کر دیا، وہ ہیں اب فتح خمیر کے سبب یہودیوں کی سازشوں سے نجات مل گئی اور اب اللہ نے آپ کو موقع فراہم کیا ہے کہ آپ نہ صرف اسلام کے پیغام کو عورت اور فرمائے نہ کہ فریقین امتین کے ساتھ انہما دے سکیں بلکہ اسلامی سیاست کے انظام و اہتمام کی طرف بھی ایک ہونے کے ساتھ توجہ فرا کر اسے منظم بنائیں گے۔“ استاد صاحب مطمئن سے ہوش بھر گئے، حیان ہنسنے پر کہنے لگے کہ کیا بیان کرتے ہیں، ایسا ہی ہوا استاد صاحب کا یک بولے۔

”ہاں، میں نے سنے ہے اسی شروع میں کہ تھا کہ خبر میں جس قدر کی وقت کچھ واقعات ایسے بھی پیش آئے تھے جو قابل تذکرہ ہیں، لیکن میں بوجہ انہیں چھوڑ دیا تھا، ان میں ایک تو کہ خبر میں سورج وسطے آسمان چشتی چرچا اپنا ریوڑ لے لونا تو دیکھا کہ مسلمان یہودیوں کا عاصمہ

کئے ہوئے ہیں، وہ نہیں دیکھ کر رک گیا۔ بعد میں اس کی زبانی معلوم ہوا کہ ابھی لشکر اسلام کی خبریں داخل نہیں ہوا تھا کہ اس چڑا ہے جو یہودیوں کا غلام تھا، اپنے آقاؤں کو جنگ کی تیاریاں کرتے دیکھا تو پوچھا۔ ”کیا معاملہ ہے؟“ بتایا گیا۔ ”ایک شخص ہم سے جنگ کرنے کے لئے آ رہا ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہے۔“ یوں کہ وہ حسب معمول ستاروں کی چھاؤں میں اپنا بیڑہ لے کر نکلا، لیکن لفظ نبی کی بازگشت دن بھر اس کے دل میں خوشی رہی۔ اور پھر شام کے وقت واپس، وہ تو مسلمانوں کو قلعہ کے پاس دیکھ کر قدم رک گیا، پھر اس نے مسلمانوں سے پوچھا۔ ”آپ کا سردار کہاں ہے؟ کیا میں اس کی خدمت میں حاضر ہو سکوں؟“..... ”کیوں نہیں، آپ کی بارگاہ تو ہر کس و کس کے لئے عام ہے،“ یوں کہ وہ اپنا بیڑہ چاہتا ہوا پھر گیا، جہاں اسے بتایا گیا کہ نبی آخر الزماں وہاں شریف نریمان کا محلہ حاضر ہوا اور دربار نبی کیا۔ ”آپ کیا دعوت دیتے ہیں؟“ ارشاد ہوا۔ ”حقے اسلام کی دعوت دیتا ہوں، گواہی دے کہ اللہ ایک ہے اور میں، یعنی تمہارا رسول ہوں۔“ یوں کہ چڑا ہے نے کہا۔ ”اس گواہی سے مجھے کیا فائدہ ہوگا؟“ فرمایا، ”اس عقیدے پر حقے موت آتی جو جنت کا حق مقرر ہوگا۔“ یہ سننے پر فوراً کلمہ شہادت پڑھا اور عرض کرنے لگا۔ ”یا رسول اللہ انہی بکریوں کا کیا کروں، ان کے مالک یہودی ہیں۔“ اسٹن وصادق نے فرمایا، ”اس امانت کو ان کے مالکوں تک پہنچا دو، اس طرح کہ لشکر سے باہر لے جا کر قلعہ کی طرف ہاٹ دو، عقب سے دو چار چھریچھک دینا، اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے اس امانت کو اس کے حق میں پہنچا دے گا۔“ تو مسلم حشی نے ایسا ہی کیا، مگر یوں کہ ہاٹ کر چلا اور پھر اسنیاں کو فوج کی اگلی صف میں شامل ہو گیا، پھر جب مرکز پیش آیا تو دشمنان حق سے لڑتا ہوا جان، جان آخر کس سے کبہ زدگی۔ کتنے ہیں جس میں کی لاشی کو بجائے جنگ سے لایا گیا تو سالار اعظم نے فرمایا۔

عمل مختصر اور اچر بہت زیادہ، میں اس کے سر ہانے خویر دیکھ رہا ہوں۔“  
”یقیناً لاش تین اور صد مہارک ہا ہے یہ شخص کہ زندگی گزار پڑھی اور نہ کیا روزہ رکھا، بس ایک حکم پر عمل کیا اور فلاح دار بن گیا۔“  
”اللہ اللہ“ کیسے خوش نصیب ہوتے ہیں ایسے لوگ۔“ حیان کے دل کو جذبہ شہادت نے تھو پڑا۔  
”ای غر وند کا کیا اور ایمان افروز واقعہ سنو۔“ استاد صاحب کے انداز سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خود بھی اس داستان فرخشاں کو بیان کرتے ہوئے ایک روحانی لذت محسوس کر رہے ہیں۔ مسلمان مجاہدین، خیر کے پیرو ہیں کو ان کی شراکتوں کی سزا دینے اور ان کے تکبر کے قلعہ شکنے کے لئے صف آرا ہیں کہ ایک سبہ دین کہ یہ لشکر خدا کے واحد کے سامنے دالوں کا ہے اور ان کا سالار اللہ کا رسول ہے، کسی طرف سے ایسے آتے ہیں جیسے کوئی بیاسا پانی کے لئے دوڑتا ہے، بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر نبی علیہ السلام کو کھینچتی ایمان لے آتا ہے اور عشق رسالت کے پروانوں میں شامل ہو جاتا ہے، حضور نبی کریم کی طرف سے اسے لشکر کے عقب میں پہرہ دار کی پامور کر دیا جاتا ہے، مجاہدین پیش قدمی کرتے ہیں اور اللہ کی نصرت و مدد سے قلعہ فتح ہو جاتا ہے، اللہ کے رسول مال ثنیت میں دوسروں کی طرح اس کا شہرہ چمکاتے نکلتے ہیں، لیکن جب اسے پہنچایا جاتا ہے تو وہ اپنے جسمے کوئے خدمت القدس میں حاضر ہوتا ہے اور عرض ہاٹ کہ ”یا رسول اللہ آپ پر ایمان لائے ہیں میری عرض ہرگز پیش نہیں کی میری آرزو یہ ہے کہ اللہ کی رسالت میں لڑتے ہوئے تیرے گردن پر لگے، اور شہید ہو کر جنت میں پہنچ جاؤں۔“ ارشاد ہوتا ہے۔ ”اگر تو نے بچ کر دکھایا تو تیری تصدیق کا حق تیرے دراصل ملے گا۔“ اور یہی ہوتا ہے کہ جب دوبارہ میدان کارزار گرم ہوا تو وہ شہادت کا تہیابی پٹی سر اوڑھ لیا۔

”اللہ اکبر!“ حیان پھر چھری سی لے کر رہ گیا۔ استاد صاحب بتاتے گئے۔  
”مقتولین میں اس کی لاش کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔“ اس نے بچ کر دکھایا اپنا دوسرا۔“  
”بھان اللہ!“ حیان نے رشک کیا اور استاد صاحب کہنے لگے۔ ”پھر اس شہید کی قسمت اور بھی چاکی، رسول رحمت عالم نے اسے سکن دینے کے لئے اپنا جبہ مبارک عطا فرمایا اور دست مبارک اٹھا کر عافری۔“  
”اے اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس بندے نے تیرے راستے میں مہربان کی، شہادت کے خون میں جان دی۔“  
”اللہ اللہ! کیا نصیب پایا اس بدو نے استاد محترم!“  
”ہاں، وہ اپنی جس کی رسالت کی گواہی صرف انسان ہی نہیں، جن و ملائکہ گواہ دیتے ہیں، وہ رسول محترم اپنے ہی ایک ایسے امتی پر چند ہوا ہے جو پندرہ پہلے ہی ایمان لایا اور اراق میں شہید ہو کر اپنا وعدہ وفا کیا۔“  
”استاد محترم یہ تو بڑے مرتبی بات ہے!“ حیان خوشگوار حیرت میں جیسے جذبہ پایا۔  
”ہاں بیٹیا، تیرے تین محسوس کیا کہ اس بدو کو یہ مرتبہ کس وجہ سے ملا؟ اس کے اخلاص ایمان کی وجہ سے نصیب ہوا۔“  
”یعنی رسول الصلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ملوس کی گواہی دی؟“  
”ہاں، بے شک، ایسا ہی ہے۔“ استاد نے حیان کے جواب میں کہا۔  
”اب ایک اور عقل کشا واقعہ جو یہاں پیش آیا، تمہارے علم کی لاتا ہوں۔“  
”عشر استاد محترم!“ حیان متشکر لہجے میں بولا اور استاد صاحب کہنے لگے۔ ”یہودی شہادت سے محاصرہ ٹوڑنے کی کوشش کر رہے تھے، اور مجاہدین ان کی قلعہ بندی میں شکاف ڈالنے کے لئے کوشاں تھے، محرکہ

آرائی اپنے زوروں پر تھی، لشکر اسلام کا ایک پایا نہایت جاں بازی کا مظاہرہ کر رہا تھا، دشمن کا جو بارہا اس کے سامنے آتا، یہ اس پر شہر کی طرح پھینچتا اور پھر میں اسے ڈھیر کر دیتا، پھر شام کے وقت جب مقابلہ تھا اور جنگ موقوف ہوئی تو صحابہ نے اس شخص کی شجاعت اور بہادری کے کارنامے بیان کئے کہ آج ہماری طرف سے کوئی شخص ایسا نہیں لڑا ابھی شجاعت اس نے دکھائی۔“  
”ارشاد ہوا، یہ شخص جس نبی کی تم تعریف کر رہے ہو، دوزخیوں میں سے ہے۔“ رسول صادق کی روشن ضمیری نے صحابی کی فخر خورہ کردی، لہذا دوبارہ جنگ چھڑی تو صحابہ نے اس نظر میں رکھنے کے لئے ایک شخص کو قہر کر دیا اور دیکھا گیا کہ مقابلہ کے دوران وہ دشمنی ہو گیا، دشمن کے ہاتھ سے تھے، وراثت نہ کر کے تکلیف کی شہادت کہنے کے بجائے جلدی سرچانے کو توجہ دی اپنی بی بی کو لڑاؤ میں، میں رکھا اور اس کوئی کہہ کر کہیں سے اتار لیا۔“  
”یعنی خود کی کرلی؟“ حیان کے چہرے پر کیرہات پھیل گئی۔  
”ہاں، خوش کنی کر لی جو حرام ہے، اسے اس طرح مرتے دیکھ کر وہ شخص جو مسلسل اس جاں بازی حرکات و سکنات پر نظر رکھے ہوئے تھا بجائے تمہی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔“ یا رسول اللہ، اللہ نے اپنے رسول کی پیش گوئی بچ کر دکھائی۔“  
”بے شک، ہمارے رسول کی کنن بات بچ نہیں!“ حیان خرسے بولا۔  
”لیکن بیٹا، یہ دیکھیں کہ جس وقت آپ کے یہ سانپو اور اللہ اکبر کا غرہ پلندہ کیا اور سر ناز بارگاہ آسمانی میں تم کہہ دیا اور ارشاد ہوا۔“ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں!“ پھر اسی وقت آپ نے حضرت ہلالہ کے ذریعہ لشکر میں اعلان کر دیا کہ جنت صرف مومنین کے لئے ہے، بلاشبہ، اللہ اپنے دین کی خدمت تو کسی قاجر سے بھی لے لیتا ہے۔“ استاد صاحب خاموش



ہو گئے، حیان بھی خاموش ہے، تاہم وہ مزید واقعات سننے کا خواہشمند نظر آ رہا ہے۔

”اب تم پھر جبر کے آخری لحاظ کی طرف آتے ہیں۔“ استاد صاحب نے اس کی توقع پوری کر دی، وہ مزید بیان کرنے لگے۔

”جیسا کہ تم سن چکے ہو، میرا ان خبریں میں ایک بحث بنتی بھی تھیں، میں جاہلوں کا ان کے بارے میں نہیں کچھ تفصیل سے بتا دوں!“

”براہ کرام استاذ گرامی!“

”تو اس سے قبل کہ فتح کے بعد، غزوہ خیبر اپنے اختتام کو پہنچے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر اسلامی کو واپسی کے لئے کوچ کا حکم فرمائیں، ہم ضرور چاروں کے کمال خواص نصیب خاقان زینب بنت جحش کی اہل خطبہ کا ذکر خیر بھی کرتے ہیں۔ جو اسیرانہ خیبر میں شامل ہیں، یہ پہلے ہی قرطہ کے رئیس سلام بن مسکم کے نکاح میں تھیں، اس سے سلاق کے بعد، کاندھ بن ابی العقیق سے رضیہ ازواج میں منسلک ہوئیں۔“

”استاذ محترم! یہ وہی کاندھ ہے جو حضرت محمود بن مسلمہ کے قصاص میں قتل کیا گیا؟“

”ہاں، یہ وہی شخص ہے اور اسی کے قلعہ سے گرفتار ہوئے، واپس لوگوں میں زینب بھی شامل ہیں، نبی علیہ السلام نے تقسیم کے وقت انہیں اپنے مشورہ سحالی حضرت وحیدہ کلبی کے حصے میں دے دیا، لیکن دیگر صحابہ نے عرض کیا۔“

”یا رسول اللہ یہ سردار کی بیٹی ہیں اور نہایت میں ان سا کوئی نہیں، بلکہ ہم میں وحیدہ کی طرح بہت سے ہیں۔“

”استاذ گرامی! صحابہ کرام کا اس اعتراض سے کیا مقصد تھا؟“

”اعتراض کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بیٹا، مشورہ کہہ سکتے ہو جس سے بظاہر کسی کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ حضرت وحیدہ سے رنگ کے سبب دیگر صحابہ نے حضور علیہ السلام کو مشورہ دیا ہوگا، لیکن دراصل ایسا نہیں، بلکہ

ان کا اشارہ اس طرف ہے کہ زینب کو بنت سردار ہونے کے شے شایان شان مقام ملنا چاہئے جس کی وہ بجا طور پر مقتدرہ ہیں، اور اس کا ہرگز بھی مطلب نہیں کیا جا سکتا کہ صحابہ کے کہنے پر آپ کی قیود اس طرف مبدل ہوئی، نہیں، بلکہ کم از کم یہ محسوس کیا ہوگا کہ آپ نے بھی اپنے مخالفین کے ان کو بے وقوف نہیں کیا، بلکہ ان کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے اخلاقی اصول اور انسانی اقدار کو پیش نظر رکھا، جیسا کہ حضرت جوہرہ یہ کا معاملہ ہے جو بنو مصلح کے رئیس حادث ابن ضراری کی بیٹی تھیں جنہیں ان کی گرفتاری کے بعد انہیں کسی کی تیز نہیں بننے دیا، بلکہ انہیں اپنی زوجیت میں لینے کا فیصلہ کیا جو ان کے شایان شان تھا، اب یہاں بھی، جبکہ وہ محض سرداری اہل ان خطبہ کی بیٹی کو دیکھتی ہیں، یہی شخصیت کے حوالے کیا جن کی شکل میں جبریل امین، جسے عیسیٰ القدر فرشتے آیا کرتے تھے، تو یہ بھی کم درے کا فیصلہ نہیں، تاہم صحابہ آپ کی ذات سے نہیں آگے کی امید رکھتے ہیں، لہذا آپ نے ان کو خالص کچھ پڑائی بخشی اور حضرت وحیدہ کلبی کو مناسب معاوضہ دے کر زینب بنت ابی کو آزاد کرایا، پھر آپ نے انہیں اجازت دی کہ چاہیں تو اپنے گھر چلی جائیں، یا دوسری صورت میں آپ انہیں اپنے نکاح میں لے سکتے ہیں، انہوں نے دوسری پسند کی اور اس طرح یہ خوش بخت خاقان ازواج مطہرات میں شامل ہو گئیں جو حنفیہ کے نام سے پہچانی جاتی ہیں۔“

”سبحان اللہ!“

”تمہیں یہ بھی بتاؤں کہ ان کا یہ نام کس وجہ سے

پڑا؟ تو اس کا سبب یہ ہے کہ ان کا باپ بھی سردار تھا اور ماں ضرور بھی سردار کی بیٹی جس کا تعلق بھی بنی قرطہ سے تھا، چنانچہ اس نسبت سے زینب اس وقت نہایت اہم خاقان میں ہو گئی کہ عرب میں آل نبیؐ کا تہذیبی عنصر سردار کے لے شخص ہونا تھا جسے نبیؐ کہتے تھے تو یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی زوجیت میں

لیا، وہ صفی کی نسبت سے صفیہ کہلائے گئیں۔“ استاد صاحب کی صراحت پر حیان نے ان کی طرف حتمین کی نظروں سے دیکھا، جو بیان جاری رکھے ہوئے ہیں۔

”روایت ہے کہ حضرت صفیہ کا محرم حق بیعتی آزادی کو اختیار کیا۔ بہر حال، جس وقت آپ خیرہ سے روانہ ہوئے اور صحابہ کے مقام پر آپ نے قیام فرمایا تو رسم عربی اور ان کی عینیں دعوت و تہنیت کا اہتمام کیا گیا اور صحابہ یہاں سے روانہ ہوئے تو انہیں اپنے اوٹ پر سوار کیا اور صحابہ

ان جہرے پر فحاش کر دیا۔ اس سے عام لوگوں کو بھی علم ہو گیا کہ انہیں ازواج میں شامل کر لیا گیا ہے۔ بلکہ مجھے ان کے حوالے سے یہ بات بھی یاد رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حسن و جمال سے نوازا تھا، تاہم ان کی آنکھ پر سبزی مائل کشن انکشاف جس کو یکو کہ حضور نبی کریمؐ نے دریافت فرمایا، یہ کیا ہے؟“ انہوں نے اس بارے میں جو

کچھ بتایا وہ غشوگر حیرت لئے ہوئے ہے۔“ استاد صاحب نے کہا اور حیان کی دلچسپی میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ استاد صاحب بتاتے لگے۔ ”حضور اکرمؐ کے روایت کرنے پر، حضرت صفیہؓ نے حضور اکرمؐ کے متعلق بتایا کہ ”میں نے ایک بار خواب میں دیکھا کہ چاند میری گود میں اتر آیا ہے، اس خواب کا تذکرہ میں نے اپنے شوہر سے کیا تو وہ ایک دم برہم ہو گیا اور غصے سے

مغلوب ہو کر میرے منہ پر ملنا چڑھ مارا، اور بولا، اچھا تو بادشاہ شرب کی تمنا کرنے کی ہے؟“ پھر کہنے لگیں، اس نے یہ بات کہی کہ میں آپ کے خواب دیکھ رہی ہوں، حالانکہ مجھے آپ سے سخت و سختی تھی کہ آپ نے میرے والد اور شوہر کو قتل کر لیا، ان کے جواب میں رحمت عالمؐ نے فرمایا۔ ”تمہارے باپ نے سامے عرب کو میرا دشمن

بنالیا۔“ پھر ایک ایک کر کے اس کے تمام جرائم گواہی اور والد اتر کر اس سے انہیں آگاہ کیا، اس طرح حضرت صفیہؓ کے دل سے وہ غش دور ہو گئی اور انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ

مظلوم کو اس کے بے گناہی کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشان کی نسبت سے صفیہ کہلائے گئیں۔“ استاد صاحب کی صراحت پر حیان نے ان کی طرف حتمین کی نظروں سے دیکھا، جو بیان جاری رکھے ہوئے ہیں۔

”روایت ہے کہ حضرت صفیہ کا محرم حق بیعتی آزادی کو اختیار کیا۔ بہر حال، جس وقت آپ خیرہ سے روانہ ہوئے اور صحابہ کے مقام پر آپ نے قیام فرمایا تو رسم عربی اور ان کی عینیں دعوت و تہنیت کا اہتمام کیا گیا اور صحابہ یہاں سے روانہ ہوئے تو انہیں اپنے اوٹ پر سوار کیا اور صحابہ ان جہرے پر فحاش کر دیا۔ اس سے عام لوگوں کو بھی علم

ہو گیا کہ انہیں ازواج میں شامل کر لیا گیا ہے۔ بلکہ مجھے ان کے حوالے سے یہ بات بھی یاد رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حسن و جمال سے نوازا تھا، تاہم ان کی آنکھ پر سبزی مائل کشن انکشاف جس کو یکو کہ حضور نبی کریمؐ نے

سفلم پیشان کی دلچسپی فرماتے رہے۔“ استاد صاحب نے بات ختم کر کے توقف کیا اور خاموش ہو کر جیسے کچھ سوچنے لگے۔ پھر جب چند لمحوں بعد حیان کی طرف دیکھا تو عجیب سا سکروہرے ان کا مزاج شاس شامد پانی کا پیالہ ہاتھوں میں لے ہوئے ہے۔

”تبراک اللہ!“ پیالہ وصول کیا اور پینے کے بعد، الحمد للہ کہہ کر واپس کر دیا، عقیدت و محبت کا مزار اور اللہ ہی کچھ اور ہے، سارا دن مختلف جگہوں پر پانی پیتا ہے، لیکن مسجد نبوی اور یہ استاد صاحب کا بیجا ہوا پانی اپنی لذت ہی اور رکھتا ہے۔ استاد تازہ دم ہو کر کہنے لگے۔

”اودھ اللہ تعالیٰ نے خیرہ بھی کر لیا، اور نبی کریمؐ کو خیر ہوئی کہ آپ کے عمر زاد حضرت جعفر بن ابی طالب ابھی ابھی خیرہ پہنچے ہیں، وہ جبرش میں ایک مدت گزارنے کے بعد مدینہ پہنچے، وہاں سے سیدے خیرہ آئے ہیں، ان کے ہمراہ حضرت ابویوسف اشعری بھی ہیں، رسول کریمؐ کا چہرہ مبارک انہیں دیکھ کر خوشی سے ٹوٹی ہو کر ہو گیا، نہایت

گرجوئی سے آپؐ نے حضرت جعفر کو کہنے سے لگایا اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ہوسہ دیا اور فرمایا۔“ بیک وقت دو خوشیاں ہیں، واللہ میں نہیں بتا سکتا کہ مجھے کس بات سے زیادہ خوشی ہو رہی ہے، خیرہ کی فتح سے یا جعفر کی آمد سے؟“ پھر فرمایا۔ ”اے اہل سفینہ تمہاری دہریہ جرت ہے۔“

”اللہ اللہ کہے خوش قسمت تھے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ!“ حیان کی آواز میں رنگ سے لبریز ہے۔“ استاد محترم حضور کریمؐ جس کو اپنے پیٹے مبارک سے لگائیں، ان کا کیا حال مرتبہ ہوگا؟“

”بیٹا، اللہ کے محبوب کی عظمت کا ان کا اندازہ لگا سکتا ہے، آپ کے قدموں سے گئی مٹی بھی ہمارے لئے آفتوں کا سرمد ہے۔“ استاد صاحب کی آواز عقیدت میں ڈونگی چلی گئی، پھر انہوں نے حیان کو مخاطب کر کے

کہا۔ ”حیان بیٹا، میں تو تحریک اسلامی کے دوران پیش

59

آنے والا ہوا واقعہ ہی اپنے اعتبار سے بہت اہم اور قابل ذکر ہے، لیکن خبر کا معاملہ ان سب سے جدا ہے، یہودی جو مدینہ سے نکلنے کے بعد بھی اسلام کے فروغ و اشاعت کی راہ میں ایک مسلسل رکاوٹ بنے ہوئے تھے، وہ اللہ نے دور کردی تھی، اس لیے ہم اس ہم کے جزوی واقعات میں نظر انداز نہیں کر سکتے، مثلاً آپ تم دیکھو، صلی اللہ علیہ وسلم خیر سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو وادی خرا میں پہنچے، یہاں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، قریب قریبی جمع فرمایا، یہودیوں کی قرآن پڑھا، ہیں، یہی وہ علاقہ ہے، جہاں کسی قوم کا دار اور شوخ آباد جنہیں ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے پودھ و پھل بنایا گیا، جن کے آثار اب بھی موجود ہیں اور گزرنے والے کاروانوں کو درس عبرت دیتے ہیں، قرآن کریم نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے اور کفار قریش کو قیدی دلائی ہے کہ کیا تم آتے جاتے ان تاجہ شدہ مہینوں کو نہیں دیکھتے کرس طرح یہ بھی کئی آبادیاں ہیں کاؤ حیریں گئیں اور ان کے مغرور سرکش اور اللہ سے بغاوت کرنے والوں کو پھیلنے کا موقع بھی نکلے گا۔

”جی ہاں استاد محترم! اکی ٹک جگہ نہ ملتا ہے۔“ حیان اثبات میں رہا تو نے بولا۔  
”اس ٹکھڑے تو آج بھی دشنت ہوتی ہے اور حضور اکرمؐ نے یہاں سے جلدی سے گزرنے کا حکم فرمایا ہے۔“ استاد صاحب نے بتایا اور مزید کہنے لگے۔ ”جب اسلامی لشکر وادی خرا کی پہنچا تو یہودی نے تیرا اشرار شروع کر دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکمل آپ کے غلام حضرت مدحؐ ادا رہے تھے کہ ایک تیران کے لگہ، وہ چاہتے تھے کہ جگہ مسلمان جنگ کے لیے تیار نہ تھے۔ بلکہ رسول اللہؐ نے یہاں کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دی، جواب میں انہوں نے انکار کیا بلکہ ہتھیار باندھ کر آگے اور مسلمانوں کو لٹکانے لگے۔ سالار اعظمؐ نے حضرت سعدؓ بن عبادہ کو عطا فرمایا، اور دوسرے غازیوں کو جواب میں

منذر، سہیل بن ضیف اور عباد بن بشر کو بھی عطا ہوئے اور صف بندی کی گئی۔ یہودیوں میں سے کئی بہادر آئے اور مبارزوں کی طلب کی۔ حضرت زبیرؓ نے کئی بعد دیکرے دو بہادروں کو خاک و خون میں ملا دیا، ایک کو حضرت علیؓ نے زیر کے قتل کر دیا، مقابلہ دن بھر جاری رہا، یہودی نکل نکل کر آتے اور مجاہدین کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچتے رہے، کوئی دس بہادر مارے گئے، یہاں تک کہ جنگ دوسرے روز پھر شروع ہوئی لیکن جلدی فیصلہ ہو گیا، یہودی ہمت ہار بیٹھے اور سچا پراتر آئے، ان سے بھی انہی شرانگہ پر معاملہ کیا گیا جو اہل خیر کے ساتھ ہوا تھا، پھر فرج کر کے اموال قیدیوں کے لیے لے کر تھوڑے دن زین انہی کے پاس رہے۔ حضرت عمرؓ بن سعد بن العاص کو وادی کا والی مقرر کیا گیا۔ یہاں جن کریم نے چار روز قیام فرمایا۔ ”کیسے لوگ تھے، ذلت گوارا کر لی لیکن دین حق پر ایمان نہیں لائے۔“ حیان تاسف سے بولا اور استاد صاحب بھی اس کے لہجے میں شریک ہو گئے، کہنے لگے۔ ”یہاں جب آدمی اللہ سے بخوف ہو جائے تو دنیا کا خوف اس کے دل پر قید کر لیتا ہے، بزدل بن جاتا ہے، حق کے مقابل زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔“ دیکھتے آ رہے ہو کہ اہل خیر اور دوسرے یہودی اپنی شرارتوں کی طرح مال و دولت اور جتنی ساز و سامان میں بھی بہت آگے تھے، ان مسلمانوں کے مقابل افرادی قوت میں کئی ناز ہوا تھا تھے، لیکن حق کے آگے ان کے سنگین قلعے بھی روٹی کی طرح اڑ گئے، اب اس طرح کی پستی کا ایک اور منظر ہمارے سامنے آتا ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وادی الخرا سے روانہ ہوئے تو پچھدی اور تھکے مقام پر یہودیوں کو جو قدیم سے یہاں آباد تھے اسے پھر اور افرائی کی خیریں پہنچیں تو خوفزدہ ہو کر علیؓ کی غرض سے خدمت القدس میں حاضر ہوئے، آپؐ نے ان کی درخواست قبول کی اور چند ہی دنوں میں انہیں یہیں رہنے اور زمینوں پر کاشت کی اجازت سے دی گئی اور ایک صاحب یزید بن ابیوفان کو ان کا گھراں مقرر

کیا ہوا یہ روز اکیان اللہ نے تھے استاد صاحب مختصر سا واقعہ کر کے دوبارہ کہنے لگے۔  
”تجاسے فارغ ہو کر رسول اللہؐ نے مدینہ کا قصد فرمایا اور تمام رات سفر جاری رکھا، صحابہ پر سفر کی ٹھکان غالب آئے گی تو میر کا دواں سے توقف کی درخواست کی آپ نے ایک جگہ ٹھہرنے کا حکم دیا، لیکن یہی سفر فرمایا کہ مجھے خدشہ ہے کہیں سوئے میں نماز نہ پڑھ جائے۔“  
”افغانا بلاؤ گے پھر سے پھر مقرر فرمادے، حضرت بلالؓ نے شب بیداری کی خاطر نماز قائم کر لی، لیکن کچھ دیر کے بعد ذکر کے ساری سے ٹک کر اٹھ بیٹھے، پھر نظر میں شرعی کی طرف طلوع صحر ہو گئی رہیں، مگر اسے اتنا شک کہ ہم کی، یہاں تک کہ سورج کی سرخی بھی چھل گئی، یہاں سے ادا کی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہادر ہوئے، دیکھا سورج طلوع ہو رہا ہے، اور لشکر ابھی تک خواب میں ڈوبا ہوا ہے، آپؐ نے پریشان خاطر ہو کر بلالؓ کو آواز دی، فرمایا: ”بلال تمہاری اس زمداری کو کیا ہوا؟“ عرض کیا: ”یا رسول اللہؐ جس چیز نے آپ کو روک لیا، وہی میرے قس پر بھی طاری ہوئی، ابھی نیند تو مجھے پہلے چھلی گئی آئی۔“ آپؐ نے فرمایا: ”تمہاری روحیں اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں، وہ جب چاہتا ہے، دوبارہ ہمارے جسموں میں واپس کر دیتا ہے۔“ پھر شام اسلام نے مسلط ارشاد فرمایا۔ جب کوئی نماز نیند کے غلبہ یا بھول ہمارے فوت ہو جائے تو آگے کھلتے ہی، یاد نہ پڑو اور کبھی چاہئے، کیونکہ اللہ کا فرمان ہے، میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو۔“ آپؐ نے اس پاس پر نظر ڈالنے اور فرمایا۔ ”یہاں سے کوچ کر دو، اس جگہ شیطان آگیا ہے۔“ چنانچہ کچھ قافلے پہنچ کر آپؐ نے لشکر کو کوا لیا اور اہل کو اذان کا حکم دیا۔ حضور فرمایا اور درو رکعت سنت ادا لیں، پھر حسب معمول بلالؓ سے اقامت کھلوائی اور آپؐ نے نماز ادا کر لی۔  
”استاد محترم، یہ بھی عجیب واقعہ ہے کہ جس خدشہ کا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی خدشہ پڑا تھا کہ تھے کہیں سوئے میں نماز نہ نکل جائے، وہی ہوا۔“  
”دراصل بیٹا، چاہے اہل بیت کے لئے سبق اور تربیت کا باعث ہے، تم نے دیکھا کہ اس طرح ایک بہت اہم اور برا مسئلہ ہو گیا، کیونکہ نیند ایک ایسی فطری چیز ہے جس پر انسان کا اختیار نہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر سختی نہیں چاہتا، اپنے حق کے ذریعہ اس نے آسانی پیدا فرمادی کہ اگر کبھی نیند غالب آجائے تو بیدار ہوتے ہی فوراً اللہ کے ذکر کو فکر کرو، تاہم اس نری سے فائدہ اٹھا کر عادت نہیں بنالیتا چاہئے، غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ دوم عرضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کو مستحب کرنے کی خاطر اذان میں یہ الفاظ شامل کرادیے، الصلوٰۃ تحریر من انہم نماز نیند سے بہتر ہے۔“  
”بھان اللہ، آپؐ کے صحابہ کی بھی کیا بات ہے۔“ حیان حسین کرتے وقت جھوم جاتا ہے۔  
”ظاہر ہے، بیٹا، رسول آخر و اعظمؐ کے تربیت یافتہ افراد اپنی سیرت و سیمت اور اپنے ایمان و وجدان میں اعلیٰ درجہ ہوں گے تو پھر کیوں ہو سکتا ہے، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔“ حیان نے بھی اپنے استاد صاحب کے ساتھ، صحابہ کرام کے لئے کھڑے خیر خواہ کیا، استاد صاحب الرحمن پھر کہنے لگے۔  
”اب تم اس واقعہ پر اپنی آج کی مجلس کا اختتام کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے اس مبارک اور فاتح غازیوں کو کہیں مدینہ کے خار میں داخل ہو رہے ہیں کہ جیل احد پر نظر پڑتی ہے اور زبان مبارک سے نکلتا ہے۔“ ہم اس سے محبت کرتے ہیں اور یہ ہم سے محبت کرتا ہے۔“ پھر فرمایا۔ ”اے اللہ! میں ان دونوں پہاڑوں کے درمیان کی جگہ کو مزار ایتا چاہوں۔“  
”تمہارے مزاروں پہاڑوں سے مراد اہل حدیث ہیں۔“  
”جیل عمر“ استاد صاحب نے حیان کے جواب





بشش، ان کے حقوق کی نگہداشت کی، ان کو عزت و احترام کا مرکز قرار دیا اور ان کی اقتصادی اور مالی خود بخود کی توسیع کر کے ان کو مردوں کے دوش بدوش کھڑا کر دیا، لیکن اس کے ساتھ ہی اسلام نے مرد و عورت کے نفسی فرائض کی تفریق بھی کر دی اور ان کی فطری تفاوت کی بنا پر ایک الگ حدود کو قائم کر دی ہیں۔

دراصل اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس پر غور کریں کہ خدا تعالیٰ نے عورت کو کس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور مرد کو کس مقصد کے لئے اور ان دونوں کے حدود و فرائض کیا ہیں، اگر ہم نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تو مشکلات کی تمام گرہیں کھل جائیں گی اور ہم اپنی آنکھوں سے اپنا راستہ دیکھ لیں گے، چنانچہ پہلے ہم اس بات پر نظر کرنے کی چاہئے کہ عورت مرد کی جسمانی و دماغی ساخت میں قدرت نے کیا تفاوت رکھا ہے، ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ مرد و عورت کی نسبت زیادہ قوی، زیادہ جرات والا، زیادہ جفاکش اور زیادہ مستقل مزاج پیدا کیا گیا ہے اور قدرت کی طرف سے عورتوں پر بعض ایسے مخصوص فرائض عائد کئے گئے ہیں جن کو انجام دینے کی خاطر وہ ایک زمانہ تک مکمل دنیا سے کنارہ کش رہتی ہیں اور ایک حد تک ان کو گھر کی چار دیواری کے اندر رکھ کر اپنی ان ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونا پڑتا ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ دنیا کے بعض اہم امور اب تک صرف مرد ہی انجام دیتے رہے ہیں اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بہت سے کام ایسے ہیں جن کو خود عورتیں بھی مردوں ہی کے ساتھ مخصوص سمجھتی ہیں، آج تک دنیا میں جتنی جنگیں برپا ہوئیں، ان میں جوقی حقیقت سے کسی نے حصہ لیا، جنگ کے میدانوں میں خاک و خون میں نہونے کے لئے کون آگے بڑھا، ملک و ملت کی حفاظت کے لئے کس نے نگیں اور گولوں کے وار سے۔

آج کل عورتوں کی آزادی کے معاملے میں امریکا سب سے پیش پیش ہے، امریکی عورت گھر سے باہر کی

زندگی میں مرد کے ساتھ برابر کی شریک ہونا چاہتی ہے، دفتری کاموں میں وہ مرد کے پہلو پر بیٹھو تو جی ہاں، لیکن اس نے بھی کوشش کی کہ وہ کام جو اب تک مردوں کے لئے مخصوص تھے، ان میں بھی برابر کا حصہ دیا جائے، چنانچہ پچھلے دنوں پولیس اور فوج کے دروازے ان پر کھول دیئے گئے اور اس نے ان فرائض کو بھی مردوں کے پہلو پر بھروسہ کیا، آخر ایک سال کے تجربے کے بعد کچھ پولیس کوان کے متعلق رپورٹ کرنی پڑی کہ پولیس میں عورتوں کا کام کی سطح نہیں ہے اور کل پولیس کوان کی وجہ سے سوائے مالی خسارے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوا۔ بلاشبہ عورتوں میں پولیس کے فرائض انجام دینے کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے، یہ شک نہ پڑے پولیس دہلی کے نشانہ خوب لگتی ہے، بجاگ دوڑ بھی کرتی ہے اور تفتیش براجم میں مردوں کی امداد بھی کرتی ہے، لیکن اس کی اس فطری کمزوری کا کیا علاج کر دو؟ ان کو اس کا مقابلہ کرنے میں نا کام ثابت ہوئی، علاوہ ان کے زیادہ پولیس کے سلسلے میں جو بڑی وقت سے وہ یہ ہے کہ حالت محل میں وہ معمولی کام انجام دینے سے بھی قاصر رہتی ہے اور اس طرح کلوت میں پناہ دینا مالی پرہیز پڑتا ہے، الغرض شوکر نے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عورتیں اس قسم کے فرائض یا پارٹنر اسٹائٹس، کسی شئین کے بڑے ہی شئین میں کام نہ سکتے ہیں جس کے لئے وہ بنائے گئے ہوں۔ (ڈاکٹر کپٹین، بحوالہ البلاغ مصر)

عورتوں کی غیر فطری آزادی سے ملی اور جڑی کے معاشرے میں جو انتشار پیدا ہوا تھا، اسی کے سدباب کے لئے اس جنگ سے پہلے اپنی اور جڑی کی کھجوریں لے اپنے اپنے ملک کی عورتوں کو واپس گھروں کی طرف دیکھا، شروع کر دیا تھا اور ان کے فرائض و واجبات سرکاری طور پر متعین کر دیئے گئے، اور ان کو نمائندہ کر دی گئی کہ غرض اقبال کے بعد بغیر کسی شدید ضرورت کے گھر سے باہر نہیں نکلے، مردوں کے ساتھ اختلاط اور پاروں میں رات کے وقت نہ

سارے کا سارا گھر چلا ہوتا ہے اور کوئی اس کو سنبھالنے والا نہیں رہتا۔ چونکہ خانگی زندگی کی بنیاد عورت ہے اور جب تک بنیاد مستحکم نہ ہو اس پر کوئی پائیدار عمارت نہیں بن سکتی۔ اس لئے اسلام نے عورت کے گھر اور بہک جانے کو جو امکانات ہو سکتے ہیں ان کے سدباب کی انتہائی کوشش کی ہے، چنانچہ ہمیں یہ سبب ہے کہ اسلام کی غیر خرموں سے عورتوں کے اختلاط کو منع کرنے کا اور بلاشبہ ضرورت کے گھروں سے باہر نکلنے سے روکنے کا، ان حدود کے اندر ہر جو دراصل غیر خرموں سے اسی کی عزت و عفت کی حفاظت کے لئے اور معاشرت میں اس کے مقام کو بلند کرنے کی خاطر ضروری ہیں، مسلمان عورت ہر طرح کی آزادی سے متنب ہو سکتی ہے اور وہ جس قسم کی تعلیم چاہے حاصل کر سکتی ہے، بد قسمتی سے بعض لوگ اسلام ان حدود کو سمجھتے ہوئے ہیں اور ان کو توڑنا وہ عورتوں کی آزادی کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں، یہ شخص ان لوگوں کی بے خبری ہے۔

☆☆☆☆☆

### واقعہ

حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنی کان پڑھتے ہوئے تھے ایک فقیر نے بڑا اونٹن لے لیا اور اس طرف دیوار کے ساتھ چڑی بیٹھیں اور کھور سے دیکھا کہ آپ نے پوچھا: ایلیات ہے تو اس نے کہا کہ آپ کی جان اتنی بیٹیوں میں انگی ہوئی ہے یہ کیسے نکلیں؟ آپ نے فرمایا: میں ایسے بیٹے بھاری جان نکلیں، کسی بی بی اماری جان نکلیں، اس فقیر نے یہ سنا تو بڑی غصہ کر لیا اور کھڑکھڑا کر کہہ دیا: اماری جان تان لو تو بڑی نکلیں، لا الہ الا اللہ، رسول اللہ، جب آپ نے قریب پہنچ کر بلایا تو دیکھا کہ وہ تو اپنی جان تان آفرین ہے ہر در کھڑکا ہے، آپ کے دل پر اس واقعہ کا اثر ہوا۔ آپ کی زندگی کا بڑا ٹھنڈا کیا۔ (بحوالہ عشق باہی) (انتخاب:..... بیت اکرم، سعید آباد، کراچی)



# داستان مجاہد

قلمبر 5



## نیم ججازی

اردو ادب میں "نیم ججازی" (1913ء تا 1947ء) کا نام کسی قارف کچھتا نہیں، آپ کا شمار بیسویں صدی کے مشہور و ممتاز ناول نگاروں میں ہوتا ہے، آپ کے ناولوں کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے ناولوں کے عروج و زوال کی تاریخ پرچی ہیں، جنہوں نے اردو ناول طبقے کی کئی نسلوں پر اپنے اثرات پھڑے دیے ہیں، آپ صرف تاریخی واقعات کے بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ حالات کی ایسی منظر کشی کرتے ہیں کہ قاری خود کو کہانی کا حصہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ آپ کے مشہور ناولوں میں داستان مجاہد، محمد بن قاسم، قصر قہر، قلعہ جہاز، شاہین، خاک و خون و غیرہ ہیں۔ قارئین حیا کی خدمت میں "نیم ججازی" کا مشہور ناول "داستان مجاہد" پیش ہے، جو اسلامی تاریخ کے مختلف داستانوں اور واقعات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

نیم کو اب پر لحاظ سے اس گاؤں کے لوگ

انسانیت کا بلند ترین معیار تصور کرنے لگا اور اس کی ہر بات اور ہر حرکت قابلِ تخیل خیالی کی جانے لگی۔ اس بستی میں اسے ڈیڑھ مہینہ گزر گیا، اسے اس بات کا یقین تھا کہ قہر موسم بہار سے پہلے قتل و حرکت نہیں کرے گا، اس نے نظارہ اس کے وہاں شہر نے میں کوئی رکاوت نہ تھی، لیکن ایک نیا حساس نیم کو اب کسی حد سے چین کر رہا تھا۔

نرس کا طرزِ عمل اس کے پرسکون دل میں پھر ایک بار حیران پیدا کر رہا تھا، وہ اپنے خیال میں ابتداء سے شباب کے رنگین چہنوں سے بے نیاز ہو چکا تھا، لیکن فطرت کی نگینیاں ایک بار پھر اس کے دل کے سونے ہوئے قہنوں کو بیدار کرنے کے لئے

آرزوؤں کے مرکز کی طرف دیکھتے ہی وہ آنکھیں ہلکا ہلتی اور سڑکتے ہوئے دل کی پر زور درخواستوں، منتوں اور ساجتوں کے باوجود اسے دوبارہ نظر اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی اور اگر کبھی وہ جرأت کر بھی لیتے تو حیا نیم اور اس کے درمیان ایک خراب بن کر حاکم ہوجاتی، ایسی حالت میں فقط یہ خیال اس کے دل کی تسکین کا باعث ہوتا کہ نیم اس کی طرف دیکھ رہا ہے، لیکن جب کسی وہ ایک آدھ نگاہ انداز سے اس کی طرف دیکھ لیتی اور اسے گہرے خیال میں گردن جیچے کیے پستین کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے یا گھاس کے ٹکڑوں کو کھینچ کر توڑتے ہوئے پانی تو اس کے دل میں اندر گنگنے والی پتھریاں بجھ جاتیں اور جسم کے ہر رگ و ریشہ میں سردی کی اور دھڑپا جاتی، اس کے کانوں میں گونجنے والے شباب کے دوش راک کی تا میں خاموشی اور اس کے خیالات منتشر ہوجاتے، وہ اپنے دل پر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ لے لیتی اور نیم کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہوئی کمرے سے باہر چلی جاتی۔

ابتداء میں ایک معصوم لڑکی کی نسبت جہاں انسان کے دل میں ارا دون کا طوفان اور رسوا و دیالیا کا بیجان پیدا کر دیتی ہے، وہاں نیم معمولی توہمات سے عمل اور حرکت کی جرأت سے بھی ناکارہ کر دیتے ہیں۔

نیم اس کے خیالوں، آرزوؤں اور پستوں کی چھوٹی دی دنیا کا مرکز کی نقطہ نظر چکا تھا، اس کا حال نرسوں سے لبراز تھا جب وہ مستقبل کے حلقہ سوچتی تو ان گت توہمات اسے پریشان کرنے لگتے، وہ اس کے سامنے جانے کی بجائے اسے چھپ چھپ کر دیکھتی، کبھی ایک خیالی انبساط کیفیت اس کے دل کو سرور بنائے رکھتی اور کبھی ایک خیالی خوف کا تصور اسے پھر دل بے چین رکھتا۔

نیم ایسے ذی نفس انسان کے لئے نرس کے دل کی کیفیت کا اندازہ کرنا مشکل نہ تھا، وہ اپنی قوتِ تحریر سے نرس کے

نرس نے جواب دیا کہ نہیں، یونہی باہر گھر میں تھی۔

نرس نے جواب دیا کہ نہیں، یونہی باہر گھر میں تھی۔

نرس نے جواب دیا کہ نہیں، یونہی باہر گھر میں تھی۔

نرس نے جواب دیا کہ نہیں، یونہی باہر گھر میں تھی۔

وہ ہوئی تو آپ نے ان سے کیا کہا؟

میں نے تو انہیں ٹھہرنے کے لئے کہا ہے، لیکن اصرار کرتے ہوئے بہت دیر لگتا ہے، گاؤں والوں کو ان کے جانے کا بہت کوشش ہوگا، میں ان سے کہوں گا کہ وہ قاتل کر انہیں ٹھہرنے پر مجبور کریں۔ ہومان، بزمس سے چند اور باتیں کرنے کے بعد سو گیا، بزمس چند بار کرکٹیں بدلے اور سونے کا کام کوشش کے بعد اٹھ کر کھینچا، اگر انہیں اس طرح چلے جاتا تھا تو آئے ہی کیوں تھے؟ یہ خیال آئے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھی، آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی، فیم کے کمرے کا طواف کیا، ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا لیکن آگے قدم اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی، اندر مشعل برقی تھی اور فیم پستین اوڑھے سو رہا تھا، اس کا چہرہ غصہ کی تک عیاں تھا، بزمس نے اپنے دل میں کہا، میرے شہزادے! تم جارہے ہو، نہ معلوم کہاں! تم قریب جانو کہ تم یہاں کیا چھوڑ کر جا رہے ہو اور کیا کچھ اپنے ساتھ لے جاؤ گے، ان پھاڑوں، چراگاہوں، بانوں اور چشموں کی تمام دلچسپیاں اپنے ساتھ لے جاؤ گے اور اس ویرانے میں اپنی یاد چھوڑ جاؤ گے..... شہزادے..... میرے شہزادے..... نہیں، نہیں، تم میرے نہیں، میں اس قاتل نہیں، یہ سوچ کر بزمس سکیاں لینے لگی، مجرورہ کمرے کے اندر داخل ہوئی اور خود ہی دیر بعد بس درخت کھڑی فیم کی طرف دھکتی رہی۔

ایک جاگ فیم نے کرکٹ بدلی بزمس خوفزدہ ہو کر باہر نکلی اور دیے پاؤں اپنے کمرے میں جا کر ستر پر لیٹ گئی، اہل رات تکیوں پر لیٹے ہوئے، ایک یاد چھج چلے جائیں گے؟ لینے وہ اپنے کمرے میں سو گئی۔

دیکھ کر زیادہ حیران نہ ہوا، اس نے کہا:

بزمس! تم آج بہت سویرے یہاں آ گئیں؟ بزمس پر روز بھر کو ان درختوں کے پیچھے چھپ چھپ کر دیکھا کرتی تھی، آج وہ فیم سے اس کی بے نیازی کا شکوہ کرنے کے لئے تیار ہو کر آئی تھی لیکن فیم کے اس دلچسپے بروائی سے بے کلام ہونے پر اس کے دل میں ولولہ کی آگ بھڑکی، بزمس، تاہم ضبط نہ کر سکی، اس نے آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے کہا:

آپ آج چلے جائیں گے؟ ہاں بزمس! مجھے یہاں آئے بہت دیر ہو گئی ہے، آپ نے میرے لئے بہت تکلیف اٹھائی ہے، شاید میں شکر ہی ادا کر سکوں، مگر آپ کو بڑا خیر نہ دے۔ فیم یہ کہہ کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور جتنے کے بانی سے وضو کرنے لگا بزمس چھپا کر دیکھتا تھا جتنی تک فیم کا طرزیں حوصلہ افزائی نہ تھا، دل کا طوفان بکھر چلا گیا، جب گاؤں کے بانی لوگ وضو کے لئے اپنے ستر پہنچے ہوئے لگے تو بزمس وہاں سے کھٹک آئی۔

گاؤں کا بڑا خیر جس میں لوگ اسلام لانے سے پہلے فرقت کے لحاظ سے دوسروں کو زار کرتے تھے، اب نماز کے لئے وقف تھا، فیم وضو کرنے کے بعد اس خیمے میں داخل ہوا، گاؤں کے لوگوں کو نماز پڑھانی اور دعا کے بعد انہیں بتایا کہ کس جادہ ہوں۔

فیم اور ہومان ایک ساتھ میرے باہر نکلے، مکان پر پہنچ کر فیم اپنے کمرے میں داخل ہوا، ہومان نے فیم کے ساتھ داخل ہونے وقت اپنے پیچھے گاؤں کے لوگوں کو تکتے دیکھا تو اٹھ جانے کے بجائے چند قدم واپس ہو کر ان کی طرف متوجہ ہوا، ایک یاد چھج چلے جائیں گے؟ ایک بزمس نے سوال کیا۔

ہاں، مجھے انہیں ہے کہ وہ نہیں ٹھہریں گے، ہومان نے جواب دیا۔

تو شاید پھر جاں نیک ہیں مجھے یقین نہیں، تاہم آپ انہیں ضرور مجبور کریں، وہ جس دن سے آئے ہیں، میں یہ سمجھ کر رہا ہوں کہ مجھے دنیا کی دشواریات لگتی ہیں، آپ نہیں سمجھتے بڑے ہیں، آپ ضرور کوشش کریں، شاید وہ آپ کا کہاں ملیں۔ فیم زور، بستر اور سطح سے آراستہ ہو کر باہر نکلا، گاؤں کے لوگوں نے اسے دیکھ کر ایک ساتھ شور مچانا شروع کیا، ہم انہیں جانے دیں گے، ہم نہیں جانے دیں گے۔ فیم اپنے غصے میں باتوں کی طرف دیکھ کر سرسرا اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد باہر بلند کیا، وہ تمام کے بعد بڑے خاموش ہو گئے۔

فیم نے ایک مختصر تقریر کی۔ ”برادران! اگر میں اپنے نرائض کی وجہ سے مجبور نہ ہوتا تو آج اس جگہ چند دن اور ٹھہر جانے پر اعتراض نہ کرتا لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جہاد ایک ایسا فرض ہے کہ جسے کسی بھی حالت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، میں آپ کی محبت کا تہہ دل سے ممنون ہوں، امید ہے کہ آپ مجھے خوشی سے اجازت دے دیں گے۔“ فیم نے اپنی تقریر کو اپنی غصہ کی ایک چھوٹا سا لڑکھا چلا اٹھا، ہم نہیں جانے دیں گے! فیم نے آگے بڑھ کر کس نے کچھ اٹھا لیا اور اسے گلے لگاتے ہوئے کہا: ”مجھے آپ لوگوں کے احسانات ہمیشہ یاد رہیں گے، اب سستی کا تصور مجھے ہمیشہ سرور کرتا رہے گا، اب میں اس سستی میں آیا تھا تو ایک اجنبی تھا، اب جب کہ چند ہفتوں کے بعد میں رخصت ہو رہا ہوں تو یہ اور کرتا ہوں کہ اپنے عزیز ترین بھائیوں سے جدا ہوں ہاں، اگر خدا نے چاہا تو ایک بار مجھے یہاں آ لے گی کوشش کروں گا۔“

اس کے بعد فیم نے ان لوگوں کو چند نصیحتیں کیں اور اگلے بعد لوگوں سے مصافحہ کرنا شروع کیا، ہومان بھی دوسرے لوگوں کی طرح اپنی مرضی کے خلاف راضی

ہو گیا تھا، وہ فیم کے لئے اپنا خوبصورت سفید کھوڑا لے آیا اور کہاں تک غصے کے ساتھ یہ سخت قبول کرنے کی درخواست کی۔ فیم نے اس کا شکریہ ادا کیا، ہومان اور گاؤں کے چندہ روزہ جوان نے فیم کے ساتھ جہاد پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن فیم کے اس وعدے پر کہ وہ اپنے لشکر میں پہنچ کر ضرورت کے وقت انہیں بلا پیچھے گاؤں، مطمئن ہو کر ٹھہر گئے، فیم نے رخصت ہونے سے پہلے ادھر ادھر دیکھا لیکن نظر نہیں پڑی، وہ اسے اوداع کے بغیر رخصت نہیں ہونا چاہتا تھا، لیکن اس وقت اس کے حلق کی کسی سے سوال کرنا بھی مناسب نہ تھا۔

ہومان سے مصافحہ کرتے ہوئے فیم نے عورتوں کے کچھ پر سر پر نظر ڈالی، بزمس شاید اس کا مطلب سمجھ گئی اور فیم سے کچھ دیر کچھ سے بزمس نے فیم کے چہرے پر فیم گھولنے پر سوار ہوا، اس نے بزمس کے چہرے پر الوداعی نگاہ ڈالی، یہ پہلا موقع تھا کہ بزمس کی آنکھیں فیم کی آنکھوں کے مقابلے میں چمکیں، وہ پھر کی ایک مورنی کی طرح بے حس درخت کھڑی آنکھیں پھاڑ کر فیم کی طرف دیکھ رہی تھی، فیم وردی کی شدت سے واقف تھا جس سے آنکھوں کے انہی خشک ہو جاتے ہیں، وہ اس دل کداز منظر کی تاب نہ لانا کہ اس کا دل بھر آیا لیکن جانے سے ٹھہر جانا مشکل نظر آتا تھا، فیم نے دوسری طرف متوجہ ہونا چاہا، ہومان اور گاؤں کے چند آدمی کچھ دور تک اس کے ساتھ چلتے جاتے تھے لیکن اس نے انہیں منع کیا اور کھوڑے کو لایا لگا دی۔

لوگ اونچے اونچے ٹیلوں پر چڑھ کر فیم کی آخری جھلک دیکھ رہے تھے، لیکن بزمس وہیں کھڑی رہی، اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے پاؤں زمین کے ساتھ پیوست ہو چکے ہیں اور اس میں ہلنے کی طاقت نہیں رہی، اس کی چند ہیسیاں اس کے گرد جھج جھج رہیں، زبرد جو جب سے زیادہ بے تکلف اور نرم راضی، منعم صورت بنائے



اس کی طرف دیکھ رہی تھی، اس نے گاؤں کی عورتوں کو جمع ہوتے ہوئے دیکھ کر کہا:

تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ جاؤ ایسے اسے گھر!

چند عورتیں وہاں سے کھسک گئیں، مگر بعض وہیں کھڑی رہیں، زمر نے زکس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: چلو سر!

زکس نے چونک کر زمر کی طرف دیکھا اور بغیر کچھ کہے زمر کے ساتھ خیمے کے اندر داخل ہو گئی، وہ پستین جیسے فیصم اڑھا رکھا تھا، وہیں پر ہی ہوئی تھی، زکس نے جیسے بولے پستین اٹھائی، اپنا چہرہ اس میں چھپایا، انھوں نے سر کے ہونے آنسو بہتے، زمر زور دیکر اس کے پاس کھڑی رہی، بالآخر اس نے زکس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا: زکس! تم یوں ہو گئیں، میں نے انہیں کئی دفعہ وعظ میں یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ ہمیں خدا کی رحمت سے بھی مایوس نہیں ہونا چاہئے، وہ دھمکتے والوں کی ہر شے بخش سکتا ہے، انھو زکس باہر چلیں! وہ ضرور آسے گے۔

زکس آنسو پونچھتے ہوئے زمر کے ساتھ باہر نکلی، ہستی کی ہر چیز پر اداسی چھاری تھی۔

☆.....☆.....☆

دوپہر کے وقت آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا، ہستی کے باہر جمجھور کے ایک کھٹے جھنڈے کے نیچے چند آدمی بیٹھ تھے، ان میں بعض بائیں کر رہے تھے اور باقی سو رہے تھے، ان لوگوں کی گفتگو کا موضوع ختیہ تھیں، قاسم، ان کا نام نہ کرنا کھٹے جو نیند کے نشے میں جمور ہاتھ، وہ شیار ہو کر بیٹھ گیا۔

محمد بن قاسم؟..... اسے وہ کیا بہار ہے؟ سندھ کے ڈرپوک راجا کو بھگایا تو بہار نہ ہو، بیٹھا لوگ تو اس سے اسے لے ڈرتے ہیں کہ وہ قاتل کا بیٹھا ہے، اس سے تو طارق اچھا ہے، اس نے یہ کہہ کر پھر انھیں بند کر لیں۔

اس پر محمد بن قاسم کے معاش کو پیش آیا تو اس نے کہا: جانہ پر تھو کے سے اپنے ہی منہ پر چھیننے پڑے ہیں، آج اسلامی دنیا میں محمد بن قاسم کے مقابلے کا کوئی آدمی نہیں ہے۔

تیسرا ایبل اٹھا: محمد بن قاسم کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، لیکن یہ کہنے کے لئے تیار نہیں کہ آج اسلامی دنیا میں اس کا کوئی مد مقابل نہیں، میرا خیال ہے طارق کے مقابلے کا کوئی سہاٹی نہیں۔

چوتھے نے کہا، یہ بھی غلط ہے، ختیہ ان دونوں سے بہادر ہے۔

طارق کے معاش نے کہا: لاجل و لائق کہاں طارق اور کہاں ختیہ؟ یہ تو ہم مان لیتے ہیں کہ ختیہ تھیں، قاسم سے اچھا ہے، لیکن طارق سے کوئی نسبت نہیں۔

تیسرا ایبل مدلل ماس قابل نہیں کہ تم محمد بن قاسم کا نام لو، ان کا قاسم کے معاش سے پھر پیش میں آکر کہا۔

اور تیسرا ایبل مناس قابل نہیں کہ تم میرے ساتھ کلام کر، وہ طارق کے معاش نے جواب دیا۔ اس پر دونوں تلواریں کھینچ کر ایک دوسرے کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے، انھوں نے شروع ہوئی تھی کہ عبداللہ کھڑے ہو کر آدھی دکانی دیا، عبداللہ نے کچھ فاصلے پر سے یہ منظر دیکھ کر کھڑے ہو گئے، کواڑ لگائی اور ان کی آن میں ان کے سر میں اکھڑا اور اونچے آڑمانی کی وجہ پوچھی، ایک شخص نے جواب دیا، یہ اس بات کا فیصلہ کر رہے ہیں کہ طارق اچھا ہے یا محمد بن قاسم۔

مشہور، وہ جواب دینے سے سہماتے ہوئے کہا اور لڑنے والے بھی عبداللہ کی طرف دیکھنے لگے، تم دونوں غلطی ہو، محمد بن قاسم یا طارق تمہاری تعریف یا مذمت سے بے نیاز ہیں، ہم مفت میں ایک دوسرے کی گردن کاٹتے ہو، سنو طارق، تم بھی یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ کوئی اسے محمد بن قاسم سے اچھا کہے اور محمد بن قاسم بھی یہ کہہ کر خوش نہ ہو کہ وہ طارق سے اچھا ہے، وہ لوگ جو خدا کے حکم پر سب

کاٹھ قربان کر دینے کی خواہش سے میدان جنگ میں جاتے ہیں، ایسی کئی باتوں سے بے نیاز ہیں، تم اپنی تلواریں بنام میں دلاور نہیں ان کے معاش پر رہتے ہو۔

یہ سن کے تمام لوگ خاموش ہو گئے اور لڑنے والوں نے نام ہو کر تلواریں بناموں میں ڈالیں، اس کے بعد تمام لوگ اٹھ کر عبداللہ سے معاف کرنے لگے، عبداللہ نے ایک شخص سے اپنے کھر کا حال دریافت کیا، اس نے ہوا دیا۔

آپ کے گھر میں ہر طرح خیریت ہے، میں نے کل آپ کا بچہ دیکھا تھا، ماشاء اللہ! آپ کی طرح جو اثر دو ہوگا۔

میرا بچہ عبداللہ نے سوال کیا۔

آپ کو ابھی تک خبر نہیں پہنچی، آپ تو ماشاء اللہ تین چار ماہ سے ایک ہفتہ رہیں گے، باپ بن چکے ہیں، ہماری بیوی آپ کے گھر سے اٹھائی تھی، میرے بیٹے اسے دیکھ کھلاتے رہے، بہت خوش طبع لڑکا ہوگا۔

عبداللہ نے حیا سے انھیں چھینا لیکن اسے اور لوگوں کو چھوڑ کر گھر کی راہ لی، اس کا بچی چاہتا تھا کہ ایک ہی جہت میں کھر پیچ جائے لیکن لوگوں سے شرماتے ہوئے گھوڑے کو معمولی رفتار سے جانے دیا، جب وہ دروازے کی آڑ میں اس کی نظروں سے غائب ہو گئے تو اس نے گھوڑے کو سر پٹ دوڑا دیا۔

عبداللہ گھر میں داخل ہوا تو عذرا کھجور کے سایہ میں چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھی، اس کے دائیں طرف ایک خوبصورت بچہ لیٹا ہوا آنکھ کھول کر رہا تھا، عبداللہ بغیر کچھ کہے ایک کرسی آگے بڑھا کر عذرا کے منہ کے قریب بیٹھ گیا، عذرا نے ایک شرمیلی نگاہ شوہر کے چہرے پر اڑائی اور اٹھ کر بیٹھ گئی، عبداللہ سکروایا، عذرا نے انھیں جھکا لیں، بچے کو گود میں اٹھایا اور سر پر ہاتھ پھیرنے لگی، عبداللہ نے اپنا ہاتھ بڑھا کر عذرا کے ہاتھ پکڑ کر چوما، پھر آہستہ سے بچے کو اٹھایا، اس کی

پیشانی پر بوسہ دیا اور اپنی گود میں لٹا کر اس کی طرف غور سے دیکھا، بچہ عبداللہ کی کر کے ساتھ لٹتے ہوئے خنجر کے چمک دار دستے کی طرف غور سے دیکھنے لگا اور جب اس نے ادھر ادھر ہاتھ مارتے ہوئے اسے پکڑ لیا تو عبداللہ نے اسے خنجر کا دستہ اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا، بچہ خنجر کے دستے کو سونڈ کر چوتھے لگا۔

عذرا نے اس کے ہاتھ سے خنجر کا دستہ پھرنے کی کوشش کی تو اسے بچہ نے کہا چھلونا کہنے کے ہیں آپ! عبداللہ نے مسکرا کر کہا: جابلہ کے بچے کے ہاتھ اس سے اچھا چھلونا اور کیا ہو سکتا ہے؟

جب ایسے چھلونوں کے ساتھ کھینے کا وقت آگے تو انشا اللہ ابے رہا کھانے کی ندی نہیں گے!

عذرا اس کا نام کیا رکھا؟

آپ بتائیے؟

عذرا کھٹے تو ایک ہی نام عیارا لگتا ہے۔

بتائیے!

فیصم، عبداللہ نے منگوم سا ہو کر جواب دیا۔

یہ سن کر عذرا کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں، اس نے کہا:

یقین تھا کہ آپ یہی نام پسند کریں گے، اس لئے میں نے پہلے ہی یہ نام رکھ دیا ہے۔

☆.....☆.....☆

زکس کی ہستی سے رخصت ہو کر کوئی پچاس کوس کا فاصلہ طے کرنے کے بعد فیصم نے تاری جردا ہوں کی ایک اور چھوٹی ہستی میں رات بسر کی، وہ ان لوگوں کی رادوہ سے واقف تھا، اس نے جانے قیام ڈھونڈنے میں اسے کوئی وقت نہیں نہ لائی، ہستی کے سردار نے اسے اسلامی فوج کا ایک نائب خیر خیال کرتے ہوئے اس کی ہر گز توجہ کی، شام کا کھانا کھانے کے بعد فیصم میرے لئے لٹکا، وہ ہستی سے زیادہ دور نہ تھا کہ کچھ فاصلے پر ٹوٹی قدروں کی آواز سنائی دی، اس نے پیچھے

مؤکر دیکھا گاؤں کے لوگ بدحواسی کی حالت میں اپنے گھروں سے نکل کر اصرار بھاگ رہے ہیں، نعیم بھاگتا ہوا ان کے قریب پہنچا اور ان سے اس پریشانی کی وجہ پوچھی۔

گاؤں کے سردار نے کہا: نزاق کی افواج مسلمانوں کے لشکر پر ایک نام حملہ کر کے پسپا ہونے کے بعد فرغانہ کی طرف بڑھ رہی ہیں، مجھے اطلاع ملی ہے کہ ان کے راستے میں جوستی آتی ہے، لوٹ لی جاتی ہے، مجھے خبر ہے کہ اگر وہ راستے سے گزرے تو ہمیں سخت جانی کا سامنا کرنا پڑے گا، آپ یہیں نہیں ٹھہریں، میں اس پہاڑی پر چڑھ کر ان کا پتہ لگا تاہوں۔

نعیم نے کہا، میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ نعیم اور تاسی سردار بھاگے ہوئے پہاڑی کی چوٹی پر پہنچے، وہاں اسے انہیں ڈیڑھ گھنٹے کے فاصلے پر تاتاریوں کا لشکر آتا دکھائی دیا، سردار کچھ دیر بعد خود کھڑا رہا، آخر وہ خوشی سے اچھل پڑا، کہنے لگا، ہم فتح گئے، وہ ادھر آگے گئے، انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کر لیا ہے، تھوڑی دیر پہلے میں یہ خیال کرتا تھا کہ آپ کی آمد ہمارے سے ایک برا ٹھکانے ہے، لیکن اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ کوئی آسانی دیا جائے، یہ آپ کی کرامت ہے کہ مجھ کو بھڑکیوں کے اس گردنہ ہماری طرف سے توجہ پھیر لی ہے، یہ کہہ کر وہ نعیم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے اچھے اثر اس نے زمستی کے لوگوں کو خوش جری بنائی اور وہ تمام اس کی جبری تصدیق کے لئے بچاؤ پر چڑھ گئے۔

شام کا صند گلاب کی تار کی تہ تہیل ہو رہا تھا، بستی سے کچھ دور فرغانہ کی طرف جانے والا راستہ فوج کی خفیف سی ٹھکنی نظر آرہی تھی، لیکن گھوڑوں کے بہنہانے کی آواز اور تاتاریوں کی کوچ جمل گڑبڑی پڑ رہی تھی اور یہ لوگ مطمئن ہو کر چلتے کوئے گا تے اور ہوتا جیسی کی طرف لوٹ آئے۔

نعیم کو شہداء کی نماز ادا کرنے کے بعد لپٹے ہی نیند آئی، خواب کے عالم میں مجاہد ایک بار پھر تنگھوڑے پر سوار ہو کر تیروں کی بارش اور تلواریں کے سایہ میں دشمن کی صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا، وہ علی الصبح اٹھا اور نماز پڑھنے کے بعد منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گیا۔

چند منازل اور طے کرنے کے بعد نعیم کو ایک دن اسلامی لشکر کا پڑاؤ دکھائی دیا، مرد مرے اپنے لشکر کی غیر متوقع قیدی بنی پھر حیران تھا، تاہم اسے خیال کڑتا کہ تاتاریوں کے حملے نے انہیں قبل از وقت آگے بڑھنے پر مجبور کر دیا ہوگا۔

قتیبہ بن مسلم باہی نے اپنے محبوب جرنیل کا نہایت گر جوشی سے استقبال کیا، فوج کے باقی سالاروں نے بھی اس کی آمد پر بے حد مسرت کا اظہار کیا۔

نعیم سے بہت سے سوالات پوچھے گئے، ان تمام کے جواب میں اس نے اپنی مختصر سرگزشت کہہ سنائی، اس کے بعد نعیم نے قتیبہ بن مسلم سے چند سوالات کئے جن کے جواب سے معلوم ہوا کہ وہ تاتاریوں کو کھلتے دے کر نزا کا اتفاق کر رہا ہے۔

رات کے وقت قتیبہ بن مسلم اپنے چند جرنیلوں اور مشیروں کی مجلس میں پیش قدمی کے لئے مختلف تجاویز پر بحث کر رہا تھا، نعیم نے اسے یقین دلایا کہ ابن صادق فرغانہ کو اپنی تازہ سازشوں کا مرکز بنائے گا، اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے لغات میں تاخیر نہ کریں۔

صبح کے وقت کوچ کا قافلہ بجایا گیا، قتیبہ نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے آگے بڑھنے کے لئے دو مختلف راستے تجویز کئے، نصف فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں اور دوسرا حصہ جس میں نعیم شامل تھا، اپنے بھائی کے سپرد کیا، نعیم چکر مارنے سے تھکے ہوئے ڈرائے سے وقت تھا، اس لئے قتیبہ کے ہاتھ سے ہر اول پر متعین کر دیا۔

☆.....☆.....☆

نرس ایک پتھر پر بیٹھی چشمے کے شفاف پانی سے کھیل رہی تھی، وہ چھوٹی چھوٹی نکریاں اٹھا کر پانی میں پھینکتی اور پھر آہستہ آہستہ تھک جاتے دیکھتی راتی، جب ایک نکری پانی کی تہ تک پہنچ جاتی تو وہ دوسری اٹھا کر پانی کی سطح پر چھوڑ دیتی، کبھی کبھی وہ اس کھیل سے اتنا کرساتے میدان کی طرف دیکھتی جس کی وسیع حدود کے اختتام پر کچھے درختوں کے برابر بساں میں لپٹی ہوئی پہاڑیاں کھڑی تھیں، ان پہاڑیوں کے چپچپے اونچے اونچے پہاڑوں کی سفید برفانی چوٹیاں نظر آرہی تھیں، موسم بہار کے آغاز کی کیف اور ہوا چل رہی تھی، دائیں جانب سیب کے درختوں اور انگوروں کی بیلوں میں شگونی چھوٹ رہے تھے۔

نرس اپنے خیالات میں مگن تھی کہ چپچپے سے زمرہ نے دے باؤں کر ایک پتھر اٹھا کر پانی میں پھینکا، پانی اٹھنے سے چند چھینٹے نرس کے کپڑوں پر پڑ گئے، نرس نے ٹکھیرا کر چپچپے کی طرف دیکھا، زمرہ نے قتیبہ کا لیکن نرس کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا، زمرہ اپنی گوی کو روکنے اور چہرے کو نرس کی طرف منسوب بنانے ہوئے آگے بڑھی اور نرس کے قریب آ کر بیٹھی۔

نرس! میں نے تمہیں آج بہت ڈھونڈا، تم یہاں کیا کر رہی ہو؟

کچھ کھیل، نرس نے پانی کو ایک ہاتھ سے اچھالتے ہوئے جواب دیا۔

تم کب تک اس طرح کل کل کر جاؤ، دو گنا ہاتھار چہرہ پہلے سے ادھا بھی نہیں باقی، دس روزہ ہو گئی ہو تم؟ زمرہ! مجھے بار بار رنگ نہ کرو جاؤ!

میں مذاق نہیں کرتی نرس، خدا جانتا ہے کہ میں تمہیں دیکھ کر بے حد پریشان ہوئی ہوں، یہ کہہ کر زمرہ نے نرس کے گلے میں اپنیوں ڈال دیں اور اس کا سر اپنی طرف کھینچ کر سینے سے لگا لیا، نرس نے بھی ایک تیار پٹی کی طرح اپنے آپ کو ڈھیل چھوڑ دیا۔

کاش میں تمہارے لئے کچھ کر سکتی، زمرہ نے نرس کی پیشانی پر ہاتھ بھرتے ہوئے کہا، نرس کی آنکھوں میں آنسو بھرائے، اس نے درجہ بھری آواز میں کہا:

میرے لئے جو ہونا قاعدہ ہو چکا، میں نے پہاڑی چوٹی کی گٹھن منظر کو دیکھا، لیکن راستے کی دشواریوں پر وہ بیان نہ کیا، زمرہ اور وہ میرے لئے نہیں تھے اس کے قابل بھی نہ تھے، اس لئے شکایت بھی نہیں، میرے جیسی ہزاروں لڑکیاں اس کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے کے لئے ترستی ہوں گی، لیکن وہ یہاں کیوں آگیا؟ اگر آیا تو چلا گیا، میں اسے دیکھتے ہی بے قرار اور پریشان کیوں ہونے لگی؟ میں نے اسے سب کچھ بتایا ہوتا لیکن اس میں کوئی ایسی طمانت تھی جو میری زبان پر اس طرح قابو پائے تھی، میں یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ہم لوگوں سے بہت مختلف ہے، اپنے آپ کو اس کے پاؤں میں ڈالنے کی کوشش کی، میں اس انجام سے ڈرتی تھی لیکن کاش خوف نہیں اس کوئی میں کرنے سے روک سکتا، زمرہ! میں تمہیں اس سے خواب دیکھا کر دی تھی کہ اس نے ایک شہزادہ سے خواب دیکھا تو وہ جان سے مرے ہو کر اسے اپنا بنالو گی، میرا شہزادہ آیا لیکن میں اسے اپنا بنانے سے ڈرتی رہی، زمرہ! کیا مجھے ایک خواب تھا؟ کیا اس خواب کی کوئی تعبیر ہوگی؟ زمرہ! زمرہ! مجھے کیا ہو گیا ہے؟ تم پھر بھی کوئی کہو کہ میرے کام نہیں لگتی، کاش میرے سر سے کس کی بات ہوئی!

نرس! ہر خواب کی تعبیر کے لئے وقت متعین ہوتا ہے، انتہائی لمبے عرصوں میں بھی انتظار اور امید ہمارا آخری سہارا ہونا چاہئے، خدا سے دعا کی کرو، اس طرح آجیں بھرنے سے کوئی فائدہ نہیں، اب، اٹھو، آؤ میرا آئیں۔

نرس کا زمرہ کے ساتھ چل دی، وہ ابھی چند قدم گئی تھیں کہ دائیں طرف سے ایک سوار سہت گھوڑا



دوڑتا ہوا دکھائی دیا، سوار نے لڑکوں کے قریب آ کر گھوڑا روک لیا، زمرہ سو دیکھ کر چلا آگئی، مرس، مرس، تمہارا شہزادہ آگیا!

مرس و ہیں کی وہیں کھڑی رہی، اس کی مملکت دل کا بادشاہ سامنے کھڑا تھا، اسے اپنی آنکھوں پر پشہ ہو رہا تھا، اس کے دماغ پر ایک غنڈی سی طاری ہو رہی تھی، انتہائی خوشی یا انتہائی غم کی اس حالت میں جس کا سامنا کرنے کے بعد بے حس ہوا جاتا ہے، مرس نے کسی خواب کی سی حالت میں چلنے والے کی طرح قدم اٹھائے اور لوکھڑا کر زمین پر گر پڑی، نعیم فوراً گھوڑے سے اترا اور اس نے آگے بڑھ کر شہزادے کو مرس کاٹھا لیا۔

مرس کیا ہوا؟  
کچھ نہیں، مرس نے آنکھیں کھول کر نعیم کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔  
مجھ کو دیکھ کر ڈر نہیں؟

مرس کچھ جواب دینے پر خود ہو کر نعیم کی طرف دیکھ رہی تھی، اسے اس قدر قریب سے دیکھنا اس کی توقع سے زیادہ بہتین نعیم اس کی حالت سے مطمئن ہو کر اس سے دو قدم ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا، مرس دامن میں آئے ہوئے پھول کی جدائی کا تصور برداشت نہ کر سکی، اس کے جسم کے ہر رگ دریشے میں ایک ارتعاش سا پیدا ہونے لگا، وہ دھولانی ضرور کو بالائے طاق رکھتے ہوئے آگے بڑھی اور چاہے قدموں میں چٹک لگی۔  
نعیم کی طاقت ضبط جواب دے رہی تھی، اس نے مرس کو بازو سے پکڑ کر اٹھا لیا اور زمرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ زمرہ! انہیں گھر لے جاؤ!

مرس نے باری باری نعیم اور زمرہ کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، اس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا، چہرہ ایک بار مزرعہ کی طرف دیکھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر گھر کا رخ کیا، نعیم نے زمرہ کی طرف دیکھا، وہ اسی جگہ کھڑی تھی۔

نعیم نے غمگین لہجے میں کہا، زمرہ! جاؤ اسے تسلی دو! زمرہ نے جواب دیا یہ کسی تسلی؟ آپ نے کہا اس کا آخری سہارا بھی تو ڈوبا ہے اس سے تو بڑھتا کونسا آتا ہے۔

میں ہوں اس لئے آیا تھا، وہ کہاں ہے؟  
وہ کھڑا کھینچے لیا ہوا ہے۔

پھر میرا گھر جانا ہے سو ہے، ہومان کو میرا اسلام کہنا اور اسے بتا دینا کہ مجبور کی وجہ سے نہیں بھڑکا، ہماری فوج غنائی کی طرف جارہی ہے۔  
نعیم بے فکر گھوڑے پر سوار ہوا لیکن زمرہ نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا، میں تو سمجھا کرتی تھی کہ آپ سے زیادہ زبردل انسان اور کوئی نہیں ہو گا لیکن میرا خیال غلط ثابت ہوا، آپ سچی گتے بنے ہوئے نہیں ہیں، کسی اور چیز کے گتے بنے ہوئے ہیں، اب تو اس بد نصیب کے زخم میں جان بھی نہیں رہی۔

زمرہ دلاور دیکھو، نعیم نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، زمرہ! اس طرف دیکھا، ایک لشکر آتا ہوا دکھائی دیا۔

اس نے کہا، شاید کوئی فوج آ رہی ہے۔  
نعیم نے کہا، وہ ہمارا ہی فوج آ رہی ہے، میں ہومان سے چندا نہیں کرنے کے لئے فوج سے آگے نکل آیا تھا۔  
زمرہ نے کہا، آپ شہر میں بیٹھا یہ واقعہ ملت آجائے۔  
اس وقت میرا شہزادہ جمال ہے، میں پھر آؤں گا، مرس کے دل میں میرے متعلق شاید غلطی پیدا ہو گئی ہے، تم اسے جا کر تسلی دو، مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ اس قدر زبردل کی مالک ہے، اسے اطمینان دلاؤ کہ میں ضرور آؤں گا، میں اس کے دل کی کیفیت سے واقف ہوں۔

زمرہ نے جواب دیا، جہاں تک باتوں کا تعلق ہے، میں اسے پہلے ہی تسلی دیا کرتی ہوں، لیکن اب شاید وہ میری باتوں کا یقین نہ کرے، کاش آپ نے اپنے منہ سے کسی ایک لفظ ہی کہہ دیا ہوتا، اب اگر آپ اس کے

لئے کوئی ٹھکانہ دے سکیں تو شاید اس کی تسلی کر سکیں۔  
نعیم نے ایک لمحہ کے لئے سوچا اور سہمے سے رومال نکال کر زمرہ کو پیش کیا اور کہا:

یہ اسے دے دینا!  
بستی کے لوگ فوج کی آمد سے باخبر ہو کر بدحواسی میں ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں، نعیم نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اپنی بتائی کوئی خطے کی بات نہیں، وہہ طہین ہو کر نعیم کے گرد و خیز ہو گئے، نعیم گھوڑے سے اتار کر ایک سے بے فکر ہوا، اسنے میں فوج بستی کے قریب آگئی، اخوت اسلام کا رشتہ عجیب تھا، یہ لوگ نعیم کے ساتھ اسلامی فوج کے استقبال کے لئے نکلے، نعیم نے سپہ سالار سے ان کا تعارف کرایا، فوج کے عزائم سے واقف ہو کر چند لوگوں نے جہاد پر جانے کی خواہش ظاہر کی، سپہ سالار نے انہیں فوراً تیار ہوجانے کا حکم دیا، ان سب لوگوں میں سے زیادہ بے تابی ظاہر کرنے والا مرس کا ایک بچا پرک تھا، جوانی زندگی کی پچاس بہاریں دیکھنے کے باوجود بیٹل اور خود اعتماد تھا، ان لوگوں کو تیار کی کاموقع دینے کے لئے فوج کو کچھ دور قیام کا حکم لیا۔

ایک ساعت کے بعد انہیں آدی تیار ہو گئے اور فوج کو آگے بڑھنے کا حکم ہوا، بستی کی عورتیں فوج کے کوچ کا منظر دیکھنے کے لئے ایک پہاڑی پر جمع ہو گئیں، نعیم سے آگے ہر اول کی رضائی کر رہا تھا، مرس اور زمرہ عورتوں سے الگ اور دریا گزر سے ذرا زیادہ قریب کھڑی آپس میں باتیں کر رہی تھیں، مرس کے ہاتھ میں نعیم کا رومال تھا۔

زمرہ نے نعیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔  
مرس تمہارا شہزادہ کوچے شہزادہ نکلا!  
مرس نے جواب دیا، کاش وہ میرا ہو۔  
تمہیں اب بھی یقین نہیں آتا؟

یقین آتا بھی ہے اور نہیں بھی، جب مایوسی کی گھٹائیں ایک بار امید کا چراغ بجھا دیتی ہیں تو پھر اس کو

روشن کرنا بہت مشکل ہوجاتا ہے، اگرچہ پوچھو تو مجھے تمہاری باتوں کا پورا پورا یقین نہیں آتا، زمرہ کوچ کو تم مجھ سے مذاق تو نہیں کر رہی؟

نہیں زمرہ فوج تمہارے کھانا؟  
تمہیں کس قسم پر اعتبار آئے گا؟  
تم پہلے شہزادے کی قسم کھاؤ۔  
کون سے بھڑا دے گی؟  
ہومان کی!  
تمہیں کس نے بتایا کہ وہ میرا شہزادہ ہے؟  
تم نے۔  
کب؟

اس دن جب وہ پہچے کے شکار سے واپس ہو کر آیا تھا اور تم نے ساری بات آنکھوں میں کانٹی تھی۔  
اس سے تم نے کیا اندازہ لگایا؟  
زمرہ! بھلا تم مجھ سے کیا چاہتی تھی، مجھ پر بھی ایسا وقت گزر چکا ہے، تمہیں یاد نہیں رہا کہ وہ بھی زخمی ہو کر آئے تھے۔

اچھا تو اگر میں ان کی قسم کھاؤں تو تمہیں یقین آجائے؟  
شاید آجائے۔  
اچھا میں ہومان کی قسم کھاتی ہوں کہ میں مذاق نہیں کرتی۔

زمرہ، زمرہ، مرس نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا، اگر تم مجھ سے بار بار تسلی نہ دیتیں تو شاید میں مر گئی ہوتی، تم نے ان سے یہ کیوں نہ پوچھا کہ کب آئیں گے؟

وہ بہت جلد آئیں گے، اگر جلد آئیں گے تو.....!  
تو؟ مرس نے بدحواس ہو کر پوچھا۔  
زمرہ نے شرما تے ہوئے کہا، تو میں تمہارے بھائی کو انہیں لانے کے لئے بھیج دوں گی۔

☆.....☆.....☆  
چھ ماہ گزر گئے، نعیم نے کہا، اس دوران میں تمہیں

نزاع کو قتل کر کے ترکستان کی بغاوت کی آگ بہت حد تک ٹھنڈی کر چکا تھا، نزاع کا زبردست حلیف شاہ جرجان بھی قتل ہو چکا تھا، اس ہم سے فارغ ہونے کے بعد قتیہ سعد کے بقیہ علاقوں کو فتح کرتا ہوا سیستان تک جا پہنچا، وہاں سے شمال کی طرف لوٹا اور خوارزم جا پہنچا، شاہ خوارزم نے جزیہ ادا کرنے کا وعدہ کر کے صلح کر لی، خوارزم میں جرجی کے اہل سمرقند عہد شکنی کر کے بغاوت کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

قتیہ فوج کے چند دستوں کے ساتھ بیلخار کرتا ہوا سمرقند پہنچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا، یہ شہر محفوظ فیصل اور قلعة کی مضبوطی کے لحاظ سے بخارا سے کم نہ تھا، قتیہ نے نہایت اطمینان سے محاصرہ تین رکھا، تین مہینوں کے بعد شاہ رقتہ سعد کی درخواست کی، جواب میں قتیہ نے صلح کی شرائط لکھ بھیجیں، بادشاہ نے یہ شرائط منظور کر لیں اور شہر کے دروازے کھول دیئے گئے۔

سمرقند کے ایک منم خانے میں ایک بہت کا بہت احترام کیا جاتا تھا، اس کے متعلق ہوشیار تھا کہ جو شخص اسے ہاتھ لگاتا ہے، فوراً ہلاک ہو جاتا ہے، قتیہ اس منم خانے میں داخل ہوا اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرنے کے بعد ایک ضرب سے اس خوفناک جسمے کے ٹکڑے اڑا دیئے، اس بت کے شگم سے ۵۰ ہزار مشتاق سونا برآمد ہوا، قتیہ کی جرأت دیکھ کر اور اسے اس مقدس دیوتا کے غضب سے محفوظ پاکر سمرقند کے بے شمار لوگوں نے کلہ تو حید چڑھ لیا، قتیہ بن مسلم اپنی فوجات اور شہرت کی آخری حدود تک پہنچ چکا تھا، ۹۵ھ میں اس نے فرغانہ کا رخ کیا اور بہت سے شہر فتح کئے، اس کے بعد وہ اسلامی پرچم اُٹھاتا ہوا کاشغر کا جا پہنچا، آگے ملکات چین کی حدود میں۔

قتیہ کاشغر سے چین کے شمال مغربی سرحد پر حملے کی تیاری کرنے لگا، شاہ چین نے قتیہ کے غزائے سے باخبر ہو کر اس کی پاس اپنا بیٹا بھیجا اور سب کی شرائط طے کرنے کے لئے مسلمانوں کی ایک سفارت طلب کی، سفارت

رضعت کرتا جا چکے ہیں، وہ آپ کے ملک اور قوم کے متعلق بھی کچھ جانتا جا چکے ہیں۔

نعم نے اپنی تلوار اور باری کو پیش کرتے ہوئے کہا: اے بے جاؤ، مجھے تمہارے بادشاہ کے ہر سوال کا جواب دے گی۔

آپ کی تلوار اور باری نے حیران ہو کر کہا۔ ہاں، اپنے بادشاہ سے کہو کہ اس تلوار کی دھار پر ہماری قوم کی تمام داستان لکھی ہوئی ہے اور اسے یہ بھی بتاؤ کہ ہم اس کے تمام خزانوں کو کچھلوں کے گھوڑوں سے اڑنے والی کرکے برابر بھیجیں گئے۔

درباری نے نام ہو کر کہا: جہاں پناہ کا مستحق کو پاک ناراض کرنا نہیں، وہ آپ کی جرأت کا اعتراف کرتے ہیں، آپ ایک بار ملتا کرکریں، مجھے یقین ہے کہ اس ملاقات کے نتائج خوش گوار ہوں گے۔

بمیرہ نے نعم نے عربی زبان میں کہا: ہمیں بادشاہ کو ایک موقع دینا چاہئے، آپ جا کر بیٹھ کریں!

نعم نے جواب دیا، آپ مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہیں۔

میں آپ کو اس لئے بھیج رہا ہوں کہ آپ کی زبان اور گوار دونوں بہت خیر ہیں، آپ مجھ سے موثر گفتگو کر سکیں گے۔

نعم میں سن کر اٹھا اور درباری کے ساتھ ہولیا۔

دربار میں داخل ہونے سے پہلے دروازہ پر ایک شاہی غلام سنہری پشتی میں ایک زکریہ جبر نے کرا حاضر ہوا لیکن نعم نے اسے پہننے سے انکار کر دیا۔

درباری نے کہا: آپ کی فیصل بہت پرانی ہے، آپ بادشاہ کے دربار میں جا رہے ہیں، نیچے نے جواب دیا: تمہارے فیصلے لباس تمہیں عہدوں کے دربار میں دیکھنا ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں لیکن تم مجھ کو کیری یہ پتلی پرانی قمیض مجھے تمہارے بادشاہ کے سامنے گردن جھکانے کی اجازت نہیں دے گی۔

نعم کا مونہ اور گھر دے چڑے کا جوتا گرد آلود تھا، ایک خاتم نے جبک کرا دے دیکھی کپڑے کے ساتھ صاف کرنا چاہا، نعم نے اسے بازو سے چکر مارا پراٹھا اور کچھ کر بفرقا کے چل دیا۔

شاہ چین اپنی ملکہ کے ساتھ ایک سنہری تخت پر بیٹھا ہوا تھا، اس کے زرد چہرے پر جھرمبیاں پڑی ہوئی تھیں، ملکہ بھی اگرچہ ادھیڑ عمر کی لیکن اس کا سڈول چہرہ گوری ہوئی جوانی کے سن بہار کا پتہ دے رہا تھا، وہ فرغانہ کے شاہی کمرانے کے متعلق بھی کچھ اوس کے چہرے کے نفوس پہنچی عورتوں کی نسبت ذرا سمجھے تھے، دلی عہد گنگے

میں جواہرات کی ایک قمیض تھیں مالا پہننے ہوئے تھا، بادشاہ کے بائیں جانب چند لوٹیاں شراب کے جام اور صراحیاں لٹکے ہوئی تھیں، ان کے درمیان سن آراء ایک پرانی لوٹھی لٹکی تھی دشابت سے دوسری لوٹھیاں سے ممتاز نظر آتی تھی، اس کے لیے بے سنہری بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے، سر پر سبز رنگ کا ایک رومال تھا، وہ سیاہ رنگ کی ایک قمیض پہنے ہوئے تھے، نیچے نیلے رنگ کا کھلا جاچا تھا، حسن آراء باقی تمام عورتوں سے بلند قامت تھی۔

نعم ایک فاتح کی طرح دربار میں داخل ہوا، بادشاہ اور درباریوں کو پاک تھا، درباری اور اسلام شہر تھا۔

بادشاہ نے اپنے درباریوں کی طرف اور درباریوں نے بادشاہ کی طرف دیکھا، نعم نے سلام کا جواب نہ پا کر بادشاہ کے چہرے پر ایک گہری دھکا ڈالی، بادشاہ نے مجاہد کی نظر لیکن تاب نہ لا کر انھیں جھکا لیں، وہ بلدیائی جگہ سے اٹھا اور اس نے نعم کی طرف ہاتھ بڑھایا، نعم اس کے ساتھ صحافت کر کے اس کے اشارے سے ایک خانی کرسی پر بیٹھ گیا۔

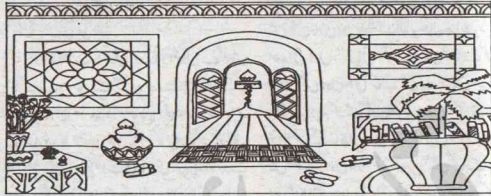
بادشاہ نے اپنی ملکہ کی طرف دیکھا اور تاری زبان میں کہا: مجھے یہ لوگ بہت دلچسپ معلوم ہوتے ہیں، یہ ہمارا ملک فتح کرنے آئے ہیں، وہ ان کا لباس تو دیکھو!

اپریل 2012ء





# کٹھن ہیں راہیں ویران تو نہیں.....



## بنت مولانا عبدالحجیدؒ

قسط نمبر 4

مولانا جناب اس شخص کو جانا ہوا دیکھتے رہے جو انہیں برسر عام جنگی دے کر گیا تھا، وہ جانتے تھے کہ مرزا کی کینٹی انہیں اس کی حال میں جیتے نہیں دے گی، وہ دھتے سے مسکراتے اور بولے:

غرق ہونے کیلئے موجوں سے ٹکراتا ہوں میں  
طوفان سے کھیلتا ہوں اور زندگی کو پاتا ہوں میں  
اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد میں آ بیٹھے، کھانے کے بعد ان کے ایک ساتھی نے کہا:

مولانا صاحب! کیا آپ ہمیں بتائیں گے کہ یہ کون لوگ ہیں؟

بھائی یہ لوگ قادیانی اور مرزا ہیں، مرزا غلام احمد کے بچہ و کار، مرزا غلام احمد کو کون تھا؟ عارف نے انہیں جیسے سوال کیا۔

تجھیں نہیں معلوم..... تو چلو جاتا ہوں، مولانا جناب سیدہ سے ہو کر بیٹھ گئے اور سب ان کی طرف متوجہ ہوئے، وہ دھتے سمجھے میں بولے۔

مرزا غلام احمد 1839ء میں ہندوستان کے قصبہ قادیان میں جنم پایا اور 1857ء میں جب محبت وطن عناصر نے انگریزوں کے خلاف جنگ لڑی تو مرزا کے

دیکھا اور وہ اپنا سامان لے کر روہنگی، جب قیوم دور چلا گیا تو وہ اپنا سب ہو کر واپس مڑی، اس کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ اسے مرگوں ہو کر چلنا پڑا۔

رات کے وقت قیوم اپنے بستر پر لیٹا سونے کی ناکام کوشش کر رہا تھا، اس کے سامنے گہری نیند سو رہے تھے، کمرے میں بہت سی شمعیں جل رہی تھیں، دن کے واقعات بار بار دماغ میں آ کر اسے پریشان کر رہے تھے، حسن آراء کے تصور سے اس کے خیالات کی پرواز اسے بار بار ترنگ تک لے جاتی تھی، ان دونوں کی صورت میں بہت حد تک مناسبت تھی، لیکن فرق صرف اتنا تھا کہ حسن آراء مسین تھی اور اسے اپنے حسن کا احساس بھی تھا، یہ احساس اس خطرناک حد تک غالب آ چکا تھا کہ وہ اپنے حسن سے پورا فائدہ اٹھانے کی خواہش میں پاکیزگی اور معصومیت سے محروم ہو چکی تھی، اس کی شکل و صورت میں سادگی کے بجائے تصنع کا پہلو غالب نظر آتا تھا، اس کے برعکس مرگ حسن فطرت کی ایک سادہ معصوم اور غیر فانی تصویر تھی، نرس سے آخری بار رخصت ہونے کا منظر اسے بار بار یاد آتا تھا، قیوم پر جو بچہ مرگس ظاہر کر چکی تھی اسے بھولنا نہیں تھا، اسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ مرگس کے معصوم دل کی گہرائیوں میں بے پناہ محبت کا طوفان پیدا کر چکا ہے، کڑشہ چند بیٹیوں میں اس نے کئی بار مرگس کے پاس جانے کا وعدہ پورا کرنے کا ارادہ کیا لیکن یہ ارادہ بے بار بار اس کی پچھلادان دلوں میں دب کر رہ جاتے تھے، صرف ایک ہی مہم کا دور بار بار دھول دیتی اور قیوم پر بھی مہم کی آخری مہم پڑا اور مرگس کے پاس جانے کا ارادہ کسی اور رات پر ملوثی کر دیتا تھا لیکن اسے بے نیازی کی جبر نفطہ بھی نہ تھی، اس کی حالت اس سفر کی آخری جگہ تک پہنچ گئی تھی، اس نے اپنے زوردار کی قیمتی اور ضروری چیزیں ڈاؤنوں میں بند کر کے ایک ٹرک پر ڈالیں ہو جانے کے کہنا تو ڈرنا سنا تھا وہاں خود بخود زین پر بیٹھ کر قہر تھی کہ آگے بڑھنے لگے، قیوم کے لئے زینچا کی موت اور نذرنا



پھر جوڑ چڑھا تو کہنے لگا کہ میں بنی اللہ خاتم الخلفاء  
اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا یا دوسواں، اسی طرح  
”عاشیہ خدیجہ کلثومیہ“ میں لکھا ہے کہ میں چینی سے  
بنجانب میں آیا ہوں اور ”تہذیبۃ الانبیاء“ میں لکھا ہے کہ  
میں رمل فارسی ہوں اور ”نسائے رجال من فارس“ کا  
مصدق ہوں، ”زین القلوب“ میں لکھا ہے کہ میں  
برائے مغل ہوں، اسی کتاب میں ہے کہ میں سید ہوں،  
بھکی کہہ بیٹھا کہ میں جن مرکب ہوں، ”نقی بنی فارس،  
میں فاطمہ کے خاندان سے مل کر بنا ہوں، لکھی کہہ دیا کہ  
بنی فارس اور ”تہذیبۃ الانبیاء“ میں لکھا ہے کہ میں  
یہود کا اپنی ہوں، ”دافع البلاء“ میں لکھا ہے کہ میں  
حسین سے بہتر ہوں اور.....

اپنے ساتھی کی بات سن کر مولانا جناب فاضل دینی، پھر کہنے لگے، ارے ابھی تو شروعات ہوئی تھی، اس کے بعد سے تو پھر گویا کہاں کہاں اور نزول و کثرت کا یہ سلسلہ شروع ہو گیا، پھر اس نے علی الاعلان کہا شروع کر دیا کہ میں مہدی ہوں، میں حارث و مددگار مہدی ہوں، میں ملہم ہوں، میں شفیع ہوں، میں مسیح موعود سے بہتر ہوں، میں مرید بھی ہوں اور وسیلہ بھی ہوں، میں

ہوں، میں خدا کا باپ ہوں، میں خدا کی بیوی ہوں، میں معجزی اور میت ہوں، میں خالق ہوں، میں تمام انسانوں کو نجات دینے والا ہوں، میں رد گرد پال ہوں، میں کرشن ہوں، میں اتین الملک جے سنگھ بہادر ہوں، میں کرم خاکی ہوں۔

استغفر اللہ، استغفر اللہ!! سب نے کاٹوں تک  
 ہاتھ اٹھائے اور سب حیرت و استحباب کا بت بنے مولانا  
 جناب کو کھیر پھرتے تھے، عاقل نے تو مولانا جناب کے  
 ہاتھ چوم لے جو اتنے بڑے فتنے سے آگاہی کا سبب  
 بنے تھے۔  
 بس دوستو! کوشش کرو کہ اس فتنے کی سرکوبی کے  
 لئے جان، مال و عزت سب کچھ قربان کر دو، مگر ختم نہ  
 ہو راج نہ آئے دو۔

ان شاء اللہ! بس نے یک زبان ہو کر کہا۔  
 سب بے زور و غیرہ لگا کر آرام کی غرض سے لیٹ  
 گئے، مولانا جب وضو کرنے کے لئے اٹھ کر گئے،  
 جب وضو سے فارغ ہو کر محکمہ میں پہنچے تو کاغذ کا  
 ایک گولہ ان کی کمر پکڑ کر لگا، انہوں نے جب کمر اسے  
 اٹھایا اور ادھر ادھر دیکھا، وہاں کوئی نہ تھا، وہ اسے کھول  
 کر بڑھتے چلے گئے۔

کھانا تھا۔ محترم!! آپ شاید ہمیں نہیں جانتے، اسی لئے ہمارے خلاف اقدام کی تیاری کر رہے ہیں، ہم جو ہیں، جیسے ہیں، ہمیں معلوم ہے، آپ کو کوئی ضرورت نہیں کہ لوگوں کو اس سے آگاہ کر دیں، ہم آپ کو ارادے دے رہے ہیں کہ اپنے ارادے سے باز آ جائیں اور دودھ کے اندازہ ندرے شجر چھوڑ کر چلے جائیں۔ ورنہ پھر نہ کہنا کہ خیر نہ ہوئی۔

والسلام

مرزا احمد

خط پڑھ کر انہوں نے جیب میں ڈالا اور بارگاہِ الہی میں دستِ بدعا ہو گئے، وہ اپنے رب سے مشورہ کرنا

☆.....☆.....☆

منہل نے بے جی سے فون پر بات کر لی تھی کہ ان کے محلے میں ایک اچھی خاتون رہتی ہیں اور وہ عاشق یا آسانی کا رشتہ کرنا چاہتی ہیں، اگر اجازت ہو تو میں دونوں انہیں دکھا دوں۔

بے جی نے اجازت دی تو منہل نے راحت آنٹی کو  
فون کر کے آنے کا کہہ دیا۔

بچپن! تم دونوں ہی ذرا اپنا حلیہ سدھار لینا اور وہاں آئیائی تم ادب آداب سے رہنا، ایسا نہ ہو کہ تم ان کے

ان کی بات سن کر دونوں ہی شرما گئیں۔

اگلے دن نائٹ ڈنر پر راحت آغنی نے آنا تھا، عابش اور آیانی بڑے رکھ رکھاؤ سے تیار ہونے میں مصروف ہو گئیں۔

آہم..... آہم..... آہم..... ارقم نے بھی تنگ  
کرنے کی ذمہ داری لے رکھی تھی۔

آیانی آپنی آپ ایسی لگ رہی ہیں، جیسے چاندنی رات.....

اوہو!! ارم کا جملہ نکل ہونے سے پہلے ہی وہ خوشی سے اچھل دی کہ اس نے بھی تعریف کی۔

ارے پورا تو کس.....!! جیسے چاندنی رات میں  
ڈر کیولا نمودار ہو گیا ہو۔

آیانی نے مسکارا برش اٹھا کر آنکھوں کی پلکوں پر

لگ رہا ہے کیا؟

مہی کی نانو لگ رہی ہیں۔ اگر آغٹی کو آپ دونوں پسند

نے حیرت سے پوچھا۔

نام تو بہت شگفتہ اور شائستہ سا ہے، راحت آنٹی پوچھا۔  
نے کہا۔

ارے.....!! یہ ایسے نہیں ٹشو پیر سے صاف کریں،

کی ارقم سے نوک جھونک جاری تھی کہ منہل نے آواز دی،

وہ دونوں شرمائی لجائی ہوئی اندر لیں۔

آئی نہیں آنیاں لہو..... آیالی نے اس کے کان

وَسَلِّمُ السَّلَامَ..... آؤ، آؤ بیٹا، بیٹھو یہاں..... ماشاء اللہ

کیسے؟ آج آج کے آئینہ دنیا کی حالت آگاہی

یوں کہ غور و فکر کر رہے تھے، اس لئے ان کا یہ جھڑپ

میر..... میر تو..... آب..... نے تو کہا تھا کہ ساری

آمانی کے کہنے پر عابش نے اس کے ماؤں پر ٹھوکر

اف.....!! عابش.....!! انسان بنو!! آیانی نے

راحت آنٹی بڑی عجیب نظروں سے اسے دیکھنے

طبیعت کیسی ہے..... کراچی سے آئی ہونا اس لئے پوچھا

ٹھیک ہیں ہم آئی.....! آپ سنائیں کیسی ہیں؟

اللہ کا شکر ہے، کیا نام ہے آپ کا بیٹا؟

آیاتی ہیں۔



خطا ہوئی ہم سے جو تیری محفل میں درمیان میں آکر بیٹھے۔  
ان کے جاتے ہی منہل نے بے جی کوفن کیا اور انہیں تمام منہرجاں سے آگاہ کیا، وہ اب آئی اور عاشق سے کچھ منہ نہیں چاہتی تھی، بے جی نے کہا کہ وہ کل ہی حلال کو انہیں لا بیٹھ دیں گی، تاکہ انہیں سلیقہ اور تہذیب سکھائی جائے۔

☆☆☆☆

علاقے میں مرزا بی آگ چمپلی ہی چلی جا رہی تھی، اصر مولانا جن صاحب کے ساتھیوں کو آئے روز سکیاں ملنے لگیں، وہ اس صورت سے پریشان تھے، اہل علاقہ بھی حیران تھے کہ کس کی بات مائیں، ایک طرف مفاد تھا تو دوسری طرف زندگی و ایمان کا سوال تھا، مرزا کی ایک بی بی اعلان ہوا کہ ”رات وہی آئی ہے کہ جوتہا میری بات نہ مانے، اسے جلا کر بھس کر دو“ تو علاقے کا ایک شخص دوڑتا ہوا مسجد آیا۔

مولیٰ صاحب..... مولیٰ صاحب!! تو وہی کو مانتا ہے یا نہیں؟

بالکل میرے بھائی.....!! میں قنات ہوں، لیکن صرف انبیاء کے لئے مولانا جن صاحب نے کہا۔  
عجیب بات کرتے ہوئے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس سے کہا کہ وہ فرشتے جی کے علاوہ کو بھی بھیج دے، وہ تو جو چاہے کرتا ہے، آدھی سے نہ پڑ پے کہا۔

بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ ہے، لیکن کسی کے پاس فرشتے آئے تو کیا وہ نبی بن جائے گا؟ حالانکہ نبی علیہ السلام نے صاف ارشاد فرمایا: انا خاتم النبیین لانی بعدی۔  
اب بتاؤ کہ نبی علیہ السلام کو کیا ہوتے یا نہیں؟؟  
مولانا نے کہا تو آدمی خاموشی سے سرگراں کو دیکھنے لگا۔  
جن صاحب صاحب اس کی کیفیت سمجھ گئے اور کہا..... میرے بھائی نہیں ہیں، لیکن وہ ہو گیا ہے تاکہ مرزا کو وہی آتی تھی.....  
تو اب ذرا میری بات سنو اس کی وہی کسی قسم کی تھی، سن

کری سمجھ جائے گا کہ وہ پرلے درپے کا جھوٹا اور بدترین آدمی تھا، وہ ہوتا ہے کہ کچھ بڑی پانچ فرشتے لاتے تھے، جن میں سے ایک کا نام خیر بنی، دوسرا شریعی، تیسرا حفظہ، چوتھا مصلح اور لال پڑا نچاں بی بی تھی، چاروں فرشتوں کو اس پر انبیاء پر وہی قوت جبرئیل علیہ السلام لائے رہے اور اس پر پانچ بے خبر فرشتے وہی لائے جن کا نام بھی فرشتوں کے نام سے نہیں ملتا۔

مولانا جن صاحب کی بلند آواز کی وجہ سے آس پاس کے لوگ بھی آگئے اور شوق سے سننے لگے۔

مولانا جن صاحب وہ بارہ گویا ہوئے، دیکھو اگر ہم تسلیم کر بھی لیں کہ مرزا صاحب وہی تھے تو مرزا کی وہی دور دراز یہ 42 برس بنتا ہے، چمپلی وہی انہیں 1865ء میں آئی، 1901ء میں مرزا صاحب نے باقاعدہ نبوت کا دعویٰ کیا اور 1908ء میں مرزا کا انتقال ہو گیا تو گویا وہی کے دوادوار ہوئے 35 برس دعویٰ نبوت سے پہلے اور 7 برس دعوائے نبوت کے بعد، لیکن یہ امر غور طلب ہے کہ 1901ء سے پہلے مرزا صاحب کے وہی عقائد تھے جو ایک عالم مسلمان کے ہوتے ہیں، پھر 1901ء کے بعد ان کے عقائد یکسر بدل گئے، پہلے وہ ختم نبوت کے قائل تھے، پھر جبرائیل نبوت کے قائل ہو گئے، پہلے انبیاء معزل ہیں، پھر جبرائیل وہی کے قائل ہو گئے، پہلے حیات عیسیٰ کے قائل تھے، پھر وفات عیسیٰ کے قائل ہو گئے، یہ بہت عجیب بات ہے کہ مرزا صاحب کی وہی کا پہلا دور 35 برس اور دوسرا دور 7 برس کا ہے، مجموعی طور پر 42 برس وہی نازل ہوئی رہی، نبوت سے پہلے بھی 35 برس وہی مسلسل آتی رہی، پانچ فرشتے وہی لاتے رہے تھے اور مرزا صاحب نے سب فرشتوں کو دیانت دار کہا ہے، ان سے وہی کہیں راستے میں گم بھی نہیں ہوئی تو آخر 35 برس بعد مرزا صاحب کے عقائد کب سے تبدیل ہو گئے؟؟؟ مولانا

جن صاحب خاموش ہوئے تو سب مرلا نے گئے۔  
پھر مرزا کے بیٹے بشیر الدین محمود نے لکھا کہ 1901ء سے پہلے کے وہی تمام حوالے جن میں میرے والد نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے، وہ سب منسوخ ہیں اور ان سے حجت چکرائی غلط ہے، تو اب قابل توجہ بات یہ ہے کہ مدعی نبوت مرزا صاحب خود ہیں، ان کے 35 سالہ 2 تہائی سے زائد دن وہی کو انھیں منسوخ کر رہے جو حال نبوت ہی نہیں، اگر بالفرض مرزا صاحب کی وہی چمپلی تھی تو اسے منسوخ کرنے کا حق مرزا اس کے بیٹے کو کس نے دیا؟

دیکھو بھائی!! مرزا غلام احمد کی وہی اور الہامات کا غیر جانب دارانہ طور پر جائزہ لیا جائے تو ایک عالم شخص بھی واضح رائے قائم کر سکتا ہے، وہی تو ہمیشہ نبی زبان میں آتی ہے جبکہ مرزا کے الہامات تو غیر زبان میں آتے رہے، مرزا صاحب تو پتھانی تھے، لیکن ان کی وہی انگریزی میں بھی آئی، خود براہین احمدیہ میں مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ”میں انگریزی سے بالکل بے بہرہ ہوں، تاہم اللہ تعالیٰ نے بعض چیز کو یوں کو بطور مہبت انگریزی میں بھیج کر ظاہر فرمایا ہے اور وہ ہے:

I love you, I am with you,  
yes. I am happy, life of pain, I  
shall love you, I Can have I will  
do,.... God is Coming by his  
army, He is with you to Kill  
enemy.

مولانا جن صاحب ذرا کے تو محفل کثرت حضرت ابن گنی، سب ہی مرزا صاحب کی بیوقوفوں پر ہنس رہے تھے، ساتھ ساتھ اہل علم اور انجان لوگوں پر واقعیت کے دروازے کھل رہے تھے۔

مولانا جن صاحب سگراتے ہوئے کھڑے ہوئے تو ایک آدمی نے ان کا دامن پکڑا اور بولا۔

صاحب!! ام کو ہور با تمں دی تاؤ۔  
اچھا بتاتا ہوں، لیکن ابھی میں مرزا کے دفتر جا رہا ہوں۔

مرزا کا دفتر؟؟؟ سب سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

ہاں، ہاں۔ مرزا کا دفتر..... وہ نامراد و ائم المرض تھا..... سو وہی قوت بیت اللہ جاتا تھا، جی کہ موت بھی بیت اللہ میں ہی آتی۔

ہی..... ہی..... ہی..... سب کی دہلی دہلی نبی امجری۔

ٹھیک ہے ٹھیک ہے ہم آپ سے اور با تمں سنیں گے، سب نے آواز سے کہا اور مولانا جن صاحب مسکرا دیے۔

☆☆☆☆  
آئیانی اور عائشہ حیران آئی تھی کہ منہل پھوپھو ان سے ٹھیک سے بات کیوں نہیں کر رہی، کس جو بات پوچھی اس کا جواب دے رہا، ورنہ خاموش رہتی۔

یار عائشہ تم ہی بتاؤ پھوپھو آتی سمجھو کیوں ہو گئی ہیں، آئیانی نے مضبوطیت سے پوچھا۔

بس کر آئیانی! تم نے کمر تڑپے کئے ہیں مہمانوں کے سامنے، پھوپھو کو کئی شرمندگی ہوئی ہے، عائشہ نے کہا۔

لو بھلا میں نے کون سی بات کی تھی، خود ہی تو کہا تھا کہ آج کل لوگ معمول لوگوں کو پسند کرتے ہیں، اس لئے کوئی چالاکی دیکھنے کی کوشش نہ کرنا تو میں نے بھی معصومیت سے سب سمجھ کر کہا اور کیا۔

شکر خدا کا! کہ تم نے اپنی چالاکی نہیں دکھائی، ورنہ رہے سبے گل کی گل کلاتے۔

رہنے دو!! تو ہی سلیقہ بی بی بن کر سامنے تھی تھی نا جو مجھ پر ناراض ہو رہی ہو، آئیانی نے ہنسی کا نظارہ کیا۔

دوسرے دن وہ سو کر اٹھی تو کھر میں حلال کو کچکر حیران ہوئے بغیر نہ رہی، حلال نے ان سے اپنا سامان

معمول کرخت آواز پر وہ دونوں ہی ہڑبڑا گئیں، آیانی کبیل کو پاؤں سے اچھال کر اس سے نکلی تو بے جی نے دوبارہ درس دینا شروع کر دیا۔

اچھوں والی حرکتیں تو جانی ہی نہیں ان سے، بس  
ستل تم لوگوں کی لڑکیوں جیسی ہے، ورنہ جانوروں والی  
کون سی صفت ہے جو تم میں نہیں ہے، ہر جگہ ناک کٹوا کر  
رکھی ہے، سلیقے سے بستر طے کرو، پھر نیچے آؤ، تم  
دونوں میں کام تقسیم کرتی ہوں۔

بے جی تو حکم صادر فرما کر چلی گئیں، جبکہ وہ آنکھیں  
اور منہ کھولے ایک دوسرے کو دیکھتی ہی رہ گئیں۔

آج دیکھو ذرا کہ سورج کس سمت سے نکلا ہے؟  
عابش نے کہا تو آیا ان کی کھڑکی کے پردے سرکا کر آسمان کی  
جانب دیکھ کر بولی۔

لسلی رکھو، ابھی قیامت نہیں آئی ہے، کیونکہ سورج  
وہیں ہے جہاں روزانہ ہوتا ہے، مجھے لگتا ہے کہ وہ والی  
آنٹی سی آئی اے سے تعلق رکھتی تھی اور انہیں ہم پر القاعدہ

میں ہونے کا شک ہو گیا ہے، ابھی تو جب سے ان سے ملاقات ہوئی ہے، ہمارا دور انحطاط شروع ہو گیا ہے، ہر کوئی ہمیں غصے سے دیکھ رہا ہے، لگتا ہے ہمارے جانے

وہ بھائی ہیں اچھا..... تمہاری سندھیں ہیں اور اطلاعات

عرض ہے کہ جس روز ہم کئے تھے، وہ بھی چلے گئے تھے

اور ابھی تک واپس نہیں آئے ہیں، عابث سے بھائی کی تو بین برداشت نہ ہوئی۔

پھر کیا مسئلہ ہے؟؟؟ تم یہ تحقیقات کرو، آسانی نہ کہا۔ میرے پاس ایجنسی کے کارندے نہیں ہیں کہ تحقیقات کروائی پھر ہوں، عابث نے کہا۔

پھر ایسا کرتے ہیں استخارہ کر کے سو جاتے ہیں  
 ہو سکتا ہے اللہ ہمیں خواب میں سب کچھ دکھا دے، آپانی  
 نے یہ کہہ کر کھل کھینچا اور اپنے اوپر تان لیا، وہ لیٹتے ہی لگو

اوہو!!! ہمیں تو بے جی نے بلایا تھا، وہ شیشا کرا چھلی  
اور کمرے سے نکل گئیں، انہیں ڈرتا تھا کہ بے جی کہیں اوپر  
نہ آجائیں۔

☆.....☆.....☆

تہا ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے مولانا جناب  
آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے، یکا یک ان کے لب ہلنے

قافلے والو! امیر کارواں  
 خطرے میں ہے  
 زندگی کو عافیت کا نام دینے سے ندیم

ملت بیضا! تیرا ہر اک  
نشان خطرے میں ہے  
کل جہاں روند ا گیا ختم نبوت کا مقام

ا. ب. خ. د. هـ. و. ز. ح. ط. ي. ك. ل. م. ن. س. ع. ف. ق. ك. خ. د. هـ. و. ز. ح. ط. ي. ك. ل. م. ن. س. ع. ف. ق.

خطرے میں ہے

ماہنامہ حب

خطرے میں ہے  
ہے کوئی جاننا جو خطرات کے احساس سے  
امن عالم سے کہے سارا جہاں

ہ چونک کر پیچھے مڑے تو عاکف بنجیدہ چہرے  
موجود تھا، پھر اس نے دھیمی آواز سے کہا۔

حق تو غالب ہو کر رہے گا، لیکن مجھے خطرہ ہے  
چمن میں آئے گی فصل

آپ نے کل جو مرزا پر نازل ہونے والی وجوہات میں وضاحت کی تھی اس نے ہم سب کے

بابِ جلدی ہمیں مزید آگاہ کریں۔  
نہیں.....!! میں چاہ رہا ہوں اسی شامیا۔  
امجد سے مناظرہ کروں، جہاں مسلمان اور

خوب عمدہ ترکیب ہے، اس سے قادیانیوں کی عیاں ہو جائے گی۔ پھر کب کی تیاری کریں؟؟

Courtesy





میں ایک بڑے کھلے گاؤں کے حساب سے ہر اسکول جانے والے لوگ بڑے کھلے کھلاتے ہیں اور ساتھی بچے کھرانے سے تعلق رکھتی ہوں، کھانا پینا اس ٹائمر میں گھر میں روزی کی فراہمی میرے باپ کے پاس پانچ سینٹیں گائے اور اچھی خاصی زمین میں ہی جس سے میرے باپ اور بھائی لے کاشت کرتے تھے، گودام، اناج سے اور برتن دودھ سے بھرے رہتے، شہر والوں کی طرح تعلیم نہیں تھی، لیکن دونوں بھائی اسکول میں بڑے ہونے تھے، پانچ جماعتیں تو میں پڑھتی تھی، پچیس اور پچھڑا چھڑا، ایک سو ایک تیار ہو گئی تھی اور گھر سنبھالنے والوں کوئی نفعہ نہیں ہے اسکول چھوڑا اور گھر کے کام کاج کرنے شروع

☆.....☆.....☆

.....(جاری ہے).....

نہیں تھا، عورت شہر کی ہو یا گاؤں کی، ہر جگہ اس کا مسٹر صرف یہ ہے، اسے بچہ بولنے کی اجازت ہوتی ہے، حق اٹھنے کی اور جب اسے استعمال کرتی ہے تو اس پر طرح طرح کے الزام لگتے شروع ہو جاتے ہیں، آپ بے سوچ رہے ہوں گے کہ ایک ان پڑھ عورت کو کتنی بڑی بات کس طرح بھیجی آئی تو پھر یہ بھی سمجھ لیں کہ انسانی شعور اور جبلت تو ایک ہوتی ہے، عورت ہر ایک جسم میں سرخ رنگ کا ہوتا ہے، امیر ہو یا غریب، موٹلی ماں یا چمکتی بن کر آئی تھی، اسے سارے داؤچ پڑا دیتے، میرے دونوں بھائی کھرے بھاگ گئے، پاؤں کا زخمی انھوں نے ہوا کیونکہ تنی ماں ایک بیٹے کی ماں بن گئی تھی، وارث پیدا ہو گیا تھا، اب میں تو اس کی نظر میں اور بھی غائب بن گئی، صبح اور اس وقت کھلیا گیا جب میرے ابا نے مجھے اپنے سنے سالے، یعنی میرے سوتیلے ماموں کے نکاح میں دینے کا فیصلہ کیا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کی پہلی بیوی دو بیٹے چھوڑ کر اس کے ظلم و ستم سے گھبرا کر گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے، میرے منہ میں تو یہ زہن نہ تھی کہ سالوں کی خدمتوں کا یہ صلہ تھا، وہیں دن میں بہت جگہ سوچا، لیکن مجھے خود شرم کی بہت پیدائش ہوئی، پھر خواص طور سے نافرمان ہوتے ہوئے بھی اللہ کا کفر اموش نہ کر کہ اپنی جان لینے والے اسے اللہ بھی راضی نہیں ہوتا، زندگی اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے اور اس پر صرف اس کا حق ہے، دو بیٹے ایک شوہر جس کے نزدیک بیوی پاؤں کی جوتی ہے، بچے جو ماں سے چھڑ کر اور باپ سے دور رہ کر ہر رشتے کو قبول سمجھے تھے، ان کی چٹنی چٹنی اور وحشت زدہ آنکھوں میں کسی کے رشتے کے لئے کوئی احرام نہ تھا، محبت تو بڑی بات ہے، اس کا تو شاید دور دور تک گزر نہ تھا۔

زندگی تو گزرا تھا، اس جنم سے نکل کر میں ایک دوسرے جنم میں آگئی، جہاں صرف پیٹ کا درد و دولت کی روٹی سے بھر جاتا تھا، سارا دن جانوروں کی طرح کام کرتی اور میرا درد کو شہر کی بات ہے بات باہر پیٹ سہا کرتی، اسے مارنے کے لئے کسی یہاں کی بھی ضرورت نہیں تھی، اس نے شاید بے سوچ رکھا تھا کہ عورت کو مارنا بیڑا نہ کرے فاضل میں داخل ہے۔

یہاں تک تو ٹھیک تھا، گاؤں کی ڈھیر سیسے چل رہی تھی، ہر چھپانے کو چھپتی تھی اور دولت کی روٹی کا بھی آسرا تھا، باپ نے پیٹ کر بھی نہ پوچھا تھا کہ اس کی بیٹی کس طرح زندگی گزار رہی ہے بلکہ جب سوتیلی ماں اپنے بھائی سے ملنے آتی تو ظلم و ستم میں اور اضافہ ہو جاتا، وہ اپنی دوسری بیٹی سے بھی ناگوار تھا، اور ہر طرح سے کوشش کرتی کہ زندگی کی زنجیر کو گھسے تنگ کر دے۔

شک کی بے بنیاد ادھی نے گھر سے بے گھر کر دیا، میرا چھوٹا بھائی جو گھر سے ناراض ہو کر چلا گیا تھا، ایک دن مجھ سے ملے آگیا، حال اسے بے حال مصیبتوں کے بوچھے سے پریشان، نہ گھر نہ کھانا، مجھے اس سے مل کر چٹنی چٹنی ہوئی، اس نے زیادہ دھمکی ہوا، اگر آج میری زندگی میں نہ بہت جگہ سوچا، لیکن مجھے خود شرم کی بہت پیدائش ہوئی، پھر خواص طور سے نافرمان ہوتے ہوئے بھی اللہ کا کفر اموش نہ کر کہ اپنی جان لینے والے اسے اللہ بھی راضی نہیں ہوتا، زندگی اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے اور اس پر صرف اس کا حق ہے، دو بیٹے ایک شوہر جس کے نزدیک بیوی پاؤں کی جوتی ہے، بچے جو ماں سے چھڑ کر اور باپ سے دور رہ کر ہر رشتے کو قبول سمجھے تھے، ان کی چٹنی چٹنی اور وحشت زدہ آنکھوں میں کسی کے رشتے کے لئے کوئی احرام نہ تھا، محبت تو بڑی بات ہے، اس کا تو شاید دور دور تک گزر نہ تھا۔

زندگی تو گزرا تھا، اس جنم سے نکل کر میں ایک

کھانا کھا گیا تھا۔

اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، پہلے تو میرے بال بچ کر اٹھے یہ سارے ہاتھ مارے اور پھر بھڑکے طلاق دے دی۔ طلاق، جین لفظ کیا تھے کوئی ہونی لگی تھی جس نے میرے نوٹے بچھوئے گھر کو بالکل بنی خاک کر دیا۔

میرا بھائی چپ چاپ دیکھتا رہا اور میرا گھر جل کر راکھ ہو گیا، جب کمان سے تھرکل جانے تو پھر واپس نہیں آتا ہے، دنیا کے بازار میں پھر آج تنہا اور اکیلی ہو گئی تھی۔

آتی خدمت اور فائدہ داری کا مجھے یہ صلہ ملا، یہ تین لفظ میرے لئے لعنت کا طوق بن گئے۔ بہتان اور تہمت کی سزا لگتی ہوئی ہے لیکن مجھ کو کیا ہوا بہتان ہی میرے لئے عذاب بن گیا۔

باپ کے گھر میں پہلے ہی میرے لئے جگہ نہ تھی، ٹھکانا کی ہوئی عورت یہیں کی نہیں رہتی، گھر کھانا ایک سواں تھا جس کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔

اپنا گاؤں ہی مجھے دکن نظر آنے لگا تھا، انسان تو انسان ہی تھا، کوئی ان کو چوں سے نہ لڑے لگتا تھا، جب اپنا شاخسی ساحتی ٹھکانے تو پھر کسی اور سے کیا شکایت، میں نے دھوکا کی گھڑی سر پر رکھی اور خود کو چادر کے حصا میں چھپا کر وہ گاؤں چھوڑ دیا، جہاں میرا کوئی بھی نہ تھا، ماں باپ نے بڑے پیار سے نام رکھا تھا، بخار، لیکن قسمت شاید میرے پاس سے روٹھ گئی تھی، اسے کیا آخر تھی اس کی قسمت تھی میں مل جانے کی۔

شہر میں آکر میں نے کتنے ہی دروازوں پر دستک دی، پھر شاید نصیب میں یہی لکھا ہوا تھا، یہاں بارپنے لئے "مائی" کا لفظ سنا تو بڑا عجیب لگا، لیکن خدا کا شکر کہ اس نے کام کاج کے لئے ہاتھ پاؤں دیئے ہیں، لیکن کام کاج کرکھانے سے کام کر لکھنا زیادہ بہتر تھا اور اب میں گھر میں کام کرنے والی، شاید ہر مای کی کہانی سے اب میں "مائی" بن گئی تھی، گھر گھر کام کرنے والی

بخار و ماس کے سمندر میں ڈوب گئی تھی، ہمیشہ کیلئے، میرے سارے خواب کبیر گئے تھے، مجھ و جان کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے بھی سخت کی ضرورت تھی، یہ باتیں لکھنے میں کتنی آسان یاد کرنے میں کتنی مشکل ہیں، قہقرو قہقرو زہر پینا اور پھر موت کا انتظار کرنا۔ مگر میری کہانی سنے سے شروع ہوئی!

گردش ملک مجھے کس جگہ سے آئی!

میں بد صورت تھی اور نہ بونٹی کے جس پر کوئی ترس کھائے، گاؤں کا کھانا یا جسم، چادر میں چھپا رہا، لیکن اس معاشرے میں عورت کے لئے اپنا آپ چھپانا سب سے مشکل ہے، اب مجھے احساس ہوا ہے کہ میرے اللہ نے عورت کے لئے پردے کا حکم عین دیا، ورنہ جب گاؤں میں استانی جی درس دیتیں اور بتاتی تھیں کہ مسلمان عورت کو کچھ جانے کا حکم صرف گھر کی چار دیواری میں ہے، اس گھر سے باہر اپنے آپ کو چھپانے بغیر نہیں نکلتا چاہئے۔

ان کی ایک بات مجھے یاد آتی ہے، انہوں نے کہا تھا۔ "عورت دنیا کی فتنی چیز ہے" اس نے اس کو چھپانے کی کوشش کی جانی ہے، کتنی ہی اور گہری بات تھی، واقعی..... عورت سامنے آ جاتی ہے تو جسم کے بیوپاری اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں تو لے لگتے ہیں، میں نے گاؤں سے نکل کر جس گھر میں سر چھپایا، وہ گھر امجد صاحب کا تھا۔

یہ بڑا سا گھر، بڑے بڑے کمرے اور دل کے بڑے لوگ، شاید میں وہیں زندگی گزار دیتی، کیونکہ مجھے ضرورت تھی کہ میری صرف سر چھپانے کے لئے گھر اور خنوا خانے کے لئے پرانے اترے ہوئے کپڑے اور باقی ساری خواہشات تو پوری تھیں میں اور اب میں ایک ماسی ہوں، گھر میں کام کرنے والی، شاید ہر مای کی کہانی یہی ہوتی ہوگی۔

☆☆☆☆☆



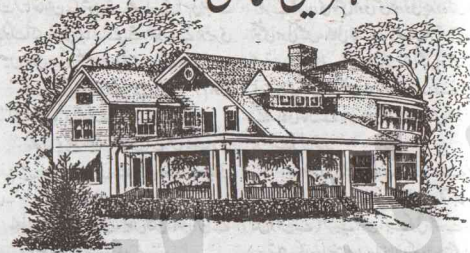
بیت-مف

”اوہو امی..... میں ابھی تو اسکول سے تھکی ہوئی آئی ہوں..... مجھ سے نہیں ہوتے یہ کام، یہ کہہ کر اس نے

میرے اللہ کیا ہوگا اس لڑکی کا.....!!!  
 امی میں سونے کے لئے جا رہی ہوں، جارحے تک

١٠٠

9 اپریل 2012ء



جائے اور پہلی کو زندہ درگور کر دیا جائے، یہی وجہ تھی کہ فہمیدہ آپا کی صورت تو آدھا تھا، انہیں اس بات کا شرم نہ تھا کہ جو شے پورے طور پر نبھی کی تھی، اب اس میں سے انہیں صرف ایک بے ضرر برکتا بڑے گا، بلکہ انہیں خطرہ یہ تھا کہ اب اس چیز میں ان کا حصہ سرے سے رہے گا ہی نہیں اور وہ پوری کی پوری اس کو کے حوالے کر دی جائے گی اور ایسا ہی ہوا، مگر حامد بھائی نے سب اعتراضات فہمیدہ آپا سے چھین کر ہی دلوں کے حوالے کر دیئے اور فہمیدہ آپا کی حیثیت یہ رہ گئی کہ کئی دلوں کی ماما بھی ان پر عبث ڈالے لگیں۔

ہمارے گھر پاس پاس تھے، جس طرح ہو سکتا، میں وقت نکال کر فہمیدہ آپا کے یہاں جاتی اور جواہری سیدی تجویز دیتے تھے، آئی، اس سے انہیں صبر دلانے کی کوشش کرتی، مگر کبھی مجھے اس کوشش میں کامیابی نہ ہوتی تھی، فہمیدہ آپا سیکسائیں برکتیں، میری باتیں سنی دیتیں اور آخر بڑے درد انگیز لہجے میں یہ کہہ کر بات ختم کر دیتیں کہ ”سبکی لٹی ای تم کیا جانو یہ دکھ کیا ہوتا ہے۔“ اور اس کے بعد میں بھی رونا شروع کر دیتی۔

ایک دن ای طرح میں فہمیدہ آپا کے گھر سے رو

فہمیدہ آپا کی ہچکچاہٹ کی طرح بند ہونے کا نام یہ نہ لیتیں، میں دیر تک انہیں چپ کرانے کی کوشش کرتی رہی، مگر جب کچھ بتے نہ دیکھا تو خود بھی رونا شروع کر دیا۔ ”کیا کر رہی تجاری۔“ میں نے دل میں سوچا۔ ”ان پر کچھ کلمہ تو نہیں توڑا گیا۔“ آخر انسان ہی ہیں، اپنی ہادویں پر دوتا تو آ جاتی ہے۔“

فہمیدہ آپا کی شادی کو ابھی تین سال ہی ہوئے تھے، مگر عمر سے حامد بھائی کو یک لخت ان میں ایسا ہیے خاص نظر آنے لگے، جو ان تین سالوں میں کبھی نظر نہ آتے، انہیں آئے دن ان سے کوئی نہ کوئی شکایت ہو رہی جاتی اور پھر یہ شکایتیں بڑھتے بڑھتے یہاں تک کہ ان کو خراشیکردن والی دھن لگنے لگے۔

میں کو ایک بھینچی کی موجودگی میں دوسری شادی کر لینا درحقیقت کوئی لکس بات نہیں کہ اسے بڑا ہی درد کا باعث سمجھا جائے، مگر جس چیز نے اسے واقعی درد کا بنادیا ہے، وہ یہ کہ مسلمان مرد بیویوں کے معاملے میں اسلامی عدل و انصاف کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ اب حالت یہ ہے کہ ایک کے بعد دوسری شادی کرنے کا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ ساری توجہ دوسری کی طرف پھیر دی

پر بکھر گئی، اس کی دوست کے دل پر چوٹ لگ چکی تھی اور یہ اس کی پہلی کشتی تھی۔

☆.....☆.....☆

### حمید اور مراد اور امیر

حضرت مقدمام بن معدیکرب سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس شہید کے چھ انعام ہیں۔

(۱) خون کا پیلا قطرہ مگر نہ ہی بخش دیا جاتا ہے اور جنت میں جواس کا ٹھکانا ہوتا ہے وہاں سے کھلیا جاتا ہے۔ (۲) اور قبر کے عذاب سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ (۳) اور وہ بڑی گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا۔ (جوسورچھو گئے جانے کے وقت لوگوں کی ہونگی)

(۴) اس کے سر پر عزت کا تاج رکھا جائے گا جس کو ایک ایک دنیا اور جو چھکشاں میں ہے، اس سب سے بہتر ہوگا۔

(۵) ۲۰ بہتر مومنین اس کے جوڑے کے لئے دی جائیں گی۔

(۶) ستر رشتہ داروں کے حق میں اس کی سزا ش قبول کی جائے گی۔

رمضان میں اور جمعہ کے دن مرنے والا حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ رمضان کے مہینے میں مردوں کے قبر کا عذاب اٹھایا جاتا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص جمعہ کے دن وفات پا گیا وہ عذاب قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن مرنے والے کو بھی اللہ تعالیٰ قبر کے کفر سے محفوظ رکھتا ہے۔

(انتخاب..... رومان جمیل، شادان لٹری)

بہت ڈانٹتے تھے، وہ کہاں منہ میں رکھتی ہوئی بولی تو وائیں نہیں پڑی، یہ میں نے بتائے ہیں، میں چھٹی والے دن بنا کر فریاد کرتی ہوں، تاکہ میری غیر موجودگی میں اس پر کام کا بوجھ نہ پڑے، اس نے مزے سے کہا تو مصباح پر گڑھوں پانی پڑ گیا۔ مصباح، ساری زندگی یہ نائیں ہماری خدمت کرتی رہیں، اب تو ان کا حق ہے کہ ہم انہیں آرام دیں، ان کی خدمت کریں، ویسے بھی تم جانتی ہو کہ ماں کا حق بہت بڑا ہے، لیکن وائیں پڑ جانے کے ساتھ اتنا وقت کہاں ملتا ہے، مصباح بات بتاتے ہوئے بولی۔ ارے بہت بہت وقت ہوتا ہے اگر..... ہم اپنا صحیح نظام الاوقات بنا دیں تو ہر کام کے لئے وقت نکل جاتا ہے، چوبیس گھنٹے میں بڑے تو نہیں ہیں، کتنا وقت ہم فضولیات، لغویات اور بیکاری کی شپ میں گزار دیتے ہیں، یہی وقت اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور والدین کی خدمت میں گزار دیں تو یہ لمحے ہمارے لئے قیمتی سرمایہ بن جائیں گے، وہ اس کے گھر کا جائزہ لینے لگی، جہاں ہر چیز ترتیب سے رکھی تھی اور اس گھر کی سربراہ عمر سے سوری نہیں، تو مصباح کے تصور میں پینے سے شراب اور ٹھکنے سے چوراہی اس کا ٹھکنے آتا تو مصباح کو اپنا آپ بہت چھوٹا سا لگا، وائیں واقعی بہت اچھی سے، گٹھن بھی اس کی تنگی بن جائے۔“ مصباح اسی کے اٹھنے کا وقت ہو گیا ہے، میں انہیں چائے دے کر آتی ہوں، یہ کہہ کر وائیں نے چائے کا کپ اٹھایا، ساتھ میں کچھ اور چیزیں اٹھائیں اور ماں کے کمرے کی طرف چل دی، وہ شرم سے پانی پانی ہو گئی، اسے وائیں کے سامنے اپنی ماں کے ساتھ کیا جانے والا سلوک یاد نہ لگا، وائیں وائیں آتی تو مصباح چائے کے لئے تیار کیا، ارے یہ کیا!! اسی سے نہیں ملو گی، وہ دیر ان وہ گئی، نہیں دوست ان شاء اللہ پھر ملوں گی، امی اکیلی ہیں، انہیں میری ضرورت ہے، وہ اس سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوئی تو ایک گہری سسکراہٹ وائیں کے چہرے



دور کرائی تو دیکھا کہ امی کے پاس ان کی پہلی لکائی بیٹھی ہیں، یہ خاتون بڑی بڑی بخت بی بی تھیں، راسخا ملانہ کی عزت کا تقاضا ان کے شوہر کا اسمہ ایسا کہ نام کی نسبت سے لوگ انہیں لکائی کہا کرتے تھے، انہوں نے جو میری آنکھیں ہوئی وہی دیکھیں تو بڑی بخت سے بولیں:

”کیوں بی بی کیا بات ہے، بڑی غصین معلوم ہوتی ہو“ امی ٹھٹھا سا سر ہل کر بولیں۔

”کچھ نہ پوچھو بہن، ہم بھی آج کل بہت دکھی ہو رہے ہیں، وہ میری بھانجی ہے نا فہیدہ، تم اسے جانتی ہو گی۔“

لکائی بولیں: ”ہاں، ہاں، کیوں نہیں، وہی جن کے میں نے پچھلے دنوں میں شادی کی ہے۔“

”ہاں وہی“ امی آنسو بہاتے ہوئے بولیں، تم جانو خون جو ش بارے بغیر نہیں رہتا۔ فہیدہ کے غم نے ہمیں بھی بڑھ چال کر رکھا ہے، کبھی وہ جیسے آئی ہے اور اس کے لئے پریشان ہے۔

لکائی خالہ نے ٹھٹھا سا سر ہل کر اور بڑے اخوس کا اظہار کیا، کہ تھوڑی دیر بعد بولیں: ”بیٹی تمہاری بہن دن بھر کیا کیا کرتی ہیں؟“

”کچھ بھی نہیں۔“ میں نے کہا۔ ”بس روٹی دیتی ہیں اور ان کے لئے آپ کام بھی کیا گیا ہے۔“

”بیٹی کا تو دنیا میں بہت ہیں، ہاں یہ عیالہ بات ہے کہ ہمیں وہ نظر نہیں آتے۔“ لکائی بولیں۔

لکائی خالہ کی بات سمجھ میں نہ آئی اور میں چپ چاپ ان کا منہ دیکھتی رہی، تھوڑی دیر بعد وہ کہنے لگیں۔

”بزرگوں سے نا بے گزردہ انسان کو تمہا نہیں بیٹھا چاہئے، اس سے غم میں اضافہ ہوتا ہے، ہمارے یہاں بدھ کے دن کچھ بھولن کا اجماع ہوتا ہے، وہ سب مل کر کچھ کھانا کھاتے ہیں اور بات چیت کرتی ہیں، تم بھی اپنی بہن کو وہاں لایا کرو۔“

مجھے یہ بات بہت پسند آئی کہ شاید اس سے آپ کا

دل میلے، چنانچہ بدھ کے دن میں فہیدہ آپ کو بڑی سچے کے لکائی خالہ کے یہاں لگی، ایک بڑے سے کمرے میں درمی بٹھی ہوئی تھی اور کوئی پندرہ میں عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں، لکائی خالہ کے ہاتھ میں قرآن مجید تھا، وہ عورتوں سے مخاطب ہو کر کہتی تھیں، مجھے وہ بہت

بہن سن رہی تھیں، ہم بھی سلاسل کے ایک کونے میں بیٹھے تھے، لکائی خالہ نے کچھ باتیں پڑھیں اور ان کا ترجمہ سنا

جو حسب ذیل تھا۔

”اور (اب پیغمبر) جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں دریافت کریں تو (ان کو سمجھا دو کہ)

میں (ان کے قریب ہوں، جب کوئی مجھ سے دعا کرتا ہے تو اس کی دعا مستجاب ہوں، لہذا ان کو چاہئے کہ میرا حکم

نائیں اور مجھ پر ایمان لائیں، تاکہ وہ میری راہ لگ جائیں۔“ (البقرہ سورہ ۲۳)

فہیدہ آپ کے چہرے کا رنگ کیلخت بدل گیا، اب معلوم ہوتا تھا کہ ان جھولنے نے انہیں بہت تسکین پہنچائی

ہے، وہ بڑے ہی غور سے لکائی خالہ کی باتیں سننے لگیں، کلام پاک کے بعد لکائی خالہ نے ہمیں چند شعر

سنائیں اور پھر ایک بڑی اچھا اسلامی افسانہ سنایا، آخر وہ پرجامع کی کارروائی ختم ہو گئی۔

جب ہم وہاں سے رخصت ہو کر گھر آ رہے تھے تو فہیدہ آپ بولیں: ”کبھی بی بی اگر قرآن اردو میں نازل ہوا ہوتا تو کیا ضرور دیتا۔“

میں نے جہاں ہو کر کہا۔ ”یہ آپ کو کیا خیال آ رہے؟“

وہ بولیں: ”ہاں، کبھی اس صورت میں ہم سمجھ جا کرتے کہ اس میں کیا کچھ لکھا ہے، اب دیکھو میں روزگار

ملاوت کر رہی ہوں، مگر جو باتیں آج سنیں، ان کا کوئی علم نہ ہوتا تھا، لکائی خالہ نے چند ہی آیتوں کا مطلب

بے گزرتی باتوں کا علم ہو گیا، اب خدا معلوم سارا قرآن میں کیا کچھ ہو گا جس کی ہم خبر تک نہیں۔“

میں نے کہا: ”تو آپ سے کون کہا ہے کہ آپ اس کی خبر نہ دیکھیں؟“

انہوں نے کہا: ”کیا کیا جائے عربی آتی ہو تو سمجھیں، اے لے تو کہہ رہی ہوں کہ اگر اردو میں نازل ہوا ہوتا تو ہمیں کتنا فائدہ ہوتا۔“ آپ نے بات نالٹے ہوئے کہا۔

ہمارے ساتھ ہی ایک اور خاتون چلی جا رہی تھیں، وہ بولیں۔ ”اردو میں بے شمار تھے اور تفسیر ہو چکی

ہیں، اس سے فائدہ کیوں نہیں اٹھا میں؟“ آپ کچھ

جہاں ان کی ہو کر بولیں: ”وفاقی ہے تو سکتا ہے۔“ پھر تھوڑی دیر بعد کہنے لگیں۔

”مجھے جج پوچھو تھے تو مجھی اس کا خیال ہی نہ آیا تھا، لیکن اب لکائی خالہ کی باتیں سن کر سوچ

رہی ہوں کہ بھلا سارا قرآن پڑھ کر تو دیکھا جسے کس میں کیا لکھا ہے، شاید دل کا سکون مل جائے!“

اس واقعے کے بعد فہیدہ آپاں، اب میرے قریب قریب آ گئی، جو وقت وہ دوتے دوتے میں صرف کرتی

تھیں، وہ قرآن سننے میں لگنے لگیں، رفتہ رفتہ ان کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ دن اور رات کا اکثر حصہ قرآن کا ترجمہ

اور تفسیر دیکھنے میں گزار دیا کرتیں، قرآن نے انہیں ایسی ایسی حیرت انگیز باتیں بتائیں کہ وہ دھک دھک کر اٹھیں اور

اب معلوم ہونے لگا کہ جیسے پہلے وہ کسی اور عالم میں رہا کرتی تھیں اور اب کسی اور سی دنیا میں پہنچ گئی ہیں۔۔۔

ایک ایک دنیا میں جہاں اس کا رخ ختم کام و نشان بھی نہ تھا، قہم نے مدلوں سے انہیں زندگی سے بیزار کر رکھا تھا۔

پہلے انہیں اس بات کا خوف تھا کہ ان کے رفیق حیات نے ان کے ساتھ بے وفائی کی ہے اور یہ بات ان کی

کچھ سن کر انہیں اتنی کڑی شدید بے انصافی کے بعد اب وہ کس سہارے پر زندگی گزار رہیں، لیکن اب انہیں

”علوم ہوا کہ اس دنیا میں ایک ساتھی ایسا بھی ہے جو کبھی بے وفائی نہیں کرتا اور جو اس کا سہارا اختیار کرے، وہ اسے ایمان و سکون بھی عطا کرتا ہے اور دنیا و آخرت کی

فلاح و کامیابی بھی بخشتا ہے، آج تک انہوں نے اس سے گفتگو کرنے اور اس کا مشورہ طلب کرنے کی کوشش

ہی نہ کی تھی، اب جب انہوں نے اس کی باتیں سننا شروع کیں تو انہیں معلوم ہوا کہ ایسی داناں کی باتیں

اب انہیں بھول کر بھی جتنا ہی کا خیال نہ سنا تا، جب وہ جاتیں قرآن ان سے گفتگو کرنے لگتا، اور جب تک

وہ خود دھک دھک جاتیں، وہ ان سے بات نہ کر چلا جاتا، وہ انہیں جنت اور دوزخ کے حالات بتاتا اور سمجھاتا کہ یہ

دنیاوی پیش و آرام اور عزت افزائیاں بیچ بیچ ہیں، اصل عزت اور آرام دہی ہے جو اس ہمیشہ رہنے والی زندگی

میں حاصل ہونے والا ہے، وہ انہیں قیامت کی باتیں بنا سنا کر یہ سمجھاتا کہ یہ زندگی فانی ہے اور اس کی حیثیت

اس کے سوا کچھ نہیں کس بڑے دن جو امتحان دیتا ہے، اس کی تیاری کی جائے اور خوش ہو، امی اس سے سبق

حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، وہ انہیں پرانی قوموں اور اللہ کے پاک نبیوں کے حالات سناتا کہ یہ دنیا لانا

کے خدا کے احکام کی نافرمانی کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے اور اس کے احکام کے آگے سر جھکانے والے

کس عزت کے مستحق ٹھہرتے ہیں، وہ انہیں خدا کے احکام سناتا کہ یہ سکا تا کہ اس چند روزہ زندگی کو عمدہ

طریقے سے گزارنے کے لئے کون کون سے کام کرنے چاہئیں اور کون کن کاموں سے بچنا چاہئے، اس کی طرح

گزرے تھے اور اب فہیدہ آپاں سے زیادہ خوش و غم ملے بھر میں کوئی نہیں، لکائی خالہ کا حلقہ اب انہوں نے

سنجیال لیا ہے، جب سے انہوں نے یہ کام کیا تھا میں لیا ہے، خواہ میں کی تعداد ہو وہ کہیں سے کہیں جا چکی ہے،

کھنکھانے کے سمجھتا ہے، کا طریقہ لکائی خالہ کے سمجھانے کے طریقے سے بہت زیادہ روشن ہے، ان کا چوتھ لکھا

ہوا دل اعلان کرنے کے بعد اپنی دوسری کہ رسیدہ بہنوں کے زخموں پر ہر مہر کہہ رہا ہے۔

جس نے اپنے بزرگوں کا احترام نہیں کیا وہ گمناٹے میں رہا

## میٹالر جسٹ

## آسیائی اسماعیل

## سے یادگار ملاقات

انٹرویو: راحت ارشد حسین

انڈونیشیا کی آسیائی اسماعیل نے اپنی ماسٹر ڈگری کے لئے ایک مشکل اور کمضون مضمون کا انتخاب کیا ”میتالرجی“ کی فیلڈ اپنا کر اب وہ اسی مضمون کو یونیورسٹی میں پڑھاتی ہیں۔ ان کے خیال میں جیڑیوں پر مشتمل انڈونیشیا جیسے ملک کے لئے اس مضمون کو پڑھنا اور پڑھانا نہایت ضروری ہے۔ انہیں زمین اور اس کی تہہ در تہہ چھپے ہوئے قدرت کے نایاب خزانے اور ان تہوں کی ساخت و ہیئت کا اپنی پڑھائی کے دوران ہی علم ہوا۔ تو آئیے آسیائی سے ہونے والی گفتگو میں آپ بھی شریک ہو جائیں۔

س: کچھ اپنے اور اپنے خاندان کے بارے میں آج اچھا دسب انڈونیشیا سے تعلق رکھتے تھے۔ ہم لوگ MALAYSIAN ہیں۔ میرے دادا اور نانا دونوں ہی (ج: ہمارا پورا ہی خاندان انڈونیشیا میں ہے۔ ہمارے تعلق جکارٹہ سے ہے۔ بلکہ ہم لوگ پچھلی کئی نسلاں سے

جکارٹہ شہری میں رہ رہے ہیں۔ میرے والد صاحب کا نام عثمان اسماعیل ہے جسے ہم انڈونیشی زبان میں ATMAN کہتے ہیں۔ وہ سرکاری ملازم ہیں۔ میری والدہ ایک پرائمری اسکول میں پڑھاتی ہیں۔ ہم تین بھائی اور ایک بھائی ہیں۔ میری دونوں بہنیں اسکول پڑھ رہی ہیں۔

س: آپ کی تعلیمی قابلیت کیا ہے؟ اور آپ نے میتالرجی جیسا مشکل مضمون کیوں اختیار کیا؟

ج: میں نے جکارٹہ یونیورسٹی سے میتالرجی ماسٹر ڈگری کیا ہے۔ میں نے پرائمری تعلیم، سینڈری تعلیم اور ہائی اسکول کی تعلیم سب گورنمنٹ اسکولوں میں حاصل کی۔ ہمارے یہاں انڈونیشیا میں ہائی اسکول کے بعد یونیورسٹی میں داخلے کے لئے ٹیسٹ ہوتے ہیں اور یہ بہت مشکل اور سخت امتحان ہوتے ہیں۔ مجھے سینڈری اسکول ہی سے جغرافیہ کے سبیک کے بہت دلچسپی تھی، اس مضمون میں میرے ہمیشہ اچھے گریڈز آئے۔ پھر اپنی اسکول چھینے چھینے میرا یہ رجحان میتالرجی کی طرف ہو گیا۔ میں ٹھنوں سوچا کرتی کہ اللہ تعالیٰ نے زین کے اندر کیا رکھا ہے۔ اس کی تہوں میں کیا کیا چھپا ہوا ہے۔ اس طرح مجھے میتالرجی پڑھنا اور پھر ماسٹر ڈگری کے بعد اس کو پڑھانے کا شوق ہوا۔

س: آپ کے شوہر کیا کرتے ہیں۔ کتنے بچے ہیں؟ اور آپ گھر اور جاب میں توازن کیسے قائم رکھتی ہیں؟

ج: میرے شوہر جناب زرکی صاحب کپیوٹر کے پلٹس سے منسلک ہیں۔ ان کی اپنی دکان ہے۔ جہاں کپیوٹر کے سامان کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ وہ صوفیہ بچے سے شام چھ بجے تک اپنی تجارت میں مصروف رہتے ہیں۔ ہمارا کچھ اس طرح کا سیٹ اپ ہے کہ میں بچوں کو اسکول چھوڑتے ہوئے یونیورسٹی جاتی ہوں۔ میں گھر سے کوئی سات بجے نکلتا ہوں۔ پھر نماز کے بعد میں ناشتہ وغیرہ کر خود ہی تیار ہوتی

ہوں اور بچوں کو بھی ان کی تیاری میں مدد دیتی ہوں۔ میرے شوہر نماز پڑھ کر کچھ دیر کے لئے سو جاتے ہیں، پھر ہم سب ناشتہ کرتے ہیں۔ کبھی کبھی زرکی صاحب ڈرائیو سے اٹھ کر ہمارے جانے کے بعد ناشتہ کرتے ہیں، کیونکہ انہیں اپنی دکان نو بجے کھلنی ہوتی ہے تو وہ ساڑھے آٹھ بجے تک گھر سے نکلتے ہیں۔ پھر دوپہر کو بچے اسکول بس سے گھر آ جاتے ہیں۔ میں اپنی کلاؤں کے حساب سے گھر پہنچتی ہوں۔ عام طور سے تین بجے تک میں گھر میں داخل ہوتی ہوں، کبھی تو بچے بھی میرے ساتھ ہی گھر پہنچتے ہیں۔ کبھی بھاران کی بس تین سے کچھ پہلے انہیں گھر پہنچا دیتی ہے تو ایک چابی میری بیٹی کے پاس ہوتی ہے۔ میری بیٹی کا نام عالیہ اور سینیہ کا جغرافیہ ہے، مگر ہم انہیں انڈونیشیا میں جی جی جی JEFREY اور AULIA کے کہتے ہیں۔ میں عام طور پر گھر آنے کے بعد کچھ دیر کے لئے سو جاتی ہوں۔ بچے اپنا کھانا خود نکال کر گرم کر کے کھا لیتے ہیں۔ عصری نماز پڑھ کر میں رات اور دوسرے دن کا کھانا پکاتی ہوں۔ بچوں کو ان کے ہوم ورک میں مدد دیتی ہوں، پھر مغرب کے بعد زرکی صاحب بھی کچھ تفریح جاتے ہیں تو ہم رات کا کھانا کھا کر پھر دوسرے کاموں سے فارغ ہو کر عشاء کے بعد سو جاتے ہیں۔ جب بچے چھوٹے تھے تو میں اور زرکی صاحب اپنے کاموں اور جابز کو ایسے بانٹ لیتے تھے کہ جس میں ہم میں سے ایک گھر میں رہے۔

س: آپ بچوں کی تربیت کس طرح کرتی ہیں اور یونیورسٹی لیول پر طالب علموں کا تربیت کے اعتبار سے کیسے رو بہ پایا جاتا ہے؟

ج: جی۔ یہ اچھا سوال کیا آپ نے، میرا اپنا تجربہ یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو سب سے پہلے وقت پر نماز پڑھنے کی خود ہی عادت اپنانی چاہئے اور بچے بچوں کو بھی یہی سنی ہے اس کا عادی بنانا چاہئے۔ میرے



اپنے تجربے میں آیا ہے کہ عام طور سے وقت پر نماز پڑھنے والے زندگی کے معمولات میں بھی وقت کے پابند ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ نئے بھی، مگر زیادہ تر میں نے یہی دیکھا ہے۔ دوسرے کو بھی یہ وقت پر ذمہ داری سے کرنے کی بھی توجی نہیں ہے۔

ٹریننگ ہوتی ہے، میں آپ کو اپنی والدہ کا اس بارے میں تربیت کرنے کا طریقہ بتاتی ہوں، وہ یہ کہ کونکے روز خود بخود ایک اسکول میں اب تک پڑھاتی ہیں، تو ہم بہن بھائی چھوٹے چھوٹے ہی تھے، اس کے باوجود وہ ہم سے سبز صاف کرواتی تھیں، ہمیں اپنے کھلونے اور اپنی چیزیں خود اٹھاتی ہوتی تھیں۔ اپنے اسکول بیکز خود تیار کرنے ہوتے تھے، پھر چپے چپے ہم بڑے ہوتے گئے، گھر کی صفائی تھرائی، بچن کا کام اور پھر کھانا پکانا بھی انہوں نے نہیں سکھایا، یہاں تک کہ اگر وہاں بھی ہم نے تمام کام کر لیتے ہیں، ویسے بھی انڈونیشیا میں مردوں کا گھر کے کاموں میں حصہ لینا کوئی عجیب نہیں سمجھا جاتا بلکہ قارغ اور بیکار بیٹیاں انتہائی برا عیب ہے۔ جہاں تک یونیورسٹی کے طلبہ کا تعلق ہے تو یہاں میں آپ کو یہ بتانی چلوں کہ انڈونیشیا میں مسلمان کلی آبادی کا کوئی مختصر فیصد حصہ ہیں، یہاں کل پانچ مذاہب کے ماننے والے ہیں۔ مسلمان، عیسائی، چائیز، ہندو اور جرسٹ، الحمد للہ کہ میں مسلمانوں کی اس سلسل سے بالکل مایوس نہیں ہوں، یہ ہم سے زیادہ مذہب سیکھنے میں آگے آگے، ہم سے زیادہ ذہین، ہم سے زیادہ شعور رکھتے ہیں۔ انہیں کل گائیڈس کی ضرورت ہے، انڈونیشیا میں عام طور سے اساتذہ کا احترام پایا جاتا ہے، طالب علم بلا جھجک اساتذہ کے احکام پایا جاتا ہے، ڈسکن کر لیتے ہیں۔ ویسے شکایات ہر جگہ ہیں اور رہیں گی، مگر میں اپنے شاگردوں سے بہت مطمئن ہوں، میری سب سے زیادہ خوشی یہ ہوتی ہے کہ ان

میں ڈپلن پیدا کروں، بحیثیت ایک استاد، میں سمجھتی ہوں کہ شیخ قوم میں ڈچان نہیں ہوتا، وہ کسی ترقی نہیں کر سکتی۔

س: اسلام کے حوالے سے انڈونیشیا میں کیا رجحانات ہیں؟

ج: الحمد للہ کہ اسلام سے محبت اور اسلام پر چلنے کی ترپ دن بدن مسلمانوں میں بڑھ رہی ہے، ہمارے یہاں مسجدوں میں اذان دی جاتی ہے، لڑکیاں حجاب کرنے میں آزاد ہیں، تو جوان سلسل میں اپنے مذہب کے بارے میں جاننے کی جستجو بڑھ رہی ہے۔ مگر اب کی ہے، وہ یہ کہ ہمارے یہاں دینی بیانات کا وہ سلسل نہیں ہے، جو ہونا چاہئے، کوئی اکا دکا گھر ہیں، جہاں کوئی صاحب یا صاحبہ دین پر بیان دیتی ہیں اور پاس پڑوس کے لوگ اس میں شریک ہو جاتے ہیں۔ دینی لٹریچر کو پایا جاتا ہے، مگر کسی طرح بیان کا میرے خیال میں جب ہوتا ہے، کتاب کا نکتا نہیں ہوتا، آپ کو یاد ہوگا کہ اب انڈونیشیا سو نامی کی لپیٹ میں آیا تھا، چکارہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے محفوظ رکھا، مسلمانوں نے اذان میں دیں گاؤں کے گاؤں تپاؤ ہو گئے، پرمسجر اور قرآن کریم محفوظ رہے، یہ سب کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت خود کی۔

س: آپ نے ابھی کہا کہ کثرت سے نوجوان دین کی طرف آ رہے ہیں، مگر دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی کلچر کی تیزی سے نوجوانوں کو لپیٹ میں لے رہا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

ج: مجھے آپ سے پورا اتفاق ہے، میں بھی دیکھتی ہوں کہ مغربی تہذیب کی طرح ہمارے نوجوانوں پر چھا گئی ہے، مجھے بہت دکھ ہوتا ہے، آج چاروں طرف ہمیں جینز اور بلاؤز میں بیویں بے بوڑھے جوان ہر جگہ اور ہر طرف نظر آتے ہیں، لڑکیاں ہوں یا لڑکے، جدمر نظر ڈالیں اسی پیر میں رگے ہوئے نظر آئیں گے۔ آپ

لوگ تو شکر کریں کہ ابھی آپ کے پاکستان میں لباس میں ایسا تبدیلی نہیں آئی ہے، میں یہاں حج کے لئے آئی ہوں تو مجھے تو کوئی لڑکی آپ کے ملک کی جینز میں نظر نہیں آئی کہ جینز اور شرٹ پہن کر اوپر عجایا یا کونٹ لے لیا، ہمارے زوروشی روایتی لباس میں تو اب بہت ہی کم کوئی نظر آتی ہے، کبھی کبھی یہ میں کوئی آجاتے تو آجائے اور تو یہ مغربی لباس اور پھر فاسٹ فوڈ یعنی کے ایف سی، میکڈونلڈ ڈاؤر ای طرح کے دوسرے کھانے، اس کی وجہ جو میری سمجھ میں آتی ہے، وہ پیلے دی اور ڈش کے ذریعے ایسٹیمس کی ماحول دکھا دکھا کر ہر عمر کے لوگوں کو اس کا ایسا بنانا اور پھر اب انٹرنیٹ کی وجہ سے تو شاید یہ کوئی بچا ہو، پھر دنیا بھر کے فیشن میگزین، اخبارات کے فیشن ایڈیشن اور سب سے بڑھ کر یہ فائبر اسٹار ہٹلوں میں فیشن شیڈز ان سب نے فل کر ہمیں ایسا مغرب زدہ بنا دیا کہ اب تو پیچھے ہٹنے کی کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی۔

س: کیا ماشاء اللہ حج کرنے آتی ہیں، ابھی تو حج میں کئی دن ہیں، مکہ میں آپ کا وقت اور یہاں مدینہ میں کیسے گزر رہا ہے؟

ج: جی..... الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے اور میرے شوہر صاحب کو حج کے لئے پہنچایا ہے، یہ ہمارا پہلا حج ہے، ہم تین سال سے اپنا نام دے رہے تھے، الحمد للہ کہ اس سال ہمارا قرعہ نکل آیا، مکہ اور مدینہ میں حاضری کے جذبات و تاثرات بتاتے ہی نہیں جاسکتے، مکہ کی کتبہ رحم نے عمرہ کیا، پھر کوشش کی زیادہ سے زیادہ وقت حرم میں طواف اور ذکر میں گزاریں، اب ہم تمام مدینہ منورہ آئے ہیں، یہاں کی جو کوشش ہے وہ یحیانی کی نہیں کی جاسکتی، یہاں بھی ہم حرم میں ہی زیادہ وقت گزارتے ہیں، روزہ رسولی اللہ صلی علیہ وسلم پر لڑکھن کرانے اور راضی اندیش میں نفل پڑھنے اور دعا مانگنے کی کیفیت بھی الفاظ میں نہیں ڈھالی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ ہر

مسلمان کا حج و عید کی حاضری قبول کرے، دعا میں بھی اپنے اور پورے عالم اسلام اور ہر مسلمان کے لئے کہیں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول کرے اور ہم سب کو حج مسلمان بنائے آمین

س: آپ کے خیال میں آج امت کا سب سے بڑا مسئلہ اور اس کا حل کیا ہے؟

ج: میرا خیال اور تجربہ یہ ہے کہ آج مجموعی طور پر امت کا سب سے بڑا مسئلہ نوجوانوں میں سستی اور کاہلی ہے، یہ میں کسی ایک ملک کا نہیں کہہ رہی، ہم سب ایک ہی سستی کے سوار ہیں، آپ ہر طرف دیکھیں، گھر گھر آپ کو بوڑھے اور ادیب عمر کے والدین زیادہ جاتی و بوندے، زیادہ ذمہ دار اور زیادہ فرائض کو ادا کرنے والے ملیں گے، تعجب تو ان نوجوانوں پر ہوتا ہے کہ جن کے والدین نے بچپن سے ان کی بہترین تربیت کی مگر جب وہ عین اتنا سے نکلے تو سست بن گئے۔ مارا وقت انٹرنیٹ کے آگے بیڑہ کر چینگ کر دیتے ہیں، ویسے تو ہمارا آج کا نوجوان بہت شارپ اور تیز ہے، مگر ذرا آپ اسے کوئی کام بتاویں تو دس دھند یا دو لٹا پڑے گا۔ کچھ سستی والے دن آپ گھروں پر نظر ڈالیں تو بڑے جاگ رہے ہوں گے اور تو نوجوان سو رہے ہوں گے، میرا خیال ہے کہ اگر چہ اب کچھ دھڑک رہی ہے، مگر ہمیں ہمت کر کے اس چینگ کی حالت کو کسی نئی طرح چھڑانا ہوگا۔ یہ سراسر جاتی کا راستہ اور میں سمجھتی ہوں کہ سستی کبھی قوم کے لئے خوشی کے مترادف ہے۔

س: تقاریر میں جان کیلئے کی پیغام بحیثیت کریں؟

ج: اپنی ذمہ داریوں کو اسی طرح پوری کریں جیسا کہ ہمارا دین ہم سے کہتا ہے، ہوں کا اب خوش نصیبی کا داروہ ہے جس نے اپنے بزرگوں کا احترام نہیں کیا، وہ کھانے میں کھانے

# نردوس بریں



آخری قسط

مولانا عبدالعلیم شرر

مولانا عبدالعلیم شرر (۱۸۶۲ء تا ۱۹۶۲ء) برصغیر کے ممتاز معروف اردو ادیب اور صحافی تھے۔ اردو زبان میں تاریخی ناول لکھنے کا سہرا آپ کے سر ہے۔ آپ کا شمار اپنے دور کے مقبول ترین ناول نگاروں میں ہوتا تھا۔ آپ نے اپنے ناولوں کے ذریعہ مغرب کی جانب سے اسلام کے خلاف پھیلائے جانے والے فتنے پر مددگار اور کھلم کھلا جواب دیا۔ یوں تو آپ کا ہر ناول دل و لب اور قابل مطالعہ ہے، لیکن ”نردوس بریں“ اس سب میں منفرد ہے اس ناول میں فرقہ پناہی کی اسلام کے خلاف سازشوں کو بے نقاب کیا ہے۔ اس ناول میں مٹی کے برصغیر نقش و جن میں اس وقت مسادات، بہادری، سرور فتنی کی روایات کو ذکر کیا ہے۔ یہ روایات اگرچہ اسلامی تاریخ سے وابستہ ہیں لیکن اہل نظر نگار کی روایت نگاہوں میں ان کی حیثیت اور وقعت بین الدہلی سے ہے۔ عبدالعلیم شرر ناول چمپ اور اسلامی تاریخ سے مزین اردو ادیب کا شاہکار ناول ”نردوس بریں“ کا تین حیات کے لئے قسط وار چمپ ہے۔

حسین نے اس جواب کو حیرت سے سنا اور بولا: ”عجب! مگر پھر بھی میرے شہادت دور نہیں ہوتے۔ آخر شیخ وجودی کو میرے سب حالات کیوں کر معلوم ہو گئے؟ وہ یہاں سے دس ہزار کلوں کے فاصلے پر ہیں۔“

زمرہ تمہارے روانہ ہونے کے ساتھ ہی ان کو تمام واقعات کی خبر دی گئی۔ ان کو کھینچا گیا تھا کہ امام نجم الدین کے بیٹے شاہ گورداس میر سے ان کے قتل کا کام لینا ہے اور وہاں پہنچنے سے پہلے تم کو وہ وجودی کے غار اور غلیل کے تہہ خانے میں چلے بیٹھو گے، یہ سب باتیں ان کو دوسرے ذریعے سے معلوم ہو چکی تھیں، مگر انہوں نے غیب دانی اور کرامت کی شان سے بیان کر کے تمہیں اپنا فریضہ بتایا۔

حسین نہایت ہی عجب تھا، وہ حیرت کے دریا میں

غرق تھا اور کسی طرح رہائی نہ ملتی تھی کہ زمرہ دینی بات پوری کر کے خاموش ہو گئی اور وہ سوچ میں پڑا تھا کہ آخر اس نے سخت حیرت زدگی کی شان سے انہیں اٹھا کے دیکھا اور کیا کہ یہ سب باتیں تو جگہ بہرہ سے دیکھنے والے کو دے رہی ہے؟ مجھے تو اپنی گزشتہ زندگی ایک خواب سی معلوم ہوتی ہے، مگر وہیں کو اس تمام واقعات کو مجھ سے جدا ہونے خواب سمجھوں یا ان تمام واقعات کو مجھ سے جدا ہونے کے بعد پیش آئے؟ کیا حقیقت میں ہمیں اتنا بڑا بے وقوف ہوں کہ ایسے عظیم الشان فریب اور جہل میں مبتلا ہو گیا، لیکن زمرہ اگر یہ سب سکھائی باتیں تمہیں تو علی وجودی کو اسی قدر حال معلوم ہوتا جس قدر یہاں بتایا گیا تھا، یہ کیوں کر معلوم ہو گیا کہ میں شہر غلیل کے مجاوروں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تھا۔

زمرہ: حسین! تم حقیقت میں بڑے سادہ لوح ہو، اس کا سبب میں بغیر جانے سمجھ لی اور تم مجھے سمجھ سکے، لیکن درحقیقت تم مجبور ہو تمہارے دل و دماغ پر ہر طرف سے اتنا اثر والا کیا کہ مشکل ان باتوں کو اپنے دماغ سے نکال سکتے ہو، تم کو نہیں معلوم کہ بائبلین دنیا کے ہر کونے میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان سازشوں کا جال ہر گاؤں اور چھوٹے قصبے تک پڑا ہوا ہے، علی وجودی کے ساتھ تم پورے ایک سال رہے، ممکن نہیں کہ اس کا حال تمہیں نہ معلوم ہو گیا ہو۔

حسین: ہاں، میں نے البتہ یہ دیکھا کہ ان کے معتقد تمام اطراف عالم میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر سال ایک دفعہ ان کی زیارت کو بھی آتے ہیں اور مجھے یہ بھی نظر آیا کہ وہ لوگ پوشیدہ طور پر اور صرف رات کو مل کے ملے جاتے ہیں۔

زمرہ: اسی سے سمجھ سکتے ہو کہ ان کے کان میں خبریں پہنچنے کے کتنے بڑے ذریعے موجود ہیں، تم نے جس وقت اس وادی کو چھوڑا تھا، آخر وہ دو طبقہ تک ہر منزل اور ہر مقام پر تمہاری نگرانی ہوتی ہوگی اور تمہاری روز روز کی خبریں ملتی وجودی کو پہنچتی ہوگی، کچھ تم ہی پر منحصر نہیں، ان بائبلین کے بچے میں جو شخص پڑتا ہے، اسی طرح انظر میں رکھا جاتا ہے، پھر کیا وجہ کی بات تھی، اگر تمہاری شہر غلیل کی گرفتاری کا حال ان کو معلوم ہو گیا۔

حسین: مجھے اس پر حیرت نہیں، حیرت کی تو یہ بات ہے کہ شیخ کتنے تہمتی کے اشارے سے بائبلین نے حملہ کر کے مجھے قید سے آزاد کر دیا۔

زمرہ: کوئی وجہ کی بات نہیں، یہ جنگ اسی وجودی نے تمہارے چمپرانے کے لئے اپنے معتقدوں کو حملہ کرنے کا حکم دیا ہو گا۔

حسین: مگر کیونکر حکم دے گا؟ میری گرفتاری کی خبر پہنچنے اور وہاں سے حملہ کا حکم اسے بھی تم ہی آخر زمان لگتا، وہاں تو یہ واقعہ آیا کہ جس رات میں نکلنے والا تھا، میرے

بابر آئے سے پیشتر ہی غلیل کا حاکم بائبلین کے ہاتھ سے قتل ہوا اور پھر میں گرفتار ہوا تو اس کو پورا ایک دن نہیں گزرنے پایا تھا کہ ان کا ایک بڑا گروہ شہر میں پھرا، ان تمام باتوں کی تکمیل اتنی جلدی کیوں کر ہو سکتی ہے؟

زمرہ: (ذرا تامل کر کے) یہ کون سی مشکل ہے، بائبلین کو معلوم ہو گا کہ تم کس روز تہہ خانے سے اترے تھے اور کس روز نکلو گے، اس زمانے میں انہوں نے شیخ علی وجودی کو خبر کر کے مدد کرنے کا اشارہ دیا ہو گا، اسی کے مطابق دن کھلتے رہے اور نیک چالیسویں دن جس دن تم نکلنے والے تھے، انہوں نے ریش بہر کو قتل کر ڈالا کہ لوگ دوری نگر میں رہیں اور تم پیچھے سے نکل کر بھاگ جاؤ، مگر جب انہیں خبر پہنچی کہ اس دن ریش کے قتل سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا اور تم مجاوروں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے تو انہوں نے حملہ کر کے شہر میں کھلی ڈال دی، جس تمہیں بچھوٹ کے بھاگ جانے کا موقع مل گیا۔

حسین: (زور سے سرواڑہ بھر کے) تو زمرہ، انہیں! یہ سب جھوٹ تھا، شیخ علی وجودی کا سامعش اور اتنا بڑا مکار! کیوں کر کہیں، زمرہ! ان راستوں اور غیب دانی کے علاوہ ان کا علم فطرت اپنے پاس ہے اور ان کے ہر ہر لفظ سے ایسی خدا شناسی اور آشنائے روضہ وحدت ہونے کی ہوتی ہے کہ چاہتا بھی ہو ان پر کوئی شک کرنے کی جرأت نہیں ہوتی، اتنا بڑا عالم و فاضل، ایسا تہذیب و ذوق و راس اور اتنا بڑا فریج! اس امام نجم الدین کی صحبت میں رہ چکا ہوں، مگر عیاری زمرہ! انہیں کہتا ہوں کہ جو بات مجھے شیخ علی وجودی کی نظر آئی اور جس آسانی سے وہ دل کے شلوک رقع کرتے ہیں، امام نجم الدین میں اس کا عطر میری بھی تھکتا ہے۔

زمرہ: یہ جبکہ ایسا ہی ہو گا، مگر بات یہ تھی کہ امام نجم الدین جو دل میں آتا ہو گا، سادگی اور بے تکلفی سے کہہ گزرتے ہوں گے، انہوں نے اسے بتانے اور اپنا اثر ڈالنے کی کبھی کوشش نہ کی ہوگی اور شیخ علی وجودی کا ہر لفظ



بنا ہوا اور دل پر اثر ڈالنے کے لئے ہوتا ہوا اس کے ہر فقرے میں پوری کارائی ہوتی ہے، مجبوت اور ج میں بھی فرق ہے، فرق یہی ہے کہ بائیں ایک راست باز اور سادہ مزاج شخص کی باتوں سے زیادہ دلچسپ اور زیادہ دل نشین نہیں ہوا کرتی ہیں؟ یقیناً ہے کہ کسٹ علی و جودی سے مل کر تم کو خدا شناسی کا بہت عمدہ نمونہ مل گیا ہوگا۔

حسین: (زور سے سینے پر ہاتھ مار کے) ہاں! خوب سبق ملتا مگر حقیقت اس وقت معلوم ہوئی جبکہ پورا جاو اور کرچکا اور میں ساری دنیا سے زیادہ عالم، ہم سارے بے دین اور بے خوف بن چکا، افسوس! اب تمام عمر پچھتاؤں کا گمراہ زمرہ کیا ہوں، اب بھی یہ سب بائیں خواب معلوم ہوتی ہیں، طور یعنی اور اس کے نورانی فقری صورت اس وقت تک میری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے۔

زمرہ: ہاں! وہ بھی اس مذہب کا بڑا رکس ہے، اس وقت صرف دو ہی شخص شاہ الموت کو ہیں جن سے اچھا تعجب و واقعی اس مذہب باطنیہ کو پیش نصیب ہو سکا، طور معنی اور علی و جودی جو یہاں والی ایمن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ان دونوں نے اپنی گہری سازشوں سے صمد با امر وادار و ملا و فضل مل کر ڈالے اور چون کہ اس جنت و ملا و علی کی اصلیت کو اچھی طرح جانتے ہیں، لہذا ان پر سارا غریب کھلا ہوا ہے اور لوگوں کو جان بوجھ کر گمراہ کرتے ہیں، طور یعنی بھی لوگوں سے ملتا ہے، مگر والی ایمن نے دنیا کو بہت خراب کیا، دین کو جتنا خراب اس شخص کے ہاتھ سے پہنچا ہے، شاید کسی کی کہنا ہے ہاتھ سے پہنچا ہوگا۔

حسین: تو کیا طور معنی کے زمین و دور قصر میں بھی کوئی قدرتی کرشمہ نہیں؟ اس جنت کی طرف تو وہ بھی لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے بنایا گیا ہے؟

زمرہ: (مسکراتے) کیا تمہیں ابھی شک ہے؟ حسین: شک نہیں پکاری زمرہ! جی ہاں باتوں کا یقین ہے مگر کیا بتاؤں کہ ان آنکھوں کے سامنے سے کسی کسی کیفیتیں گزر چکی ہیں اور ان کا نور سے کیسے کیسے روشن

اور غریب الفاظ سے ہیں، خیر یہ بھی نہ سبھی مگر طور معنی کا فقرہ تو مصنفان میں ہے، وہاں کے عار سے یہاں کی کیکر کچیا؟

زمرہ: الموت کا نام چونکہ کسی قدر شور ہو گیا ہے اور بعض لوگ بھوک گئے ہیں، لہذا جن لوگوں کی نسبت ایسا خیال ہوتا ہے، وہ مصنفان اور طور معنی ہی کے ذریعے سے یہاں بھیجے جاتے ہیں اور سارا راہی رکھنے کے لئے یہ تدبیر عمل میں لائی جاتی ہے کہ طور معنی انہیں بے ہوش کر کے انہوں کی قطار پر سوار کرتا ہے اور وہ راز دار اور معتبر سارے بانوں کے ذریعے سے الموت تک پہنچا دیتے جاتے ہیں، ہر منزل پر رات کو کسی جگہ ان لوگوں کو ہوش میں لاکر کچھ کھلا دیتے ہیں اور پھر بیہوش کر کے آگے روانہ ہوتے ہیں۔

حسین: (چونک کر) میں نے بھی اپنے آپ کو کبھی جنگل میں پایا تھا اور کبھی پیازوں میں، تو اسی طرح میں بھی مصنفان سے روانہ ہو کے الموت کے منازل کو قطع کر رہا تھا؟

زمرہ: اور کیا۔ حسین: (حیرت سے) اور یہ لوگ انسان کو بیہوش

کیونکر کیسے کرتے ہیں؟ زمرہ: ایک جتنی ہے، حشیش (بھونگ) اسی کے ذریعے سے، کبھی اس کا شرٹ پلا کے اور کبھی اسے غذاؤں میں یا مٹھائیوں میں ملا کے۔

حسین: (بے مہربانی سے) تو طور معنی نے جو جام شراب پلایا وہ اسی حشیش کا تھا۔ زمرہ: شک ہے۔

حسین: افسوس! مجھے مسکرات بھی پلائے گئے اور کوئی گناہوں کو جواہر رکھا ہو، تو ناراض نہ ہو، کیوں کہ صرف وصال کی آرزو نے مجھے اندھا کر دیا تھا، ورنہ میں اتنا بخون اور فخر انگشت نہ تھا، مجتبیٰ ہے کہ حالت ہے کہ میرے بوسے کا نشان جو میری پیشانی پر موجود ہے، مجھے

دل و جان سے زیادہ عزیز ہے، میری کیا زد و بوی رہی کہ اس نشان کا بوسہ لے کر اپنے دل کی تسلی کروں مگر یہ مشتاق ہونٹ کی طرح وہاں تک نہ پہنچا۔

حسین کی ان باتوں پر زمرہ کچھ ایسا شرماتی تھی کہ اس کے خاموش ہوجانے کے بعد بھی وریک آنکھیں پچی کئے رہی اور کئی منٹ کے بعد جذباتی شرم کو دبا کے بولی: ”حسین! بوسہ لینے سے نہ کسی شخص کے شرم پر داغ بن جاتا ہے اور نہ میں اپنی بے حیا ہوں۔“

حسین: (بات کاٹ کے) اچھا تمہارے سوا اور کس نے میرا بوسہ کیا ہوگا؟ میں نے کسی کو نہ دیکھا تو لگا انہیں۔

زمرہ: (فکریں بھونگے) اب مجھ سے بے شرمی کی باتیں نہ بھلاؤ، یہ تم کو غریب دیا گیا ہے، یہ بوسہ کا نشان ہے نہ شوق یا زانی کی پیمان، بلکہ یہ ایک علامت ہے جو ہر اس شخص کی پیشانی پر بوسے سے داغ کر بنائی جاتی ہے، جو اس جنت میں لایا جاتا ہے؟

حسین: دماغ ہوتا تو مجھے بتا دیتا۔ زمرہ: یہ داغ بے ہوش کر کے پایا جاتا ہے اور جب تم الموت سے مصنفان کی طرف جا رہے ہو گے، اسی وقت بنایا گیا ہوگا۔

حسین: (زور سے سیدھ کوٹ کے) افسوس! افسوس! گل لینے تھے تھے، داغ نہ لائے۔

اس کے بعد حسین وریک دل میں دل میں اپنی حالت پر افسوس کرتا رہا، پھر ایک دفعہ چونک کر بولا: ”زمرہ! افسوس! بڑا دھوکہ دیا، تو نے مجھے اس وقت کیوں نہ بتایا جب میں تیرے پاس لایا گیا تھا؟ اس وقت تو بھی مجھے یقین دلایا تھا کہ یہ سب ملا و علی کی چیزیں ہیں۔“

یہ سن کر زمرہ آبدیدہ ہوئی اور ایک آواز میں بولی۔ ”میری قسمت میں یہی کھٹا تھا کہ نہیں دھوکہ دوں گی۔“ زمرہ کو آبدیدہ اور طولی پا کے حسین کے دل پر ایک چوٹ سی گئی اور اسے اختیاری کے ساتھ با وفا مشق کے آسو پوچھ کے کہنے لگا: ”زمرہ! مجھے یہ خیال نہ تھا کہ اس سوال

سے تیرے دل کو صدمہ پہنچے گا، اچھا، جہاں وعدہ کرتا ہوں کہ پھر کسی ایسی بات نہ پوچھوں گا۔“

زمرہ تو دفتر پر ٹپک پڑ گئے، اس وقت تک تم سے سب کچھ پوچھا لیکن یہ تو پوچھا کہ تم سے چھوٹ کے مجھ کو جنت پر کیا بڑی تھی، تو آواز دے، دینا میں پھر رہے تھے مگر آواز میں قید میں تھی اور کیا کہوں کہ کس عذاب میں مبتلا تھی، یہ بات میرے اختیار میں نہ تھی کہ کسی کو زرا نہ ایک ڈرا مارا اشارہ بھی دے سکوں۔ (انتا کہہ کر زمرہ زور و زور قطار رو گئی)

حسین: (گلے کا کردار اُسو پوچھ کے) شک مجھ سے غلطی ہوئی کہ ان باتوں کا پوچھنا بھول گیا، مگر جی کہتا ہوں کہ میں نے اس وقت تک کوئی بات سوچ مجھ سے نہیں سوچی، جو کچھ پوچھا ہے، میں نے نہیں پوچھا، بلکہ حیرت و غور سے پوچھا اور یہی تھی، ایسی از خود فکری کی حالت میں کوئی فکر از اشت ہو سکتی تو معاف کر دو۔

زمرہ: خیر اب تم نے یہ داستان پچھری کر دیا۔ باغ خدا نہیں اور غلطیوں کے تقاضا کو جنت الفردوس اور ملا و علی کا عشرت کدہ ہے، مگر جی پوچھو تو شاہان الموت کی عشرت کے لئے اسرار حرمی حشیش رکھتا ہے، وڈیڈہ ہو برس کی متواتر کوشش روز بروز اس کی رونق بڑھاتی ہے اور چونکہ اس سے مذہبی کام لایا جاتا ہے، لہذا ہر چیز کے بنانے میں یہ کوشش کی گئی کہ اس کی خوش نمائی اور دل فریبی انسان کے حوصلے سے زیادہ اور اس کو نحو حیرت کر دینے کے لئے کافی ہو، میں جو دیکھتے ہو کہ سونے، چاندی، موگے، موتی کے نظر آتے ہیں، صرف نفرتی، طلائی جواہرات کے رنگ دینے گئے ہیں، ورنہ وہی اینٹ اور چونا ہے جس سے ہر جگہ مکان بنائے جاتے ہیں، مہرہوں کے جاری کرنے کا سامان موجود تھا، یہ بڑی نہیہ جو اس باغ کے درمیان میں بھی ہے اور جس پر ایک سنہری ملبہ قائم ہے، وہی غمزدہ و بے چارہ ہے جس کے کنارے تم نے مدوں و ہزار کی ہے۔

حسین: (حیرت سے) وہی نہیں ہے؟

زمر: وہی، یہ خاص نہیں اس قصہ سے ہوتی ہوئی یہاں آئی ہے اور یہاں چند ایسی لکھاؤں میں ہو کے جن میں گزرا غیر ممکن ہے اس فرحت بخشی ہادی میں پہنچ گئی ہے۔

حسین: اور زمر! وہ روشنی کیسی تھی جسے تو نے نور یزدانی بتایا تھا؟

زمر: وہ روشنی صرف یہ تھی کہ ارد گرد کے پہاڑوں پر رات کو بہت تیز روشنی اور مہتابیاں چھوڑی جاتی ہیں جن کا عکس یہاں کے آبیوں اور ششوں پر ڈال کر کوئی اور تیز کیا جاتا ہے، اس روشنی کا سامان صرف اس زمانے میں کیا جاتا ہے جب یہاں کوئی شخص معتقد بنانے کے لئے لایا گیا ہو، اس وقت سب کو مہر جتا ہے کہ جب وہ روشنی تیزی سے چمکتے چلا کے کہیں ”ہذا لدی مساو عدنی دبی“ اور ”وہ اور شراب کے خوش بھی اسی ضرورت کے موقع پر بڑے کئے جاتے ہیں، لوگوں کا ہتھوڑا پر بیٹھنا اور غلام کا شراب پلانا اور ان کی بے فکری و خالص مسرت کے ساتھ بھی اسی موقع پر دکھانے جاتے ہیں۔

حسین: تم نے یہ طیور کا وہ اور ان کا چلنے اور ڈونڈ لانا؟

زمر: یہ ٹیور کی بڑی بات ہے، چند مہر دھالے طیور چھوڑ دیئے گئے ہیں جن کو پہلوں کے ٹوڈ لانے اور بغیر چھپڑے ہوئے لوگوں کے سامنے رکھ کے اڑ جانے کی مشق کرا دی گئی ہے، اس طرح یہاں کے طیور کو قرآن پاک کی یہ آیت ”سلام علیکم طیبم فادخلوہا خالداً“ یاد کرائی گئی ہے جس کو ہر وقت رات کرتے ہیں۔

حسین: بڑا گہرا غریب ہے! اچھا لگوں کی بکھر کچھ سکنا ہے اور ہاں، زمر! تو جنت کے راز بتائے میں اپنی سرگزشت کہنا تو بھول گئی تھی۔

زمر: میری مصیبت کیا کوچھے ہو، میں ہی تھی جو ان سب آفتوں کو تحمل کی اور کوئی ہوتا تو اب تک خاک میں چلا ہوتا۔

حسین: نہیں، ییاری زمر! ایسی باتیں زبان سے

نکلنا، میرے دل کو صدمہ ہوتا ہے، خدا کا ہزار ہزار شکر ہے وہ مصیبتیں کٹ گئیں اور ہم پھر ایک دوسرے کی آغوش میں ہیں۔

زمر: اصل میں، میں صرف ایک حور بنانے کے لئے لائی گئی تھی، خورشاد اور اس کے ہمراز ازل و بار کو ہمیشہ کی خوبصورت عورت کی جستجو رہتی ہے تاکہ اس کے حسن و جمال سے جنت میں زیادہ دلچسپی پیدا کریں، جب میں خورشاد کے سامنے پیش کی گئی تو بد نصیبی سے اس کی نظر میں معمول سے زیادہ اور جنت کی تمام حوروں سے بڑھ کے خوبصورت ثابت ہوئی، اس نے ارادہ کیا کہ مجھے خاص اپنے لئے مخصوص کر لے، میں یہ خبر سن کے انتہا سے زیادہ پریشان ہوئی اور آخروں میں بیٹھا گیا، چاہے بارڈاں جاؤں مگر اس نے عزتی کو اور ان کے رگوں کی ابتدا میں مجھے طرح طرح کے لالچ دیئے گئے، بتایا گیا کہ اس کی بی بی ہونے کے بعد تاج میرے سر پر رکھا جائے گا اور میں عالی مرتبہ ملکہ ہوں گی مگر میں نے کسی طرح منظور نہ کیا، جب اسے میری رضامندی سے مایوسی ہوئی تو وہ ظلم اور ظہار مجھے طرح طرح کی تکلیف دی جانے لگیں، اڑھائی مہینے اسی حال میں گزرے، ہر گھڑی، ہر پہلو موت کا انتظار کرتی تھی۔

معتوف: دوا کی یہ مصیبت دوا پیشی سن کے حسنین کی آنکھوں میں آسو میرے آئے اور خضریٰ سانس لے لے کے کہنے لگا: ”زمر! دیر سے لے تو نے بڑی مصیبتیں اٹھائیں۔“

زمر: یہ مصیبت نہ تھی بلکہ میں اس کو راحت بخشی تھی، اس لئے کہ بے عزتی اور بارود ریزی سے بچی ہوئی تھی، اس خورشاد کا کامی کے غصے میں میرے قتل پر آمادہ ہو گیا تھا، لیکن اتفاق سے کسی دوست نے رائے دی کہ ایسے کام جن کا کسی کے دل میں محبت پیدا کرنے سے تعلق ہو، ظلم جو اور بڑی دیرتوں سے نہیں نکلے، بہتر ہو کہ زمر! ہر چند زور کے لئے جنت کے ایک کیمبل میں چھوڑ دی جائے، وہاں جب ایک عرصے تک راحت و عشرت میں رہے گی تو

اپنے رنج و غم بھول جائے گی اور آخر جوانی کے جذبات غالب آکے اسے خود ہی آپ کی معشوق بننے پر آمادہ کر دیں گے، یہ رائے اسے پسند آئی اور میں اس کے عمل سے لاکے اس جنت اور اسی قصر میں رکھ دی گئی، یہ ایسا محفوظ مقام ہے کہ خورشاد کے خیال میں بھی نہیں تھا کہ یہاں کبھی پرہیزگار کے باہر کے گاؤں میں کسی نے آسکا تھا کہ جو معتقد بنانے کے لئے بھی لائے جاتے تھے تو ان کی ہر طرف سے عمرانی ہوتی تھی اور کوشش کی جاتی تھی کہ سوائے ایک دیوت کر کے، میں ان سے زیادہ دلچسپی نہ سکوں اور دل پر کیا منحصر ہے، جب تم سے ملی ہوں اس وقت بھی ان انوری کی پوری عمرانی ہوتی تھی، یہ خیال نہ بھی کہ سوائے تمہارے بچکانے اور بھلانے کے میں تم سے دوسری بات بے تکلف ہو سکوں، اب مجھے ہر بات کا تمام راحت، رات دن عیش و عشرت میں گزرتی تھی، خورشاد کے اشارے سے موافق یہاں کی تمام حوریں میری اولیائیں بنی رہیں، وہ ہر وقت میرا دل بھلانے کی کوشش کرتیں، حسین! یہ سب سامان عشرت موجود تھا میرے صدمہ دل کو کسی طرح بچھن نہ آتا تھا تمہاری صورت پر گھڑی آنکھوں کے سامنے رہتی اور طرح طرح کی تدبیریں سوچا کرتی تھی کہ کسی طرح یہاں سے بھاگوں، ابھی وہ دن چھوڑنے قبل کے بارے میں مشورہ سے ہوا میرا ہونٹک ہوا کرتا، ایک رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے ایک قتل میدان میں کھڑی ہوں، ناگہاں سامنے سے تم آئے اور مجھ سے ملنے کو بے حاشا دوڑے، یکا یک کی شخص نے ایک درخت کی آڑ سے نکل کر تمہارے سینے میں ایک چھری ماری تم پر رکھا تھی یہ سبز پتھر کے ٹوٹے ہوئے اور میں بے اختیار روتی اور چیخیں مارتی تمہارے قریب دوڑی، پس اسی حال میں چیخے چیخے میری آنکھوں میں آب کہاں کہاں بہیں پس کا سکا تھا، باقی رات میں نے رورو کے بسر کی اور صبح کو حیران و پریشان چیختی تھی کہ مر جانام یہاں کی حور جو مجھ سے کی قدر مانوس ہو گئی تھی اور جس سے میں کبھی بھی دوسرے

ایک باتیں کر لیا کرتی تھی، میرے پاس آئی اور اصرار لاکر باتوں کے بعد بولی: ”زمر! تم نے کچھ اور بھی سنا ہے؟ وہ نوجوان حسین جو تمہارے ساتھ تھا اب تک اسی وادی میں تمہاری قبر سے لپٹا ہوا ہے، اس موقع پر مجھے سبز سے کاہل لپٹا چاہئے تھا مگر کہنا نہ گیا، یہ اختیار ایک شخص کی ساس لے کے بھی“ حسین اب تک وہی ہے ہیں؟

مرجان: ہاں، مگر اب یقیناً ہے کہ ایک دوسری روز میں وہ مقام ان سے خالی ہو جائے گا۔ میں نے گھبرا کے پوچھا: ”کیوں؟“

مرجان: وہ مقام ہم لوگوں کی سیر گاہ ہے اور اسی سبب سے خورشاد چاہتے ہیں کہ وہاں کوئی ایسا شخص نہ رہے جو ہمارا راز نہ جانتا ہو تمہارے سامنے نوجوان کی نسبت پہلے تو یہ خیال تھا کہ جب باہل مایوسی ہو جائے گی تو چلا جائے، اسی غرض سے تمہاری قبر تباہی کی تھی، پتھر پر تمہارا نام کندہ کر دیا گیا ہے کہ تمہارے مرنے کا اسے یقین ہو جائے اور واپس ہو جائے اور لوگوں کو بھی اصرار آنے سے روکے مگر یہ تدبیر بیکار گئی، لہذا مجبور ہو کہ اب یہ مجبور قرار پائی کہ جس طرح سے اس کا کام تمام کر دیا جائے۔

حسین! اس میں نہیں کہہ سکتی کہ یہ جملہ سنتی میرے دل کی بات کا کہی ہوئی، میں گھبرا کے بالکل بے اختیار ایک کے ساتھ کھائی تو پھر مجھے ماری ڈالو“

میری راجدوا کی دیکھ کر مر جان بولی: ”اگر اس کو بچانا چاہتی ہو تو ایک کام کرو، خورشاد کے سامنے چل کر خود ہی اپنی زبان سے سفارش کرو۔“ یہ ایک بات تھی جس کو میں ہرگز نہ ماننا چاہتی تھی، فقط اسے خیال سے کہ تمہاری جان بچتی ہے، طوعاً و کرہاً کی اور جب اس نے مسکرا کر مجھ سے بات کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے آہ و زاری کے ساتھ کہا: ”خدا کے لئے اس نوجوان کی جان نہ لیجئے۔“ میری درخواست سننے ہی اس نے نہایت متین صورت بنائی، مجھے بہت گھور کے غصے کی نگاہ سے دیکھا اور نہایت



برہم کی آواز میں پوچھنے لگا: ”وہ تھاروں کا ہے؟“  
میں: وہ میرا عزیز ہے، اسی کے ساتھ کھیتی رہی اور  
اسی کے ساتھ ملے کے بڑھی ہوں، اور اسی سے میری  
شادی ہونے والی ہے، اسی سبب سے اکیلا وہی میری  
جان و دل کا مالک ہے۔

خورشاہ: تمہاری شادی ابھی اس کے ساتھ نہیں ہوئی؟  
میں نے نظر پٹنے کے لیے جواب دیا: ”نہیں۔“  
یہ جواب سن کر خورشاہ نے مجھے بدگمانی کی تجسس  
نگاہوں سے دیکھا اور کہا: ”مگر شادی سے پہلے ہی  
تمہارے اس کے ساتھ ایسے تعلقات ہو گئے کہ گھر بار  
چھوڑ کے ساتھ نکل کھڑی ہوئیں تو یہ سمجھنا چاہئے کہ  
تمہاری صفت میں داغ لگ گیا۔“  
”اس کا جواب دیتے وقت مجھے بے انتہا شرم معلوم  
ہوئی، کسی طرح کوئی لفظ میری زبان سے نہیں نکلا، مگر  
صرف اپنی اور تمہاری آبرو بچانے کی غرض سے میں نے  
دل کو کڑا کر کے اور بے حیائی گوارا کر کے جواب دیا:  
”میں تو اپنے بھائی کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کو اور دوسرے حج  
کو نکلتی تھی مگر یہاں، یہ البتہ ارادہ کا کہ وہیں پہنچنے کے عقد  
کروں گی۔“

خورشاہ: نکاح کی رسم تو قرون میں ادا ہوئی مگر غائب  
تم آپس میں میاں بی بی کی تعلقات پہلے ہی قائم  
کر چکے تھے۔  
اس سوال پر میں اس قدر شرمائی کہ سارا بدن پسینے  
پسینے ہو گیا، بچنے نظر کرنے کے بلکہ یوں کہتا جانے کہ شرم کے  
مارے آنکھیں بند کر کے جواب دیا: ”نہیں، میری صفت  
میں فرق نہیں آیا۔“ اتنا تنہی سے خورشاہ ایک بے اعتباری  
کے جوش میں یہ کہتا ہوا میری طرف دوڑا ”شکر ہے کہ  
میری ذات نازن کے پاک جسم کو کسی کا ہاتھ نہیں لگا۔“  
اور میرے ہاتھ لگے گا تو مجھے کدے میں سے دونوں  
ہاتھوں سے رکھا اور اس کے ہاتھ سے پیچنے کے لئے  
جاؤں کے پاس زین پر گر کے کہنے لگی: ”اس کو جوان کی

جان نہ لیجئے درویش میں مر جاؤں گی۔“ خورشاہ دیر تک سوچتا  
رہا پھر مجھے اٹھا کے بولا: ”خود ما یہ بہت ضروری ہے کہ  
وادئ اس خدی شخص سے خالی کی جائے۔“  
میں: آہ! میں نے اسے وصیت کر دی تھی کہ میں مر  
جاؤں تو گھر کے عزیزوں کو میری عفت و پاکدامنی کا  
یقین دلانا بھلا کر میں اس نے نہ مانا۔  
یہ سننے ہی سے خورشاہ چونک پڑا اور بولا: ”کیا تم نے  
اسے گھر جانے کی وصیت کی تھی؟“  
میں: ہاں، وصیت کیسی، بہت تاکید و اصرار کے  
ساتھ کیا تھا۔

خورشاہ: تو خیر، کوئی مضائقہ نہیں، ایک نہایت عمدہ  
تدبیر ہے، وہ وادی بھی اس سے خالی ہو جائے گی اور  
اسے کسی قسم کا ضرر بھی نہ پہنچے گا مگر ضرور یہ سب کچھ  
صرف تجہاری نظر محبت کی امید پر منحصر ہے۔  
”اس کے جواب میں اس نے مجھے ہاتھ بٹا کر بے موقع  
معلوم ہوا، خاموش کھڑی تھی، خورشاہ نے فلم دو دواں  
کے ایک خط کا مسودہ لکھا اور اسے میری طرف بڑھا کے  
کہا ”اسے تم اپنے ہاتھ سے صاف کر دو۔“ میں نے  
اسے اس کے سامنے وہی پیش کر کے صاف کر دیا، میں  
واپس نہیں آئی تھی کہ ایک دودھ لانے والی دکان کی گولوا  
کے خورشاہ نے وہ خط اس کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ  
تمہاری غفلت میں قبر پر گدھ لیا جائے، یہ میرا پہلا خط تھا،  
میں اس حال کا پہلے بھی بیان کر چکی ہوں، مگر پھر بھی ہوں  
کہ کیسے کیسے قلم ہوئے ہوں اور کیسی کیسی مجبوریاں پیش آئی  
ہیں، جب میں نے قلم کو خالی لکھا ہے۔

اس خط کے روانہ ہونے کے بعد جب میں واپس  
آئی تو انتہا سے زیادہ حیران تھی، مجھے یقین ہو گیا تھا کہ  
اب مجھ سے واپس ہو کے تم گھر چلے جاؤ گے، روز اس کا  
ادھیر بن سن رہی تھی کہ تمہاری زبان سے میری دوستی کا  
قدہ سن کر اسے ادا کر کے دل پر کسی کوئی زہری ہوئی، مگر پتے  
اسی حالت میں گزر گئے، وہ دوسرے کا نام مر جان تھا، روز

میرے پاس آئی اور ہمیشہ ہمدردی ظاہر کرتی مگر مجھے بعد  
میں معلوم ہوا کہ خورشاہ کی کھانسی پر دھاتی تھی اور اس سے  
روڑ جانا کے کہہ دیا کرتی تھی کہ میں تمہارے لئے کس  
قدر حیران رہتی ہوں، ایک دن اس نے ہاتھوں ہاتھوں  
میں پوچھا کہ زہر تو تمہارا کان آئل میں ہے؟ میں چونک  
کے بولی ہاں کیوں؟“  
مر جان: وہ ہیں کہ ایک زبردست عالم جو اپنی احوال  
نیشا پور میں رہتے ہیں، لوگوں کو ہمارے خلاف بہکا رہے  
ہیں اور اس کو جنت فریب بتاتے ہیں۔

میں: کون؟ امام نجم الدین نیشا پوری تو نہیں؟  
مر جان: ہاں، وہی امام، جس کی تجویز ہو رہی ہے۔  
میں: (چونک کر) کہانے کی تو بڑا نام ہے، وہ بڑے باخدا  
عالم ہیں، حسین کے استاد ہیں اور اس کے کدھر میں ہیں۔  
مر جان: (توجہ سے) حسین ان کے شاگرد اور  
میرے ہیں؟

میں: اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے بھتیجے بھی ہیں۔  
اس کے بعد میں دل میں انفسوس کرتی رہی کہ یہ خاتم  
ناحق ایک باخدا شخص کی جان لینے میں اور اپنی خیالات  
کی وجہ سے میں نے رات کو کئی پریشان اور مبہم خواب  
دیکھے، دوسرے دن ابھی تھی کہ اور آٹاب اچھی طرح بند  
نہیں ہوئے پایا تھا کہ مر جان آئی اور کہنے لگی: ”چلو“  
زہر تو انہیں خورشاہ نے بلایا ہے۔“

میں: (پریشانی کی صورت بنا کے) کیوں؟  
مر جان: میں کیا جانوں، مگر اسی وقت چلو۔  
مجبوراً میں اس کے ساتھ کی اور وہاں جا کے دیکھا  
کہ وہ ایک خوبصورت لڑکی کے ہاتھ سے جام شراب پی  
رہا ہے، میری صورت دیکھنے ہی بولا:  
خورشاہ: تم کسی طرح حسین کے خیال کو نہیں  
چھوڑتیں، اگر میری آرزو پوری کرنے کا اقرار کرو تو  
جہیں اس سے ملائے گا کدھر کہوں۔  
یہ الفاظ سننے ہی میرے دل میں ایک خفیف سی

سرسر پیدا ہوئی، مگر اس کی شرط بالکل ایسی تھی جیسے  
شریت کے جام میں زہر ملا ہوتا ہے، میں نے کسی اور  
خیال کو دل میں دبا کے کہا: ”اگر آپ کے رحم نہ سمجھان  
سے ملا دیا تو زندگی بھر جلوتی رہوں گی۔“  
میرے اس جواب سے وہ خوش ہوا اور فوراً ایک  
دوسرے خط کا مسودہ دے کر کہا: ”اس کو اپنے قلم سے  
صاف کر دو۔“ یہ مسودہ تھا جس نے لے کر پھر حال اور  
خورشاہ کی طرف دیکھ کے پوچھا: ”اب تو حسین اس وادی  
سے چلے گئے ہوں گے۔“

خورشاہ: نہیں، اس نے تمہارے خط کی ذرا بھی پروا  
نہیں کی، اسی طرح قبر کا ماحور بنا بیٹھا ہے، تم اسے وفا  
اور سچا جانشین سمجھتی تھیں، مگر وہ تمہاری پروا بھی نہیں کرتا،  
اس دل شکن وادی میں اس کا ایسا دل لگ گیا ہے کہ اب  
تمہارے حکم کو بھی نہیں مانتا۔

میں: نہیں، وہ ایسے با وفا ہیں جیسا کہ میں سمجھتی  
ہوں، جس طرح میری جدائی گوارا نہ تھی، اسی طرح اب  
انہیں میری قبر کی مخالفت گوارا نہ ہوگی۔  
حسین: (جوش میں) ان کیلئے چنگیز زہر اور صرف اسی  
خیال سے میں نے تیرا حکم نہیں مانا۔  
زہر: خیر، میری زبان سے یہ باتیں سن کے اس  
نے ایک جرأت کے ساتھ کہہ کر دیکھا اور اس قدر پست  
آواز میں بولا: ”یہ مسودہ جلدی صاف کر دو کہ وہ تم سے  
ملنے کا سامان کرے، مجھے اس مسودے کے پڑھنے ہی  
حیرت ہوئی، پرستی جاتی اور دل میں کتنی جاتی تھی کہ یہ  
لوگ کس قدر رکھار اور فریبی ہیں، بہر حال، میں نے خط  
صاف کر کے دے دیا اور چلی آئی، دوسرے دن مجھے مر  
جان کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ خط ہمارے پاس پہنچ دیا گیا  
اور اس سے غرض بھی کہ جہیں شیخ علی و جودی کا مستحق بنا  
دے انہی کے درپے سے امام نجم الدین نیشا پوری  
تمہارے ہاتھ سے قتل کرائے جائیں، اس سلسلے میں تم  
جنت کی سیر کرو اور مجھے تم سے ملنے کا موقع ملے، حسین!

راستے میں وہ چالیس ہزار جوان اور خدام مل گئے جو تمہارے ساتھ آئے تھے، اب کل نوے ہزار تاتاری میرے ہمراہوں میں، مگر ان میں سے صرف پانچ ہزار آدمی اندر لایا ہوں، اس لئے کہ راستے کی دشواریوں کے باعث اس سے زیادہ فوج کا یہاں لاننا غیر ممکن تھا۔

بلخان خاقان: اور باقی ماندہ فوج نہر کے کنارے پڑی ہوگی۔

ہلاکوخان: نہیں، میں نے کسی منزل چیتر سے اپنی فوج کے چالیس ہزار آدمی قلعہ الموت پر پہنچ دینے تھے جو آج ہی پہنچ گئے ہوں گے اور قلعے کے اندر سے ہماری ٹبل و قزاقی آواز سننے ہی پر دشمن کریں گے، نہرویرجیان کے کنارے پہنچ کر جب معلوم ہوا کہ زیادہ آدمی یہاں تک نہیں پہنچ سکے تو میں نے طوفانی خان کو باقی ماندہ فوج کا سردار مقرر کر دیا کہ وہ بھی الموت ہی پر جا کے حملہ کرے، اس کے ساتھ ۳۵ ہزار فوج ہے، مجھے خبر تھا کہ یہ لوگ وقت پر پہنچ سکیں گے، مگر اتفاقاً خوش قسمتی سے ایک سہیل کا کوہستانی شخص مل گیا، جس نے بتایا کہ الموت بہت غریب ہے، زیادہ سے زیادہ پانچ گھنٹے میں پورا لشکر وہاں پہنچ سکے گا، میں نے طوفانی خان اس شخص کو ساتھ لے لے گیا ہے اور یقین ہے کہ قلعہ کی دیواریں وہ بھی قلعے کے بجائے پر پہنچ گیا ہوگا، خیر یہ بتاؤ کہ قلعے کا راستہ کدھر ہے؟

بلخان خاقان: تو یہاں تھوڑی دیر بچھڑ کر سنا، پھر چلتا ہی، ہمیں منزل مارے اور تھکے ماندے چلے آ رہے ہو۔

ہلاکوخان: (خس کے) ہمارا آدمی اس میں ہے کہ جو شرعاً دکھانے کو کوئی اچھا میدان جنگ ملے، جب تک فتح حاصل نہ ہو، اسے اس وقت تک کوئی چیز ہماری تھکان کو نہیں مانتی، اب یہاں تمہارے تھکنے کا مجھے لحاظ ہوتا ہے مگر تم مجھ سے پہلے ہی یہاں پہنچ چکی ہو اور ہر طرح مستیاں ہو، لہذا اب کسی بات کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔

حسین: (جوش و خروش سے قدم آگے بڑھا کے) حضور بے شک انتظار نہ کرنا چاہئے، میں ان لوگوں نے انتظار کیا ہے اور میرے ہاتھ سے ایسے گناہ کرانے ہیں کہ جب تک ان میں سے خاص شخصوں کی جان نہ لے لوں گا، یقین نہ پڑے گا، ہر وقت میرے دل سے انتقام کی آواز بگیتی ہے، پریشان ہوا جاتا ہوں۔

ہلاکوخان: (سکرا کے) ہاں، ذرا بیان تو کرو کہ تمہیں کیوں غریب دیا گیا تھا؟

شاهی حکم کی قیل میں حسین نے اپنی سرگزشت مختصر الفاظ میں بیان کی اور آخر میں ابدیدہ ہو کر کہنے لگا: ”میں اس زمرہ کی محبت کے کام سے اتنے بڑے اور ایسے فریب دینے کے ہیں کہ جب تک زندہ ہوں اپنے اوپر لعنت کروں گا۔“

ہلاکوخان: (حیرت سے) واقعی، ان لوگوں نے دنیا کو ماریاں اور باریاں کاری کا عجب ڈال ڈال رکھا ہے اب اس قلعے کی فتح کے بعد میرا ارادہ ہے کہ ملاحدہ کی نجاست سے ساری دنیا کو ایک کر دوں۔

حسین: (اگر کیا ہوا تو خدا تعالیٰ آپ سے بہت خوش ہوگا اور دنیا بھر کے لئے آپ کے مبارک اسطیخا منہوئی احسان ہوگی۔)

ہلاکوخان: تو چلو، اب تاخیر میں نقصان ہے، ہماری فوج جو قلعہ کے گھر بھری ہوئی ہے، مزدور پریشان ہوگی۔

زمرہ: یہ کام میرے ذمے ہے، حضور! آپ کی اس لوبڑی کے سوا کوئی اس راستے سے واقف نہیں ہے، مگر اپنے ہمراہوں کو حکم دیتے کہ جب تک محل کے اندر نہ داخل ہوئیں، نہایت خاموشی سے چلیں، پہلے سے خبر ہوگئی تو محل کرنے کا پھانچا بند کر لیا جائے گا اور پھر قلعے کی طرف جانے میں ہی بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔

زمرہ کی ہدایت کے مطابق ہلاکوخان نے اپنے تمام ساتھیوں کو ساکت و صامت اور آہستہ قدم اٹھانے کا حکم دیا، وہ پانچ سو تاتاری جو قزاق مرقم سے شہزادی کے ہمراہ

آگے تھے اور اب اس پانچ ہزار فوج کے بعد وہ جنت کے اندر داخل ہو گئے تھے، وہی جنت میں چھوڑ دینے گئے تاکہ اسیر شدہ حورو غلامان کی حفاظت کریں، ہلاکوخان الموت کے قصر شاہی کی طرف اس شان سے روانہ ہوا کہ آگے آگے حسین تھا، اب اسے کسی تاتاری جوان سے ایک گول مار گئی تھی، جسے وہ غضب اور انتقام کے ارادے سے علم کئے ہوئے تھے، اس کے پیچھے خود ہلاکوخان تھا جس کی دہائی طرف بلخان خاقان اور باقی سب طرف زمرہ کی طرف تھے پانچ ہزار تاتاریوں کا غول تھا، جو باوجود ازدحام و جوش و خروش کے نہایت ہی سکوت و متانت کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا چلا جاتا تھا، شہر ویرجیان کے اس طرف تمام چمن اور دلکش قطعات باغ ملے کر کے پر سکوت گرد و شہری بل پر پہنچا، زمرہ نے بڑھ کر بل کا قفل کھولا، آج صبح ہی کو راستہ روکنے کے لئے اس بل میں قفل ڈال دیا گیا تھا، بل کا پھانچا کھلتے ہی سب نہر سے اتر کے ایک پر نفسا اور دلش سرخ مرابیں داخل ہوئے اور زمرہ کے بتانے کے مطابق ایک خوش نما اور خوش گوار راستے سے گزر کر بڑے بڑے سایہ دار درختوں کے ایک جھنڈ میں پہنچے، انہیں درختوں کے گھونگھٹ میں نرسن الدین خورشاہ کے محل سرا کا خوب صورت دروازہ چھپا ہوا تھا، دروازے کی صورت دیکھتے ہی یہ لوگ دوڑ کے اندر گھس گئے اور قفل اس کی صورت کے خوبصورت لوبڑی کی لوبڑی کو قطع کر کے خوش نما درختوں کے محض غائب باغ میں جا پہنچے جو اپنی شادابی اور کاشی میں الموت کی جنت کے نہ تھا۔

ان غفل اندازوں کی صورت دیکھتے ہی چند ساتھی جو پہرے پر متعین تھے، اپنا سلاح لے کر دوڑے، مگر جب دیکھا کہ تاتاریوں کا ایک لشکر ہے تو وہ بدحواس بھاگے، دو چار مارے گئے اور بقیہ ایسیف نے بھاگ کے سارے محل اور قلعے میں مل چل ڈال دی، قلعے میں مذہبی عید کی گھنٹ بجا لائی جارہی تھی اور بیرونی اور تیز بھان کے

لوگوں کا بڑا بھاری مجمع تھا، اگر حراس سے کام لیا جاتا تو ممکن تھا ایک معرکے کی لڑائی ہو، مگر تاتاریوں کی نیت ان دونوں ساری دلائل پیشی ہوئی تھی، ان کے قلعے میں داخل ہوجانے کا نکتہ ہی سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، خود خورشاہ جو گھڑا خلیفہ بڑھ رہا تھا، مہر سے اتر کر بدحواس بھاگا کہ کسی کو کہنے میں جا چھپے، مگر جانے پایا تھا کہ محل کی نازک اہم اور پری جمال عورتیں پر ہنس پا بھاگ بھاگ گئے کہ آئیں اور قدم پر اس کے دستانے لپٹ کے پناہ مانگی تھی، اس وقت یہاں اس کی خبر تھی کہ قلعے کے گرد سے ایک بھی بڑا بھاری اور عظیم تاتاری لشکر حاصرہ کئے ہوئے ہے، بادشاہ اور معتقدوں کی بدحواس دیکھ کر تمام ساتھی اور اہل قلعہ، داعی اور فدائی قلعے کے چھانک کھول کے بزدلی اور خوف کی آوازیں بلند کرتے ہوئے باہر نکلے، جن کے نکلنے ہی قلعے کے اندر کے مقلی بل اور قزاقی اور تاتاریوں کے باہر والے تاتاری لشکر نے قومی باجوں کی آواز سننے ہی خود اپنا بل بھجایا اور فرار کر دیا، بھاگ کے باہر جانے والے، تاتاری لشکر کے متلاطم سندر کو ایک طوفان کی طرح اس کی طرف آتے دیکھ کر نہایت ہی از خود گئی کے ساتھ الٹ پھرنے جن کا طوفانی خان کے لشکر نے بڑی بھرتی سے تعاقب کیا اور باہر کے جان بازوں کو لٹے لٹے ہوئے قلعے کے گھر گھر پڑے۔

اب قلعے کے اندر خوش طوفان تھا، ہر طرف قفل عام کا سا ساں نظر آ رہا تھا، بوڑھے سنے بڑے اور ود، اہل حرفہ اور سپاہی سب بلا اشتہار امتیاز کھڑے ہو رہے تھے، ایک عجیب ہنگامہ تھا جس میں تیز اور تیز سے، تلوار اور چھری اور گرز اور تکی ہولناک آوازیں کے ساتھ تاتاری لیبروں کی وحشت ناک چیخیں، عورتوں اور بچوں کی آہ و زاری اور رونے پینے کی آوازیں ایک ساتھ سنی جاتی تھیں، ہلاکوخان اور بلخان خاقان کے ہمراہی خورشاہ کے محل میں ایک ایک بلان میں گس گئے خود وہ عورتوں، مردوں اور حضوں اور بچوں کو نکال نکال کے بٹکانے ہوئے



اس بڑے میدان میں لائے جس جگہ جمنٹ پہلے عید کا جشن ہو رہا تھا اور بیش و سرست کے پرچوں نے خرمے بلند ہو رہے تھے، دوسری طرف سے بھاگتے والوں کو طوٹی خان کے ہمارا بیوں نے نہایت ہی بددعاؤں کے ساتھ پٹکا کے اندر کیا، وہ بھی اسی میدان میں آ کے مظلم و پریشان حال دوستوں سے انصاف کی طرح ڈرائے گئے، کسی کو اپنے پرانے کا ہوش نہ تھا، ہر شخص کے حواس غائب تھے اور دن میں سے کسی کو پتا نہ تھا، بیٹوں یا ڈوٹے والوں کی طرح اس کے دامن سے لپٹ کے پناہ مانگا، یہ دل خراش منظر مگر دے دل پر نہایت ہی اثر کر رہا تھا، وہ ان لوگوں کی بے کی دیکھ کر رو اٹھی تھی، کسی مرتبہ تلے کی بعض تیز دھڑکتیوں کے ساتھ اس کی بان سے بھیجی ہوئی کی آواز نکلی تھی، زمرہ کی پریشانی دیکھ کے بلخان خاتون اس کے قریب آئی اور کہنے لگی: ”میرا دامن چائی کر تہمارا دل اس قدر کڑو رہے تو تم میرا کس گزند لائے؟“

زمرہ: (روکے) شہزادی، سب میرا کیا ہوا ہے، جو خون کا قطر اور وقت قلعے میں گر رہا ہے اور گھر گاہ۔ اس کے نگاہ میں ہر اہرام بھی لگسا لگاوا گارو لنگن نہیں کہ اس کے انتقام سے صف سکوں۔

بلخان خاتون: یہ صرف تمہارے دل کا بودا ہیں ہے ورنہ ان لوگوں کا قتل کرنا کتنا دشمنی و ذرا تو خیال کرو کہ اس وقت ہم کیسے عقدر بزرگوں اور نابرہروں کو کاہل لے رہے ہیں، جتنے لوگ یہاں مارے جائیں گے ان سے زیادہ روئیں اس وقت خوش ہو رہی ہوں گی اور ہمارے لئے خدا سے مغفرت کی خواست گاہ ہوں گی۔

زمرہ: (پچکیاں لے کے) جو کچھ بھی ہو مگر شہزادی مجھ سے ظلم و جور نہیں دیکھا جاتا۔

بلخان خاتون: جب یہ ظلم و جور دل پر اثر کرے تو ان مظالم کو یاد کرو جو ان ظالموں کے ہاتھوں دیا رہے ہوتے رہے ہیں۔

تھوڑی ہی دیر میں تلے کی نصف سے زیادہ آبادی

قتل ہو گئی، لاشیں ہر طرف ترپ رہی تھیں، ہر طرف سے پھرتی ہوئی آتش، ایک مقام پر بہت سی جمع ہو چکی تھیں اور ایک دوسری کو بتیں اور ہاتھ پٹ لپٹ کے چلتی تھیں، مگر قاتلوں کا خیال بھی اس طرف نہ جاتا تھا، ہر دہر دہر و گرا گرا کے انہیں ترپتی ہوئی لاشوں کے تو دوس کی طرف بڑھا رہے تھے۔

اب ہلاکو خان اکی ممبر پر کھڑا تھا جس سے خورشاہ خطبہ کو تمام چھوڑ کے اتر تھا، ہر بندہ خون آلود گواراں کے ہاتھ میں کی اور اس کی بہن شہزادی بلخان ممبر کے پیچھے اس کے قریب ہی کھڑی تھی، حسین اگر یہ فوجی آدمی نہ تھا، مگر اسے انتقام کا پورا موقع ملا تھا اور دل کی آگ ملاحہ دے قتل کی بیاس کو تیز کر رہی تھی تاہم اس کی میخیز میں کھس کھس کے وہ ان خاص لوگوں کو صوبتا پھر تھا جنہیں اس نے پہلے سے اپنا شکار تجویز کیا تھا، تاہم ایک شخص دوڑ کے اس کے دامن سے لپٹ گیا اور اس کے منہ سے آواز نکلی۔

”حسین مجھے بھلا میں جانتا ہوں کہ تو شجر معرفت کی ایک شاخ ہے،“ حسین سمجھا کہ یہ کام ختم ہو چکی ہے، دل میں آئی کہ ایک ہی وار میں اس کا سر اڑا دو مگر خوبی سوچا کہ اس سے طور معنی اور سلی وجودی کا پتا بت جائے گا، یہ خیال آتے ہی ذرا دودھ کی شان سے کاظم جوئی کی طرف جھک کے پوچھا: ”طو معنی کہاں ہے؟“

کاظم جوئی نے یہ الفاظ سنتے ہی سر اٹھا کر چاروں طرف دیکھا اور ایک شامت حال بڑھے کی طرف جوئی آدمیوں کے درمیان زمین پر گئے سر بیٹھا تھا، اشارہ کیا اور پھر زمین پر گر کے کہنے لگا: ”اے شجر معرفت! مجھے چاہ دے۔“ حسین نے غضب آلود تہوروں سے اس کی ذلیل خوشامد کو دیکھا اور یہ کہہ کر کہ تجھے بھی ذلیل فرجی کے لئے پناہ نہیں ہے، اس کا سر اڑا دیا۔

کاظم جوئی تورا پتہ چھوڑ کے وہ اس بڑھے کی طرف گیا اور دیر میں پچکان کا سر طو معنی وہی ہے، حسین نے

اس مجمع کے اندر ہاتھ ڈال کے اسے باہر کھینچا اور کہا: ”آج تو میں نے ستر ہزار حجاب خودی چاک کر ڈالے اور طور سینا کو بے حجاب دیکھ رہا ہوں۔“ یہ جملہ سنتے ہی طور معنی نے حیرت و استعجاب سے حسین کی طرف دیکھا اور کہا: ”اے نوجوان! تو کون ہے کہ مدح حقیقت سے آگاہ معلوم ہوتا ہے؟“

حسین: باب، خواب ہوں، مگر آپ نے شاید مجھے نہیں پچکانا؟

طو معنی: نہیں، بالکل نہیں۔

یہ جواب سنتے ہی غصے میں آئے حسین نے اس کے منہ پر تھوکر دیا اور کہا: ”اے تو وہ کشف تھا کہ کفر اس کے کہ میری صورت دیکھے اور میری آواز سے بتو نے کہا تھا، اے نوجوان احمی، مر حبا، یا آج مجھے دیکھ کے بھی نہیں پچکانا؟“ تیری سب سازشیں مکمل کی ہیں اور معلوم ہو گیا کہ تو کتنا بڑا مکار و بد معاش ہے۔“ اس جواب پر طور معنی جھک کر حسین کے قدم چوم لگا اور وقت و بدحواسی کی آواز میں بولا: ”میرے جوان احمی!“

حسین: ہرگز نہیں، بلکہ ایک قند ہے جس سے دنیا کو جہاں تک ہو سکے جگہ خالی کرنا چاہیے، یہ کہہ کر حسین طو معنی کے سینے پر چڑھ بیٹھا، توار میں بڑا دل دی اور کمرے خنجر نکال کے بولا: ”مجھے وہ فائدت کا خنجر ہے جو میری کمر میں بندھوایا گیا تھا، اسی سے میں نے امام ناصر الدین احمد سے نیک نفس بزرگ کی جان لی تھی اور اسی سے تیرا ناپاک یہ سب چاک کرنا چاہتا ہوں۔“ طو معنی کچھ کہنے لگا کہ حسین کا خنجر اس کے سینے میں اتر گیا اور ایک ہی وار میں اسیاں گزر کر نوکر ایک آدھ کے ساتھ جان لے دی، حسین اپنی تلوار لے کے آٹھ کڑھ اہوا ہر مگر چلی طرح کھڑا نہیں بلایا تھا کہ دیکھا کہ دس قاتلے پر ہلاکو خان کے قریب ہی ایک تاتاری کی ضعیف اہم بڑھے کو اس کے عمل سے بے ہادہ کر بیٹھا رہا ہے، حسین اسے دیکھتے ہی پچکان گیا کہ کھلی وجودی ہے، بے اختیار دوڑا اور پکڑی کو

دووں ہاتھوں سے پکڑ کے چلایا۔“ یہ میرا جرم ہے۔“ تاتاری کیلے؟ گرفتاری میں لے گیا اور جرم چھدا ہو گیا؟ حسین: ہاں! اس لئے کہ یہ میرا قدیمی جرم ہے۔ اس جملے کے ساتھ ہی ہلاکو خان نے اس تاتاری کو اشارہ کیا کہ اس قیدی کو حسین ہی کے پردہ کر دے، حسین نے علی وجودی کو اسی طرح اس کے غمے کا ایک چھپکا دے کر دریافت کیا: ”مجھے پچکانا!“

علی وجودی کچھ ایسی مایوسی اور خود رگگی کی حالت میں تھا کہ اس وقت اس نے دیکھا ہی نہ تھا کہ اس کے سر پر کیا کڑی رہے اور اس کے ہاتھ میں گرفتار ہے، حسین کی آواز سن کے اس نے سر اٹھایا اور پچھلتے ہی چلا اٹھا: ”آہا! حسین! مجھے تیری جو بھی، جب قاتلہ عمر سے تیرے نکالے جانے کی خبر معلوم ہوئی تو مجھے بڑا صدمہ ہوا، غصوں! اگر تو میرے پاس آ جاتا تو اس طرح کا کام نہ ہوتا۔“

دراصل علی وجودی یہ نہیں سمجھا تھا کہ حسین اب اس کے عقائد کے خلاف ہے، اسے خیال نہ کرنا کہ اب تک میرا معتقد ہے اور اسی وجہ سے مجھے تاتاریوں سے چھڑکے گا، میری پیری اور بھائی سے یہاں لایا ہے۔

حسین: (عقیدت کی شان اور غم سے کام لے کر) سر چھوڑا کہ اگر آپ کو تو فیب کی باتیں معلوم ہوجاتی ہیں۔ آپ سے میرا لہوئی میں بے شک دریافت کر لیا ہوگا کہ میں کن پہاڑوں اور کن گھاٹیوں میں سر کرنا پڑتا تھا۔

یہ سن کر علی وجودی نے حسین کو بدگمانی کی نظر سے دیکھا اور کہا: ”میرا لہوئی اسی وقت ہوتی ہے جب انسان توجہ کسی سے کام لے، دراصل میں نے تیرا حال دریافت کرنے کی جانب بھی توجہ نہیں کی تھی۔“

حسین: مگر یہ امید نہ تھی کہ مجھ سے عقیدت کیش کو آپ بالکل چھوڑ دیں گے۔

علی وجودی: او حسین! یہ قندہ کیوں کر ہوا؟ یقین ہے کہ تجھے معلوم ہوگا، اے لئے کہ تیرے کہنے سے تاتاریوں نے میری جان چھوڑ دی۔

حسین: آپ کو پوچھنے کی کیا ضرورت ہے، آپ کو ہر امر واقعہ اور توفیق ملی سے معلوم ہو جاتا ہے۔

علی: وجودی، اتنا جاننے پر بھی عالم ارواح کے رموز سے نا آشنا تھے، جن لوگوں کو ان رموز میں کمال حاصل ہوتا ہے، انہیں بھی اپنی خبر نہیں رہتی، سنا نہیں:

گھگھے بسر طارم اعلیٰ نشینم  
گھگھے بسر پشت بناتے خود نہ بنیم

حسین: رکن الدین خورشاہ نے مجھے جنت میں بھیجے اسے انکار کیا اور اپنے قلعے سے نکلا اور اس کے بعد ماپوئی بھی اور جب بے کسی کی حالت میں تھا، انہوں اس وقت آپ نے خبر نہ لی، مگر معاملہ درگوں ہونے والا تھا، نقد پر نے مجھے ایک اور شخص سے ملا دیا اور اب اس کی برکت و رہبری سے جنت میں پہنچا اور زمرہ سے ہم کناری نصیب ہوئی، انہوں! کہ اب میں آپ کے مریدوں سے نقل کیا اور اس کے مریدوں اور معتقدوں میں شامل ہو گیا ہوں۔

علی: وجودی! وہ کون شخص ہے؟

حسین: تاتاریوں کا سردار ہلاکو خان، اور اس کی شراط حسب ذیل ہیں:

علی: وجودی! یہ سنتے ہی سر سے پاؤں تک کانپ کے حسین کی صورت دیکھی اور پوچھا: ”وہ شراط کیا ہیں؟“

حسین: وہ یہ کہ آپ مجھے جنتے مکار اور یہ کارملا حدہ ملیں، ان کا سرتن سے جدا کروں۔

علی: وجودی: (سہم کے) اور ایسے خالما نہ احکام بجا لانے میں تمہیں تامل نہیں؟

حسین: بالکل نہیں، اس کا سبق تو آپ ہی سے مل چکا ہے کہ مرید کو مرشد کے ہاتھ میں ایک بے جان آلے کی طرح رہنا چاہئے، ہر ظاہر کا ایک باطن ہے اور اس کا باطن میرے مرشد کے نزدیک بہت ہی اچھا اور خدا کی درگاہ میں مقبول ہے۔

علی: وجودی نے شرا کے اور مرشد کا کیا اور کہا: ”مگر جو

کچھ بھی ہو، تمہیں رحم سے کام لینا چاہئے۔“ اس جواب سے حسین کو بہت غصہ آیا، مگر اس نے ضبط کر کے اپنے تئیں روکا اور کہا: ”جب تک خدا کو پسند نہیں ہے اور اسی وجہ سے امام نجم الدین نیشاپوری کی روح آج تک بیکار بیکار کے کہہ رہی ہے کہ یہ راخون علی و جودی کی گردن پر ہے۔“ یہ سنتے ہی علی و جودی سر سے پاؤں تک کانپنے لگا اور خودی پر بعد جب اس کے دوزار کوں ہوا تو یوں:

”مگر میرے تمہارے ساتھ ایسے تعلقات رہ چکے ہیں کہ مجھے تم سے بے رحمی کی امید نہیں۔“

حسین: امام نجم الدین نیشاپوری سے زیادہ مجھے آپ سے نقل نہیں رہا، وہ میرے چچا تھے، استاد تھے، مرشد تھے۔

اب علی و جودی کو خوف نے اس کے اختیار سے باہر کر دیا، وہ ایک دفعہ روتا ہوا حسین کے قدموں پر گر اور چلایا ”مزم زم!“

حسین: ہرگز نہیں، ہزار بار پاک اور مقدس روحم فریاد کر رہی ہیں جو یقیناً اب تمہاری نظر کے سامنے ہوں گی اور تمہیں چاروں طرف سے دھمکائی ہوں گی۔

اور بے شک علی و جودی کی اس وقت یہی حالت تھی، وہ بار بار چاروں طرف گھبرا گھبرا کر دیکھتا تھا اور ہر طرف اسے کوئی غلط فہم تصور سمجھ رہی اور انہیں خود سے دھمکانی ہوئی نظر آتی تھی، ایسی ہی حالت میں جب اس کے چاروں طرف چھریاں ہی چھریاں نظر آ رہی تھیں، حسین نے اپنے تجربہ کو کر سے نکالا اور اس کی آنکھوں کے سامنے کر کے کہا: ”یہی وہ تجربہ ہے جو تھے ملا تھا اور امام نجم الدین نیشاپوری اور امام نصر الدین احمد کے سینوں میں خاص تمہارے حکم سے اور میرے ہاتھ سے اتر چکا ہے، یہ تجربہ آج تک باقی ہے اور صرف اس لئے کہ تمہارے سینے میں خاص میرے ہاتھ سے اتر جائے، اسے اسی طرح پہچان لو اور تیار ہو جاؤ کہ انتقام کا وقت آ گیا۔“

علی و جودی: ”مجھے نہ بارو، اب میں کبھی مذہب

باطنیہ کی طرف ناداری نہ کروں گا۔“

حسین: تمہارا یہاں یہ عہد میرے دامن سے خون کے دھبے نہیں چھڑا سکتا جو تمہاری سیرہ چاروں سے لگے ہیں۔“ یہ کہہ کر حسین نے علی و جودی کو زمین پر گرایا اور اس کے سینے پر چڑھ کر اس کا پنجرا اس کی آنکھوں کے سامنے پیش کیا اور کہا: ”یہ دیکھو اور خوب پہچان لو کہ یہ وہی تمہارا تجربہ ہے۔“

در حقیقت علی و جودی کی موت بری موت تھی، اس وقت تمام گناہ طرح طرح کی بیباک مصروف کا جامہ پہن کر اس کی آنکھوں کے سامنے کھڑے تھے، وہ ہزار بار غلطیوں و دلوں کو دیکھ رہا تھا جو کچھ رکھا رکھا کر کے ڈرا رکھا رکھی تھیں، اس نے گھبرا کر انہیں نہ دیکر نہیں اور حسین نے کہا: ”خدا کے لئے چھوڑو، میری بے کسی پر رحم کھا۔“

حسین: نہیں، جس دل میں خودی خدا کا خوف اور ترس نہیں، اس پر ترس کھانا گناہ ہے۔

علی و جودی: ”تو کم بہت! انہیں جلدی کام تمام کر، تاکہ ان بلاؤں سے بچنا چھوٹے جو مجھے میرے ہوئے ہیں۔“

حسین: میں فقط اتنے ہی کے لئے تامل کر رہا ہوں کہ تجھے موت کی نازک اور خطرناک گری کا کاچھوچھو مزہ مل جائے تو تیرا کام کروں۔

اب علی و جودی بہت بے تاب تھا، حسین کے نیچے دبا ہوا تھا اور حسین اس کا دیا ہوا پنجرا اس کی آنکھوں کے سامنے پیش کر رہا تھا جس کی ڈاؤنی صورت سے ڈر ڈر کے وہ اپنا سر ادھر ادھر بنالیتا تھا۔ ”خدا کے لئے اس چیز کو میرے سامنے سے دور کرو۔“

آخر جب حسین نے دیکھا کہ بڑی دیر ہو چکی ہے اور اس قدر بے قراری قلعے کی ساری آبادی نقل ہو گئی ہے تو اس نے بھی تجربہ کو بھوک بھوک کے اور آواز دے دے کے علی و جودی کا کام تمام کر دیا، اب سب سے بڑے بہکانے

والے سے وہ انتقام لے کے پھر ہلاکو خان کے قریب گیا، اب تاتاریوں کو ٹکر کرنے کے لئے کوئی شخص نہ ملتا تھا، اتنے ہیوں نقل عام سے ان کی آنکھوں میں خون اتر گیا تھا اور بخون تلوں یا دوشی درندوں کی طرح ادھر ادھر دڑتے پھرتے تھے کہ تو اس کو ٹکر کر کے مل کا بخار دیکھنا، سوئے چند کس اور حسین مرقوں کے جولوٹ پاتا بنانے کے لئے بھالی کی تھیں، قلعہ الموت میں کوئی باقی نہ رہا۔

اب خراساں روئے الموت رکن لادین خورشاہ کی چچا تھی، لوگ دیر سے اسے دھوٹ رہے تھے، لیکن اس کا پتا نہ تھا، آخر ایک تاتاری تہ خانے میں گھس کے اسے پکڑ لایا، جیسے یہ ہلاکو خان کے سامنے لایا گیا اور تاتاری سالار کے آگے سر جھکا کر کھڑا ہوا، حسین نے جھپٹ کر ارادہ کیا کہ اپنے چچرے اس کا کام تمام کر دے، مگر ہلاکو خان نے چلا کے روکا اور کئی مغلوں نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

ہلاکو خان: یہ یہاں کا بادشاہ ہے اور بے کسی کی صورت میں بٹاوا ملتا ہوا آیا ہے، لہذا اس کی جان بخشی کر دینی چاہئے۔

حسین: حضور! اگر یہ بیچ رہا تو دنیا میں بہت بڑا فائدہ رہ جائے گا، یہ ساری سازشیں اور تمام خیریاں اسی کی ذات سے تھیں۔

ہلاکو خان: اب وہ سازش کرنے والے ہی نہیں رہے تو یہ کیا کرے گا، سب فری تو خاک و خون میں لوٹ رہے ہیں، یہ ایک نا تجربہ کار نوجوان دنیا کو ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

حسین: انہیں نہیں ہے کہ کوئی معتقد نہیں رہا ہو، مصر و شام سے لے کر سندھ تک ہر جگہ اس کے معتقد پھیلے ہوئے ہیں۔

ہلاکو خان: میں ان مقامات میں بھی جاؤں گا اور اس کے معتقدین سے دنیا کو خالی کروں گا، مگر اس کے لئے سب زمزم کافی ہے کہ جلاؤں کر دیا جائے۔ (اس کے بعد





# ایک ”بھاگ بھری“ کے قصے پر کچھ تبصرہ ہمارا

رضی الدین سید

کٹ گئی اور وہ شدت غم سے بے ہوش ہو گئے۔

اس تمام بیانے کے بعد مصنف نے آج کے والدین سے مخاطب ہوتے ہوئے انہیں مادری نصیحت کی ہے کہ آج کے جدید، سلیبرٹون، وی ڈی اور اینٹ کے دور میں زندگی گزارتے ہوئے والدین کو اپنی بیٹیوں کے حق میں اتنی سختی نہیں کرنی چاہئے۔ ان کے ساتھ ذات ڈیٹ کے بجائے پیار و محبت کا رویہ اپنانا چاہئے۔ وہ کہتی ہیں کہ والدین اب اپنی مثال میں بندیا کر سکتے ہیں۔ حقائق بدل چکے ہیں۔ آج بچوں کو گھر وں میں بند کر کے نہیں رکھا جاسکتا۔ آج ہر شخص کو اپنی طاقت کا اندازہ ہو رہا ہے اور اس کی قوت فیصلہ نشوونما پاری ہے۔ ان کے نامحدود الفاظ ہیں کہ ”خدا کے واسطے اس زمانے کے قوانین لاگو کرنے کی کوشش نہ کریں، جب لڑکیوں کو گھر کی دہلیز پار کرنے کی اجازت نہی، ہمارے مشرقی ممالک زیادہ تر پسماندگی کی تصویر ہیں۔ ابھی ہر ترقی یافتہ اقوام کی حیران کن ترقیوں کو دیکھ کر غصے کا شکار ہیں۔“ ریحانہ رونی تبصرہ کرتے ہوئے عرض کرتی ہیں کہ ”ہم اپنے بچوں کو سو پائل فون دے کر انہیں اپنی دنیا سے الگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور سنے ڈائل کی کاڈ سے

محترمہ ریحانہ رونی ہمارے ملک کی ایک نامور شاعرہ ہیں اور اسی کے ساتھ وہ ایک بڑی سرکاری ملازمت سے بھی وابستہ ہیں، شاعری کے ساتھ وہ گاہے گاہے روزنامہ جنگ میں کالموں کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار بھی کرتی رہتی ہیں۔ انہوں نے ایک ایسی نویر طالبہ کے بارے میں اظہار خیال کیا جس کے والدین اسے سخت گھرائی میں رکھتے تھے اور کی گھلوٹ محفل یا نہیں اکیلے جانے سے روکتے تھے، گھر میں بند رکھنا، روک ٹوک کرنا اور اسے وقف بھجنا اس کے والدین کا عام رویہ تھا جس کے باعث لڑکی کے ذہن پر سخت غمی اثرات پڑتے چلے جا رہے تھے۔ سوئے اتفاق کہ کالج کے ایک ہم عمر طالب علم کے ساتھ اس کی دوستی شروع ہو گئی جو بالآخر دونوں کی شادی کی خواہش کے ساتھ عروج پر پہنچی، علم ہونے پر والدین نے بیٹی پر مزید سختی شروع کر دی، حتیٰ کہ اسے اپنے کالج سے بھی دھتور وار کر دیا۔ ریحانہ رونی کہتی ہیں کہ اس کے بعد لڑکی میں بغاوت کے جذبات ابھرنے شروع ہوئے، یہاں تک کہ ایک دن اچانک چوہ لگا کر لڑکی اپنے گھر سے بھاگ گئی ہے، ظاہر ہے کہ اس کے بعد والدین کی ناک

کر ان سے توقع کرتے ہیں کہ وہ مغرب سے پہلے گھر لوٹ آئیں۔“

اوپر ہم نے نامور شاعرہ و مصنفہ کے اس مضمون کا خلاصہ بیان کر دیا ہے، جس میں انہوں نے اپنی ایک جاننے والی کے گھر کی صورت حال کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا اور پھر اس پر اپنا تبصرہ پیش کیا ہے۔ محترمہ ریحانہ رونی کے اس مضمون میں کافی حد تک سچائی ہے اور انہوں نے والدین کو بڑی حد تک درست نصیحتیں کی ہیں، گھر کے اندر سختی اور صبح و شام کی روک ٹوک بیشک نوجوان اولاد میں بغاوت کے جذبات کی ابھار سکتی ہے۔ اس لئے ان کا یہ نتیجہ نکالنا درست ہے کہ آج جبکہ ذرائع ابلاغ بہت ہمہ گیر اور بہت ”بولڈ“ ہو گئے ہیں۔ اپنی اولاد پر پل اذیتیم کے وہ خطرہ پندر ملڑ نہیں کرنے چاہئیں۔ لیکن اپنی بات یہ ہے کہ ان کا یہ مضمون محض ایک جڑی جاتی ہی ہے۔ ان کے مضمون سے جو بات ابھر کے سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ آج کے دور کے حساب سے اولاد اگر دوسرے لڑکے اور لڑکیوں سے روٹی بڑھانے، بعض مخلوق میں تباہی جانے کا مطالعہ کرے اور پھر آگے بڑھ کر ماں باپ کی مرضی کے خلاف شادی کرنا چاہے تو والدین کو اس معاملے میں فراخ دل ہونا چاہئے اور وقت اور حالات کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں ان ساری باتوں کی اجازت دے دینی چاہئے، ان کا خود یہ کہنا ہے کہ ”ماں باپ اپنے دور کی مثالیں نہیں دینی چاہئیں کیونکہ اب ذہنی حقائق بہت بدل گئے ہیں۔ ہر شخص کو اپنی طاقت کا اندازہ ہو چکا ہے اور ان کی قوت فیصلہ بھی آج نشوونما پاری ہے۔ سو خدا کے واسطے وہ اس زمانے کے قوانین لاگو کرنے کی کوشش نہ کریں۔“

ان کے یہ الفاظ بلکانے ہیں سارا مضمون ہی دراصل دے دیے الفاظ میں، ماں باپ سے بغاوت کرنے والی اور کسی انجینی اور موسم سے لڑنے کے ساتھ کوٹ میریج کرنے والی لڑکیوں کو حوصلہ افزائی کا سبق دے رہا ہے۔ اس مضمون سے اپنی بیٹیوں کی عقل و حرکت رکھنے والے والدین کی خدمت اور گھروں سے بھاگ کر والدین کی ناک کٹوانے والی لڑکیوں کی چھٹی کا پہلو نمایاں ہو رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ محترمہ شاعرہ نے دیدہ و دانستہ یہ سبق دینے کی کوشش نہ کی ہو لیکن لڑکیوں کو ان کی نصیحتوں سے موقف پر ”ڈوٹ جانے“ کا غیر محسوس سبق بہر حال مل ہی رہا ہے۔ اپنے اس مضمون کا عنوان بھی انہوں نے ”بھاگ بھری“ جیسے لہو لفظ رکھا ہے جس سے خود بخود یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ باغیانہ روش اختیار کرتے والی کم عمر اور نا تجربہ کار لڑکیوں کے اس اقدام کی کیا تائید کر رہی ہیں۔ اس کے بدلے اگر وہ اس کا عنوان ”بیوقوف لڑکی“ رکھتیں تو یہ زیادہ مناسب بات ہوتی۔



(Glamorous) دکھائی دے رہا ہے، وہ عملی زندگی میں محنت و مشقت کرنے کا عادی نہ ہو، بلکہ حرام و حلال غصے کا بہت تیز ہو۔ ریحانہ زوجی اگر قوم کی بیٹیوں کو یہ بھی نصیحت کرشمہ کہ جن والدین نے انہیں پالیں آپس کر آج کسی قابل کیا ہے، مگر سب بھاک کر اور کوٹ بھر بن کر کے تم ان کی عزت کو ایسا بے نہ لگاؤ کہ پھر وہ ساری زندگی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں، راہ راست واضح کرتے ہوئے وہ انہیں بتا سکتی ہیں کہ شادی تو ویسی اچھی ہے، جس میں ماں باپ، بھائی بہن اور عزیز و اقارب سب شریک ہوں، بے شمار پسند کی شادیاں آج کے دور میں خصوصاً علیحدگی، طلاق، مار پیٹ اور خود کشی پر انتقام کے لڑکیوں کو بھائی اور ماموں کے اکثر خطوں میں ایسی لڑکیوں کو بھائی اور ماموں وغیرہ کے ہاتھوں موت کے گھاٹ بھی اتار دیا جاتا ہے جو اگرچہ غلط عمل لیکن بہر حال ایک عملی حقیقت ہے، لیکن معذرت کہ انہوں نے ان میں سے کوئی بھی نصیحت آج کی نوجوان، معصوم اور ذرائع ابلاغ کی ماری ہوئی لڑکیوں کو نہیں کی۔

اگر والدین کا اپنی بیٹیوں پر تشدد کرنا اور ان پر بے جا پھرے لگانا پابندی نہ فعل ہے تو لڑکیوں کا ”دعوت“ دینے والے ابلاس پہننا، انہیں ناواقف لڑکوں سے آشنائی کرنا اور اجتماعات کے ”جگ تہائی“ میں والدین کی بے خبری کے ساتھ ”راز و نیاز“ کی باتیں کرنا بھی پسندیدہ فعل نہیں، اگر ہم مسلمان ہیں تو آخر اسلام کو کہیں تو کارفرما ہونا چاہئے! اکثر واقعات یہ بھی ہوتا ہے کہ لڑکے اور لڑکی میں کوئی میریج سے قبل کم از کم ایک بات تو وہ ”ناگوار“ تعلق قائم ہوئی چکا ہو طرح جس کا ذکر کرتے ہوئے بھی دکھ ہوتا ہے اور اس طرح دونوں کی پہلی اولاد پر ”ناجاننا“ ہونے کا شہ زائد کی باقی رہ جاتا ہے محبت کے جذبات نہ صرف اٹھتے ہوئے ہیں بلکہ ٹوٹا بی بھی ہوتے ہیں اس لئے ہماری مذکورہ بات کو کھنچ ”انزائم“ اور

”مالہ آسانی“ کہہ کر روئیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ سب حقائق زمانہ ہے۔

محترمہ سیدہ صاحبہ نے جس گھر انے کا ذکر کرتے ہوئے والدین کے رویے کو ان کی بیٹی کے سن میں غیر متوازن قرار دیا ہے، انہوں نے انہوں کے پاس میں انہوں نے بھی محض یک طرفہ فیصلہ کی ہے، توازن نہ رہا تھا تو توازن نہ اچھے ہے۔ مذکورہ والدین نے ایک لڑکی پر تمام سختیاں روا رکھی ہیں تو محترمہ مصنفہ نے بھی لڑکی پر اپنی تمام سختیاں بٹھا کر دی ہیں!

خدا ہمیں توفیق دے کہ کسی بلند مقام پر پہنچ کر تجربے اور وعظ و نصیحت کرتے ہوئے ہم انسانی امور بھی کا فرما ہونے کا موقع دیا کریں۔ ماں باپ سے بغاوت کر کے شادیاں دینا والے جوڑے پھر ایک نئے عرصے تک دونوں طرف کے عزیز و اقارب سے کٹے رہتے رہتے ہیں۔ نذر لڑکے کے والدین انہیں قبول کرنے پر تیار ہوتے ہیں اور نذر لڑکی کے والدین انہیں اپنا کرنے میں پھر بچوں کے تانا، ماموں اور دادا اچھا کچھ نہ پاتی نہیں رہ جاتے۔ یہ ہمارے وطن کی جیاد اور کھسے والی بیٹیاں، انہیں کس ایک ایسے اور مشفق رہبر کی ضرورت ہے..... اور ہو سکتا ہے کہ یہ اچھی اور مشفق رہبر بھی خود ریحانہ زوجی صاحبہ ہی ثابت جائیں!

☆.....☆.....☆



وہ ایک کھاتے پیتے گھرانے کی فرداظر آ رہی تھی، لیکن اس کے چہرے پر غم و کرب کے تاثرات اس کی شخصیت میں ایک عجیب سے حزن و ملال کی کیفیت دکھائی دے رہی تھی، آتے ہی اس نے پہلے کچھ کپڑوں طرف دیکھا اور پھر مجھے سے مخاطب ہو کر کہنے لگی: ”کیا میں بیٹہ سکتی ہوں؟“

”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ..... ضرور“ میں نے مسکرا کر اس سے کہا۔

”علیکم السلام“ میں نے جواب دیا۔

صرف علیحدگی نہیں ”علیکم السلام“ میں نے اس کو لکھا۔

”اودھوری عادت نہیں ہے ناں۔“ اس نے عجیب انداز میں کہا۔

”میرا نام نکل ہے“ اس نے اپنا تعارف کر دیا۔

”کچھ نہ دہی، کچھ پریشان کی لگ رہی ہو“ میں نے نکل سے کہا۔

”کمال ہے میرا چہرہ ہو کر پڑھ لیتا ہے، ہو کر پڑھ نہیں کرتی، ہر کسی کو گھر کی کھری سنا دی ہوں، میری ساس، میری تانی جی جگہ میری دیوانی، میری بہن عی کی بیٹی ہے، مگر کھس سب نے مجھے اتنی زیادہ اہمیت دی ہوئی ہے کہ مجھے گلتا ہے کہ ان کے رویے معصومی ہیں اور

”پھر اس طرح اداس اور غم زدہ کیوں رہتی ہو۔“ میں نے اسے کہا۔

”مگر میرے پاس کوئی خوشی بھی تو نہیں۔“ یکدم وہ پھر غمزہ ہو گئی۔

”کھل کر اپنی پریشانی بتاؤ گی تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔“ اس نے صراحتاً اصرار کیا تو میں نے تو فرسٹریشن بڑھتی ہے۔“ میں نے شجیدگی سے کہا۔

”وہ کچھ توقف کے بعد کہنے لگی، میرا شوہر معذور ہے، میری کوئی اولاد نہیں، میں جوائنٹ خلی میں رہتی ہوں، میری ایک دیوانی ہے، اس کے چار بچے ہیں، اس کا شوہر بھی ٹھیک ہے جبکہ میری جھانی کا کوئی بچہ نہیں، مگر اس کا شوہر معذور نہیں، میرا شوہر معذور اور پھر اولاد کا نہ ہونا، میں لوگوں کی ترمیم بھری نگاہوں سے بیزار ہو چکی ہوں، مجھے میری دیوانی نے آپ کا مشورہ دیکھا میں کسی سائیکالٹسٹ کے پاس چلی جاؤں، کیونکہ میں کسی کا لحاظ نہیں کرتی، ہر کسی کو گھر کی کھری سنا دی ہوں، میری ساس، میری تانی جی جگہ میری دیوانی، میری بہن عی کی بیٹی ہے، مگر کھس سب نے مجھے اتنی زیادہ اہمیت دی ہوئی ہے کہ مجھے گلتا ہے کہ ان کے رویے معصومی ہیں اور

میں اکثر ان لوگوں سے بھی الجھ پڑتی ہوں، "آخرین ہے سب پر، میرا خیال کرتے ہیں اور لحاظ کرتے ہیں، مگر میں نے کہا میں ان کے ہم سفر سے رو دیوں سے تھک چکی ہوں۔"

"اپنے شوہر کے متعلق کچھ نہیں بتاؤ گی، کیا تم نے معذور شخص سے شادی کی تھی؟" میں نے نوٹ بک میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔

"میرا شوہر انجینئر تھا، بہت بڑی کمپنی میں بڑی اونچی پوسٹ پر کام کرتا تھا، میری شادی ہوئی تو خاندان کا ہر فرد مجھ پر رشک کرتا تھا، بلکہ کئی لوگ تو حسد کے مارے میں عجیب عجیب باتیں بھی کرتے تھے، مگر آہ نظر لگتی تھی، حاسدوں کے حسد نے کھالیا، میری شادی کو چار سال گزر چکے تھے، وہ روز ڈاکیومنٹ میں میری طرح زنی ہوئے اور ان کی جان بچانے کے لئے ان کی ایک ٹانگ کا ٹھانڈا پڑی، تقریباً دو سال تک وہ بستر پر ہے، اب اس بات کو کچھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے، وہ اب جا بجا تو نہیں کرتے، مگر اپنے اہل کار کے کاروبار میں پائے جاتے ہیں، کیونکہ معذوری ٹانگ ٹکٹے کے باوجود اکثر کسی نہ کسی وجہ سے وہ گھر پر ہی زیادہ تر ہوتے ہیں، انھیں نفسیاتی مر لیں تو وہ بھی ہو گئے ہیں، مگر مجھ سے کم، کیونکہ وہ اس حقیقت کو قبول کر چکے ہیں کہ وہ معذور ہو گئے ہیں، مگر میں تو معذور نہیں، پھر سب کا رویہ میرے ساتھ معذوروں والا کیوں ہے۔" وہ پھر بھٹ پڑی۔

"سنجے کے لئے علاج کروایا تھا۔" میں نے بات کا رخ بدلایا۔

"ہاں کروایا تھا۔" اس نے اوجھڑا جواب دیا۔

"نتیجہ کیا رہا؟" میں نے سوال کیا۔

"میں مال نہیں بن سکتی۔" اس نے جیسے لمبے سانس دیا۔

"اس تم کیا چاہتی ہو؟" میں نے آہستہ سے کہا۔

"میں کیا چاہتی ہوں، یہ تو مجھے بھی نہیں پتہ ہے، میں

اپنی زندگی سے بیزار ہو چکی ہوں اور نیل سے بھی۔" وہ سچ کر بولی۔

"نیل خانا تمہارا شوہر ہیں۔" میں نے اس کو بخور دیکھا۔

"ہوں؟" اس نے اسی پر اکتفا کیا۔

"یہی وہ ہیں تمہارے۔" میں نے بات آگے بڑھائی۔

"جی۔" وہ پھر مختصر بولی۔

"وہ کیا کہتے ہیں۔" میں نے پھر پوچھا۔

"وہی تو میرے سچے بھروسہ ہیں، وہی مجھے سمجھاتے ہیں، ایک معذور کے ساتھ کیسے زندگی گزرے گی، وہ کہتے ہیں اگر میں طلاق لے لوں، تو میری بہنیں اور شادی کر دیں گے، لوگوں کے رحم اور چالچی نے مجھے عجیب

مختصر حصار میں کھڑا کر دیا ہے، ہاں باپ تو ہمیشہ اپنے بچے کا بھلائی چاہتے ہیں جبکہ میرے ساس، سر اور نیل سب چاہتے ہیں کہ میں نیل کی طرح بن کر ساری زندگی اس کی خدمت کروں۔" وہ چپ ہو گئی۔

"کیا تم کو نیل سے کوئی عبت، کوئی اہمیت نہیں ہے؟ وہ جیسا بھی ہے تمہارا شوہر ہے۔"

"عبت، اہمیت، سب کچھ کہانی باتیں ہیں ڈاکٹر صاحب، ان باتوں سے زندگی نہیں گزرتی، اس کی خدمت کے لئے تو بہتر بن کر ڈاکٹر مل سکتی ہے، مگر انور ڈاکٹر کے باوجود وہ گھر میں بلکہ میرے گھر میں اس کو برا سمجھا جاتا ہے، ورنہ میری اپنی ہی تو کوئی زندگی ہے۔"

"سب تم اپنی دیورانی کے علاوہ اور کس سے کہتی ہو۔"

"میری دیورانی چونکہ میری بہن کی بیٹی ہے، اس لئے اس کو میری طبیعت کا اعزاز ہے، ویسے یہ سب میں نے کسی سے کہا نہیں ہے، بس میں نے بتایا کہ میں کسی کا لڑکا نہیں کرتی۔"

"اس بات کی مکمل وضاحت کرو کہ تم لڑکا نہیں کرتی۔"

"اب جیسے میری کئی محفل میں کسی گیارہ گن میں جانا

ہوتا ہے تو کوئی مجھ سے تعزیر جملے کہتا ہے تو میں اس کو کمری کمری سنا دیتی ہوں کہ میرا تاش نہ بنایا کریں، یہ بات پرانی ہو چکی ہے یا نیل کے بغیر کہیں چلی جاسوں، تب سب کی انگ بائیں سننا پڑتی ہے کہ شوہر کو گھر میں چھوڑ کر خود گھومتی پھرتی ہے۔

"ویسے برا نہ مانا کنول تمہارا چہرہ ہی ایسا لگتا ہے، تمہاری چٹکی کھاتا ہے۔" میں نے اس کو سمجھایا۔

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے، میری جگہ جوئی ہوگا، اس کا چہرہ خوشی سے تو نہیں سلگتا۔" وہ پھر چپ کر بولی۔

"تو اب تم کو کچھ میں نہیں آکر ہر تم کو کیا کرنا چاہئے۔ میرے خیال میں کوئی ایسی بات ہے جو تم خلع لینے سے روک رہی ہے، ورنہ تم کب کی خلع لے چکی ہو۔" اس کی ذہنی پریشانی کی وجہ سے گھر میں حد سے زیادہ ڈسٹر ہو۔" (میں نے محوئی دیر میں اس کا تجزیہ کر ڈالا)

"جی۔" اس نے جی کو کھینچا۔

"ہاں، میں چاہتی ہوں کہ نیل مجھے راضی خوشی طلاق دے دیں، میں جانتی ہوں کہ نیل کو تو طرف نہ آئے۔"

اس نے بات مکمل کی۔

"نہیں، صرف یہ وجہ نہیں ہے۔" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا، اتنی دیر میں، میں نے کنول کے متعلق جو انداز لگایا تھا کہ وہ ایک خود غرض عورت تھی، جو خود کو رقم دکھا کر لوگوں کی نظروں میں اچھا نہ بنا چکی تھی بلکہ لوگ اس پر ہنس کر مٹاتے تھے اور ساتھ ہی اس کی حرکتوں سے اس نے سب کو تالاں کیا ہوا تھا، یہ صرف میں نے کنول کی باتوں سے بتائی تجزیہ کیا تھا۔

"نیل کے معذور ہونے کے بعد تانیا نے میرے نام اپنی فیکٹری کر دی ہے، مگر خلع لینے کے بعد وہ مجھے نہیں ملے گی جبکہ طلاق دینے کی صورت میں وہ میری رہے گی۔" اس نے بات مکمل کر دی۔

"دوسری شادی کس سے کرے گی۔" میں نے سوال کیا۔

"میری پچھلی کا بیٹا ہے، اس کی بیوی اس کو چھوڑ کر جا چکی ہے، اس کے سوتے ہیں۔" انہیں وہ گھر پر عورت تھی، وہ لاکھ بنگلہ، وہاں شادی کی، یہاں پر لے کر آیا، مگر وہ گزرا نہ کر سکی، واپس چلی گئی۔"

"اب میں دوبارہ تم سے بھی سوال کروں گی کہ میں اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں۔" (نیل کے شک اس کی نفیاتی بات پر اس کی اپنی جگہ میں، مگر وہ کیوں آئی تھی، وہ مجھے سمجھ نہیں رہی تھی، اس نے مجھے یہاں کیوں بھیجا ہے، اس کی کوئی دوست ماہر بھی آپ کے پاس علاج کروا چکی ہے۔" وہ وضاحت سے بولی۔

"ماہر، ماہر کا بیٹا ہے۔" میں نے یہ کہہ کر چپ ہو گئی۔

"نہیں، مجھے کچھ پتی ہے۔" میں نے یہ کہہ کر چپ ہو گئی۔

"یہ دل میں اللہ تعالیٰ سے عاقبت کی دعا مانگا ہے۔"

"نیل نے نوٹ بک میں اعدا کر دیا۔"

"ہاں، میرے سرال میں میری بیوی تو بھروسہ ہے۔" وہ پھر گڑبڑا ہو گئی۔

"میں نے مزید وضاحت پائی۔"

"وہ تو میری سب سے بڑی دشمن ہے، جل بہن جب سے سر نے فیکٹری میرے نام سے ہے، جل بہن گئی ہے، اس کے شوہر کے پاس بھی تو فیکٹری ہے۔" وہ حاسدانہ لہجے میں بولی۔

"نیل کی معذوری کے علاوہ تم کو اور کیا پریشانی ہے، چونکہ ماہر بھی تم نہیں بن سکتی تو اس میں نیل کا کوئی قصور نہیں ہے۔" میں نے قدرے توقف سے کہا۔

"میں اس طرح کی زندگی نہیں گزار سکتی، میرا مسئلہ یہی ہے۔" وہ بولا۔

"خلع تم لینا نہیں چاہتی، اس کے علاوہ یہاں پر تم

"میری پچھلی کا بیٹا ہے، اس کی بیوی اس کو چھوڑ کر جا چکی ہے، اس کے سوتے ہیں۔" انہیں وہ گھر پر عورت تھی، وہ لاکھ بنگلہ، وہاں شادی کی، یہاں پر لے کر آیا، مگر وہ گزرا نہ کر سکی، واپس چلی گئی۔"

"اب میں دوبارہ تم سے بھی سوال کروں گی کہ میں اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں۔" (نیل کے شک اس کی نفیاتی بات پر اس کی اپنی جگہ میں، مگر وہ کیوں آئی تھی، وہ مجھے سمجھ نہیں رہی تھی، اس نے مجھے یہاں کیوں بھیجا ہے، اس کی کوئی دوست ماہر بھی آپ کے پاس علاج کروا چکی ہے۔" وہ وضاحت سے بولی۔

"ماہر، ماہر کا بیٹا ہے۔" میں نے یہ کہہ کر چپ ہو گئی۔

"نہیں، مجھے کچھ پتی ہے۔" میں نے یہ کہہ کر چپ ہو گئی۔

"یہ دل میں اللہ تعالیٰ سے عاقبت کی دعا مانگا ہے۔"

"نیل نے نوٹ بک میں اعدا کر دیا۔"

"ہاں، میرے سرال میں میری بیوی تو بھروسہ ہے۔" وہ پھر گڑبڑا ہو گئی۔

"میں نے مزید وضاحت پائی۔"

"وہ تو میری سب سے بڑی دشمن ہے، جل بہن جب سے سر نے فیکٹری میرے نام سے ہے، جل بہن گئی ہے، اس کے شوہر کے پاس بھی تو فیکٹری ہے۔" وہ حاسدانہ لہجے میں بولی۔

"نیل کی معذوری کے علاوہ تم کو اور کیا پریشانی ہے، چونکہ ماہر بھی تم نہیں بن سکتی تو اس میں نیل کا کوئی قصور نہیں ہے۔" میں نے قدرے توقف سے کہا۔

"میں اس طرح کی زندگی نہیں گزار سکتی، میرا مسئلہ یہی ہے۔" وہ بولا۔

"خلع تم لینا نہیں چاہتی، اس کے علاوہ یہاں پر تم

"نیل نے نوٹ بک میں اعدا کر دیا۔"

"ہاں، میرے سرال میں میری بیوی تو بھروسہ ہے۔" وہ پھر گڑبڑا ہو گئی۔

"میں نے مزید وضاحت پائی۔"

"وہ تو میری سب سے بڑی دشمن ہے، جل بہن جب سے سر نے فیکٹری میرے نام سے ہے، جل بہن گئی ہے، اس کے شوہر کے پاس بھی تو فیکٹری ہے۔" وہ حاسدانہ لہجے میں بولی۔

"نیل کی معذوری کے علاوہ تم کو اور کیا پریشانی ہے، چونکہ ماہر بھی تم نہیں بن سکتی تو اس میں نیل کا کوئی قصور نہیں ہے۔" میں نے قدرے توقف سے کہا۔

"میں اس طرح کی زندگی نہیں گزار سکتی، میرا مسئلہ یہی ہے۔" وہ بولا۔

"خلع تم لینا نہیں چاہتی، اس کے علاوہ یہاں پر تم



کو زندگی کی برکت میسر ہے یقیناً۔“ میں نے بغور اس کو دیکھا۔

”مجھ سے پوچھیں ڈاکٹر صاحب، ایک معذور آدمی کے ساتھ گزارا کرنا کتنا مشکل ہے، پہلے مجھے بھی ایسا لگتا تھا کہ میں آرام سے زندگی گزار لوں گی، کیونکہ میں نے اور نیل نے ایک عرصہ بہت خوشگوار گزارا تھا، مگر وہ رک گئی۔

”رک کیوں گئی؟“ میں نے پوچھا۔  
”رک کیوں گئی؟“ میں نے پوچھا۔  
”رک کیوں گئی؟“ میں نے پوچھا۔

”مجھے آہستہ آہستہ لوگوں نے ہی اس بات کا احساس دلایا ہے کہ میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ میں نیل کی خدمت کرنے پر مجبور ہوں۔“ بھی لوگ ترس کھاتے ہیں اور کبھی سوطر کی باتیں سناتے ہیں۔ غم زدہ دکھائی دوں تو خوش رہتے ہیں اور خوش رہوں تو طنز ہی الفاظ کی بار بار دیتے ہیں۔ اس لئے میں نے نیل سے الگ ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ قدر سے نرم لہجے میں بولی۔

”نیل کو پتہ ہے کہ تم اس سے الگ ہونا چاہتی ہو۔“ میں نے سوال کیا۔

”نیل وہ تو اتنا سمجھدار ہے کہ کاذبی چڑیا کے پر گن لیتا ہے، نہ میں نے واضح کہہ لیا ہے اور نہ ہی وہ کچھ کہتا ہے، میرے رویے سے تنگ آ کر تھوڑا چھوڑتا رہتا ہے۔“ وہ میرے روبرو۔

”نیل میرے روبرو۔“ میں نے پوچھا۔  
”نیل میرے روبرو۔“ میں نے پوچھا۔  
”نیل میرے روبرو۔“ میں نے پوچھا۔

”نیل میرے روبرو۔“ میں نے پوچھا۔  
”نیل میرے روبرو۔“ میں نے پوچھا۔  
”نیل میرے روبرو۔“ میں نے پوچھا۔

”نیل میرے روبرو۔“ میں نے پوچھا۔  
”نیل میرے روبرو۔“ میں نے پوچھا۔  
”نیل میرے روبرو۔“ میں نے پوچھا۔

کر سکتا ہے تو کوئی نیل کو بھی لے سکتا ہے، بلکہ تم کو تو اسانا ماننا چاہئے کہ اس نے اولاد کے لئے دوسری شادی نہیں کی، ورنہ اتنا پیار ہونے کے باوجود دوسری عورت کا ماننا ناممکن نہیں اور نیل کی معذوری کوئی خاص معذوری نہیں، معذوری تاکہ کے ساتھ کبھی لوگ بہت بہتر بن کر زندگی گزارتے ہیں۔“ میں نے بات مکمل کی۔  
”اچھا، پھر بتائیے فیملی میرے تمام کیوں کی؟“ وہ طنز پر بولی۔

”صرف تمہاری بھلائی کے لئے، وہ یقیناً اپنے بیٹے کے ساتھ ساتھ تم سے بھی محبت کرتے ہیں، اچھا آج تو کافی وقت ہو گیا ہے، تو کل نہیں برسوں آ جاؤ، یہ دوا میں مل لکھ کر دے رہی ہوں، اسے استعمال کرو، ان شاء اللہ پھر مزاج میں بہتری محسوس کر دوں گی۔“ میں نے آج کے لئے انتہائی کافی چاہا۔

اگلا اپائنٹمنٹ کنول نے نیکسل کروادیا اور چار دن بعد اس کی دیورانی عاشر میرے پاس آ گئی۔

”السلام علیکم ورتہ اللہ وبرکاتہ! عاشر ایک بروقار شخصیت کی مالک تھی اور اپنی خالہ سے کسی قسم کی شباہ میرے اس کے چہرے پر نہ تھی۔

”تقریباً ۱۹۷۷ء میں خالہ پھیلے خالہ پھیلے مطلب ہے کنول بھائی آئی تھیں۔“

”دوبارہ نہیں آئی تھیں۔“ میں نے سوال کیا۔  
”دوبارہ نہیں آئی تھیں۔“ میں نے سوال کیا۔  
”دوبارہ نہیں آئی تھیں۔“ میں نے سوال کیا۔

”دوبارہ نہیں آئی تھیں۔“ میں نے سوال کیا۔  
”دوبارہ نہیں آئی تھیں۔“ میں نے سوال کیا۔  
”دوبارہ نہیں آئی تھیں۔“ میں نے سوال کیا۔

”دوبارہ نہیں آئی تھیں۔“ میں نے سوال کیا۔  
”دوبارہ نہیں آئی تھیں۔“ میں نے سوال کیا۔  
”دوبارہ نہیں آئی تھیں۔“ میں نے سوال کیا۔

”دوبارہ نہیں آئی تھیں۔“ میں نے سوال کیا۔  
”دوبارہ نہیں آئی تھیں۔“ میں نے سوال کیا۔  
”دوبارہ نہیں آئی تھیں۔“ میں نے سوال کیا۔

استعمال نہیں کی۔“ وہ رگ کر میری طرف دیکھنے لگی۔  
”جانکرتی ہماری حالت بہت عجیب شخصیت کی مالک ہیں۔“ میں نے عاشق کو ازراہ ہمدردی سے دیکھا۔

”ڈاکٹر صاحب، ان کی باتوں سے آپ نے کیا اعزاء لگایا ہے؟“ وہ پھر سے پھر سے لہجے میں بولی۔  
”کنول، ایک خود غرض عورت ہے، جو صرف خود کے لئے جینا چاہتی ہے، اسے کھرے اور کھوٹے کی پہچان نہیں ہے، ورنہ اتنی لکھنؤ اور پریشانی اٹھا کر انسان کو اپنے دوست اور دشمن کی پہچان ہو جاتی ہے۔“

میں نے اپنا سانس آخری تھریا۔  
”ڈاکٹر صاحب، میرے بہت بڑے بچے ہیں، انسان کا دین ایمان ہی پیسہ ہو گیا ہے، میرے سرال والے بہت لوگ لکھے ہیں، پھر فکس، میری جو پچھلی ساس ہیں، وہ انہماکی لالچی اور خود غرض قسم کی عورت ہیں، یہ سارا متاثرہ آدمی کا لگا ہوا ہے اور میری خالہ یعنی کنول بھائی، ان کے اندازوں پر تاج پڑی ہیں، کنول بھائی لکھنؤ تھیں، ہر انسان میں اچھا ہی برائی ہوتی ہے، کچھ ہے، کچھ نہیں ہے، راستے سے ہٹانے والی میری پچھلی (دانی) ہیں اور میں باقی ہوں آپ ان کو ان کے چنگل سے بچائیں، جس طرح آپ نے مام کو بچایا تھا۔ (اس نے بات مکمل کی) ”مام کو کیسے جانتی ہو؟“ میں نے سوال کیا۔

”اس کے والد میرے سر کے جاننے والے ہیں، اس کی وجہ سے میری مام سے اچھی دوستی ہے، بھائی بھی مام کو جانتی ہے، مگر دوستی چونکہ میری ہے، اس لئے اس نے مجھے آپ سے متعلق بتایا تھا اور مشورہ اور تھپا کر میں کنول بھائی کو آپ کو دکھاؤں۔“

”اپنی پچھلی سے متعلق کیا بتا رہی ہیں؟“ میں نے اس کو بات مکمل کی۔

”میرے سر کنول بھائی کے بتا رہی ہیں، وہ اپنے مام میں سب سے زیادہ دولت مند ہیں، ان کے کتنے بچے ہیں اور بیٹوں کی فیملی اب الگ ہیں جبکہ میرے سر

کی اپنی الگ ہے، مگر میرے خالہ یعنی کنول کے ابو کے پاس اپنی ایک چھوٹی سی ٹیکری ہے جبکہ ان دونوں بھائیوں کی ایک ہی مین میری پچھلی ساس ہیں، اتفاق سے ان کے دونوں بیٹے ہیں جبکہ میرے خالو کی دو بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں، میری پچھلی ساس نے اپنے دونوں بیٹوں کو پیسے کی خاطر اپنی جگہ بیابا، مجھے پس چچا دیا، بڑی بہو باہر کی لڑکی واپس چلائی جبکہ چھوٹی والی نے اپنے شوہر کو کھار دیا، بیابا، میرے سر نے اپنے بیٹوں کی شادی خاندان میں ہی کی، جو ہماری چھائی ہیں، یعنی میری اور کنول بھائی کی، وہ میری ساس کی بہن کی بیٹی ہے جبکہ کنول میرے سر کے بھائی کی بیٹی اور میں تو آپ کو معلوم ہے، کنول بھائی کی بھائی ہوں، کنول بھائی مزاج کی ہمیشہ سے تیز جڑی ہیں، مگر ان کی برکزی نہیں، یہ تو سارا بھر پیریل میری پچھلی ساس کی بڑی بہو واپس چلی گئی ہیں اور ان کو کلم ہو کر صرف کنول کے مستقبل کے لیے میرے سر نے فیملی اس کے نام کر دی ہے جو نیل بھائی اور میرے سر کیل دیکھتے ہیں، جب سے انہوں نے کنول کو گھیرنا شروع کر دیا اس نے آپ کو بتایا ہوگا کہ وہ طلاق لیتا جانتی ہے، بخل نہیں، بس پورے گھر کا ماحول عجیب بنادیا ہے، نیل بھائی بہت سمجھدار ہیں، اپنی معذوری اور کنول کی بھی معذوری کے باوجود بھی وہ صبر کا دان ہاتھ سے نہیں چھوڑتے، ایک منٹ میں نے عاشر کی بات کائی۔

”مگر کنول تو کہہ رہی تھی وہ چیزیں تو توڑتے چھوڑتے ہیں۔“

”نیل، ایسا ہرگز نہیں ہے، وہ لوگوں کی ہمدردیاں بونتی ہے، ورنہ وہ تو اپنی آواز میں بات تک نہیں کرتے، اپنے ایک ہیٹ کے بعد بھی انہی کا حوصلہ ہے کہ وہ ہر طرح کے حالات کو ہینڈل کر لیتے ہیں، کنول بھائی کو کبھی سمجھتا ہے رستے ہیں۔“ وہ خاموشی ہو گئی۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

کی اپنی الگ ہے، مگر میرے خالہ یعنی کنول کے ابو کے پاس اپنی ایک چھوٹی سی ٹیکری ہے جبکہ ان دونوں بھائیوں کی ایک ہی مین میری پچھلی ساس ہیں، اتفاق سے ان کے دونوں بیٹے ہیں جبکہ میرے خالو کی دو بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں، میری پچھلی ساس نے اپنے دونوں بیٹوں کو پیسے کی خاطر اپنی جگہ بیابا، مجھے پس چچا دیا، بڑی بہو باہر کی لڑکی واپس چلائی جبکہ چھوٹی والی نے اپنے شوہر کو کھار دیا، بیابا، میرے سر نے اپنے بیٹوں کی شادی خاندان میں ہی کی، جو ہماری چھائی ہیں، یعنی میری اور کنول بھائی کی، وہ میری ساس کی بہن کی بیٹی ہے جبکہ کنول میرے سر کے بھائی کی بیٹی اور میں تو آپ کو معلوم ہے، کنول بھائی کی بھائی ہوں، کنول بھائی مزاج کی ہمیشہ سے تیز جڑی ہیں، مگر ان کی برکزی نہیں، یہ تو سارا بھر پیریل میری پچھلی ساس کی بڑی بہو واپس چلی گئی ہیں اور ان کو کلم ہو کر صرف کنول کے مستقبل کے لیے میرے سر نے فیملی اس کے نام کر دی ہے جو نیل بھائی اور میرے سر کیل دیکھتے ہیں، جب سے انہوں نے کنول کو گھیرنا شروع کر دیا اس نے آپ کو بتایا ہوگا کہ وہ طلاق لیتا جانتی ہے، بخل نہیں، بس پورے گھر کا ماحول عجیب بنادیا ہے، نیل بھائی بہت سمجھدار ہیں، اپنی معذوری اور کنول کی بھی معذوری کے باوجود بھی وہ صبر کا دان ہاتھ سے نہیں چھوڑتے، ایک منٹ میں نے عاشر کی بات کائی۔

”مگر کنول تو کہہ رہی تھی وہ چیزیں تو توڑتے چھوڑتے ہیں۔“

”نیل، ایسا ہرگز نہیں ہے، وہ لوگوں کی ہمدردیاں بونتی ہے، ورنہ وہ تو اپنی آواز میں بات تک نہیں کرتے، اپنے ایک ہیٹ کے بعد بھی انہی کا حوصلہ ہے کہ وہ ہر طرح کے حالات کو ہینڈل کر لیتے ہیں، کنول بھائی کو کبھی سمجھتا ہے رستے ہیں۔“ وہ خاموشی ہو گئی۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔  
”کنول کو کیسے سمجھتی دوبارہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”مناٹے کی کوشش کرتی ہوں، سمجھاتی ہوں اور اللہ سے دعا کرتی ہوں“ عائشہ تھکے لہجے میں بولی۔

”بہت اچھی بیٹی ہو تم، اللہ تمہارے لئے آسانی فرمائے تمہارے ساس، سرورِ ازلہ وغیرہ کے حواج کے متعلق بھی بتاؤ۔“ میں نے مکمل معلومات جاننا چاہی۔

”میرے ساس، سر، بہت ہی اچھے لوگ ہیں، وہ بیویوں کو بیکٹریوں کی طرح چاہتے ہیں، بیٹی ان کی کوئی نہیں، منافقت بالکل نہیں ہے، اس لئے میری پچھوچی ساس سے میری ساس کی کتنی بھی جیکہ میرے سران کا ہر ممکن خیال کرتے ہیں۔“ عائشہ نے مختصر جواب دیا۔

”اب یہاں منافقت کی بھی وضاحت کرو۔“ میں اہم کا پوائنٹ نوٹ کرتی جا رہی تھی۔

”میری پچھوچی، دراصل اپنی دونوں بیویوں کی ہر جگہ برائی کرتے بیٹھ جاتی ہیں، میں، بھائی اور میری خالہ ہم سب تو چپ چاپ سن لیتے ہیں جبکہ میری ساس نہ صرف ان کو خاموش کر دیتی ہیں، بلکہ ان کو سمجھاتی ہیں کہ اپنی اولاد ہے، برا بھلا مت بولو، اس لئے میری پچھوچی ساس ان سے بات ہی نہیں کرتی، ہمارے گھر بھی آتی ہیں تو احسان کر کے اور جتنا کہ حالانکہ یہ تکتا غلط ہے تاں ڈاکٹر صاحبہ۔“

”ہاں، عائشہ حدیث میں تو ایسے لوگوں کے لئے سخت دباں کا ذکر ہے، جن کے اخلاق کی وجہ سے دوسرے لوگ ان سے بات کرنے میں مشکل محسوس کریں اور رشتے داروں اور اقرب رشتہ داروں میں تو احسان کو بہت چھہ برداشت کرنا پڑتا ہے، مگر تمہارے معاشرے میں میں نے ساس اور نندوں کو جو خدا بنالیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ عطا فرمائی ہے، کسی جگہ ساس اور نندوں کو کوئی اہمیت دی جاتی ہے کہ بھلے ہی اللہ تعالیٰ ناراض ہوں، مگر یہ لوگ ناراض نہ ہو اور کہیں بالکل ہی بات کرنے کے روا دار نہیں ہوتے۔“ میں نے غصہ پوری آہر کر۔

”ہاں، اور جن کے گھر میں ایک بیٹی ہو تو اس کا عالم

ہی نہ پوچھیں، ایک بیٹی ہے تو بس سب بیکھاب دی اور جن کے گھر میں چار، چار، پانچ، پانچ بچیاں ان کے ساتھ سلوک بھلے ہی اچھا کیا جاتا ہو، مگر چار کہہ کر ابھی میری جاتی ہیں، میری بہن کے گھر جاتی ہوئی تو سب آکر اسی سے ایسے ہمدردی کرتے جیسے بیٹی نہ ہو، عذاب ہو اور اس کی نندہ کی کہ چوتھا بیٹا ہوا تو اس بیکاری کے ساتھ بھی ایسا سلوک بیٹی چاہے گی، بیٹا ہوگا، بس ڈاکٹر صاحبہ ہمارے، ہماری باتیں، ہر تو کچھ سوچتے تھکے نہیں اپنی زبانوں سے کتنے ہی تقریریں کئے بولتے رہتے اور کچھ کاٹھنیں ہے اور کچھ ہے تو ایسا کہ پناہ دینی جتا ہے ہیں۔“ عائشہ کی سانس میں کتنی چٹکی لگی

”کیا بات ہے، بڑی دل گرفتہ ہو۔“ میں نے اس سے پوچھا۔

”ہاں، کنول بھائی ہی کا یاد آ گیا تھا، پورے خاندان میں ان سے خوبصورت کوئی نہیں، شو بہن بھی ایسا ہی شادی کے شروع کے چار سال، کہاں نہیں لے کر گئے تھیں بھائی، اپنی ساس کی ضد میں مجھے بیاہ کر لیا کیونکہ بڑی بھائی سے ان کی بیٹی نہیں ہے، وہ بھی سے ذوق نہیں ہیں، بس میری کوشش ہوتی ہے، مگر لڑائی جھگڑے نہ ہوں۔“ وہ چپ ہو گئی۔

”ویسے ایک بات کہوں، کیا سارا قصور کنول کا ہے، کچھ تو ایسا ہوگا کہ وہ بھی اب اپنے ہی گھر میں سے منتقل ہے۔“ (میں نے اس پہلو پر بات کی جو اب ام پہلو ہوتا ہے، ہم جب کسی کے مسئلے کو رہے ہیں تو جس کے بارے میں غلط سنتے ہیں، پورا اس کو سمجھنا شروع کر دیتے ہیں، حالانکہ میں کنول سے مل چکی تھی، اس کی شخصیت کا اندازہ کر چکی تھی، پھر بھی میں اس کی حمایت میں سوال پوچھا)

”ٹھیک ہے، آپ اپنی جگہ صحیح سوچ رہی ہیں، ساس، سر ہیں، جھٹلی ہے، ہر انسان خطا کا پتلا ہے،

کسی سے لغزشیں ہوتی ہیں، مگر سب کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے، دل بڑا کرنا پڑتا ہے تب نہیں جا کر گھر بیٹے ہے، یہ بھری ساس کا بڑا پنا ہے کہ وہ ہر بات کو کھل سے برداشت کرتی ہیں، غلط بات نہ ہو کہ دینی ہیں، مگر ساتھ ہی ہم بیویوں کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتی اور اب تو سراسر کنول بھائی ہی کا قصور ہے، اگر کچھ ہونا چاہتی ہیں تو غلط لے لیں، مگر ٹیکری اور خود کا جوابات کرنے کے پیکر میں گھر میں ایسا حال کر دیا ہے کہ ٹیکری بھائی خود ہی تنگ آ کر طلاق دے دیں، وہ بدترین کے ساتھ صرف ٹیکری ہی سے نہیں، اکثر سر صاحب کے ساتھ بھی بات کرتی ہیں، سب کا حوصلہ آزماری ہیں۔“ وہ چپ ہو گئی۔

”اچھا تم تو بہت نہ ہارو، کوشش کرتے ہیں اور اللہ سے عافیت طلب کرتے ہیں کہ کنول راہِ راست پر آجائے۔“

اگلے دس دنوں تک کنول اور عائشہ دونوں ہی میں سے کوئی بھی دعا یا اور پھر کنول نے جسے کے لئے اپنا منت لے لیا۔

”السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔“ میں نے کنول سے سوال کیا تو وہ جواباً کچھ نہ بولی اور کسی پر بیٹھ گئی۔

”مجھے پاگل بھتیجی سے عائشہ کی بیٹی، جو مجھے بار بار آپ کے پاس بھیج دیتی ہے، وہ بہت غصے میں لگ رہی تھی۔“

”نہیں، مجھی میں پاگل لوگوں کو کیسے پنڈل اٹکی کر سکتی ہوں، پاگل لوگوں کے لئے تو پاگل خانے ہوتے ہیں، میں نفسیاتی مرلیضوں کو دیکھتی ہوں۔ (آئی ایم مارٹن) میں لوگوں کے رویوں کو بہتر کرنے کی کوشش کرتی ہوں، تا کہ وہ خود سکون سے رہیں اور۔“ یہ کہہ کر میں چپ ہو گئی۔

”اور کیا کہہ رہی تھیں آپ۔“ اس نے میرے اصرار سے مجھے کو بھجھ لیا۔

”اور دوسروں کو بھی سکون سے جینے دیں۔“ میں نے مسکراتی بات کہی۔

”اس کا کہیں مطلب ہوتا ہے کہ میں پاگل ہوں اور اپنے پاگل پن سے لوگوں کو تکلیف پہنچاتی ہوں۔“ وہ پھر غصے سے بولی۔

”ہر بات کا الٹ مطلب کیوں لیتی ہو کنول، دوسروں کو تنگ کرنا اور پریشان کرنا اور پاگل پن اور ہے، پاگل آدمی تو معذور ہوتا ہے، کیا تم معذور ہو۔“ میں نے اس کی دکھتی رنگ پچھوڑی۔

”نہیں، میں معذور نہیں، میں بالکل صحیح ہوں۔“ اس نے میری بات کا الٹ سے سنا۔

”تمہیں یہ ہے، اتنا غصہ کرنے سے نہ صرف عمر کم ہوتی ہے، بلکہ چہرے پر جھریاں بھی چلنے لگ جاتی ہیں۔“ (میں نے کنول کو کوہو توں کی فطری کمزوری سے سمجھانا چاہا)

”ہاں، میری بیوی بھی یہی کہہ رہی تھی کہ میرا فیس ایک تو ہر وقت یا تو غم زدہ لگتا ہے یا غصے سے کھنچا ہوا۔“ وہ باتیں بھی خورا سمجھ گئی۔

”اپنے آپ کے خودی پیچھے پر گئی ہو، جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اولاد عطا نہیں دی تو یہ تمہارے لئے بہترین ہوگا، کسی اور کے بچے اپنی آسانی سے کیسے سنہال لوگی۔“ میں نے لوہا گرم کر دیکھ کر چوٹ لگائی۔

”کیا بات ہوئی، اس آصف کے بچے کیوں نہیں سنہال سکتی، میں عائشہ کے بچوں کو بھی تو سنہالتی ہوں۔“ اس نے میری بات رد کر دی۔

”آصف کے بچے تو اس کی ماں نہیں سنہال سکتی، اس لئے میں نے اسہا کہہ دیا تھا، ویسے دونوں بیٹے ہیں اس کے۔“ میں نے بات آگے بڑھائی۔

”ہاں وہ بیٹے ہیں اور پھر آصف کہتا ہے، ہم کنیڈا شفت ہو جا سگے۔“ وہ یہ کہہ کر یکدم رگ کی اور پھر تیز لہجے میں بولی۔



”میرا مسئلہ آصف نہیں، نیل ہے، نیل کے ساتھ گزارائیں کر سکتی، وہ بعد کی باتیں ہیں۔“

”میرا مسئلہ بھی ہو۔“ (میں نے نوٹ بک کھول لی)

”مسلہ نیل نہیں، راتیل ہے۔“ وہ جھکے تھے لمبے میں بولی۔

”راتیل یہ کیوں ہے؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”راتیل، میرے بیٹھ ہیں، میں ان سے خود کو بچاتے بچاتے تھک گئی ہوں، اس لئے میں نے سارے گھر کو اپنے درویوں سے منتشر کر دیا ہے، کیونکہ قلعے کے سراسر ہر نقصان میں دروہوں کی، میں آتا ہوں، میرے

سارے سبب راتیل اچھے ہیں، نیل بہت اچھے ہیں مگر ان لوگوں کی اچھائی یہاں تک ہے کہ ہم سب ساتھ ہیں،

ساتھ رہنے سے میری پریشانیاں، اور وہ دونوں ہاتھ کی انگلیاں موڑ رہی تھی۔

”یعنی ہماری ہندو معاشرت کے مسلم گھرانے جو انٹرنیشنل اور بے پردگی، گھر کے اندر گھر کی صورت محفوظ نہیں، آپ کی پوری مسلم اللہ علیہ وسلم نے ہی لے کر

”دیورکومت“ قرار دیا تھا۔

”مگر تم لوگوں کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے، تمہاری ہائی سوسائٹی میں یہ سب برا تو نہیں سمجھا جاتا، بات

چیٹ، میل جول، محرم تا عزم، مرد اور عورت کا فرق، تمہارے یہاں تو نہیں ہے۔“ میں طنز سے لہجے میں بولی۔

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہر کوئی نہیں تو لڑا سمجھے، ناکوں نیچے نہ چڑھاؤں اور میرا نام نکل نہیں۔“ وہ غصے میں آ گئی۔

”تم کسی کا کیا لڑاؤ لڑو گی، خود ہی گندگی کا ڈھیر بن جاؤ گی عورت ہے خود پروردہ چھوڑ کر اپنے آپ کو لڑاؤ بنانا

ہے، کیا یہ انہی ماؤں کی بیٹیاں ہیں، جن کی ماںیں صحابیات ہونے کے باوجود اپنی عزت اور پرہیزگاری کی

طرح حفاظت کرتی تھیں، میں آزادی کے نام پر پردے سے نکال کر ہماری عفتوں کو سرباز رکھ دیا گیا ہے،

تمہارے کیڑوں کو دیکھ کر جب عورتیں ہی پریشان ہو جاتی ہیں تو مردوں کا کیا حال ہوگا۔“

”کیا مطلب، میں سمجھ نہیں، پورے کیڑے تو پھینے ہیں میں نے، اگر جیڑ اور شرت بھی ہم نہیں تو کیا حرج

ہے، پورا لباس ہے، یہ برقع وغیرہ تو وہ لوگ ہیں جن کو لوگوں سے بچنا ہوتا ہے، ہم کوئی برقع عورتی تھوڑی ہیں جو منہ

چھپا کر نکلیں، دین اتنا تخت نہیں ہے، دین تو آپ جیسے لوگوں نے سخت کر دیا ہے۔“ وہ جھپک رہی تھی۔

”(جی بھی افسوس ہوا کہ ساری زندگی انہوں نے اسلام کے خلاف گزاری ہے، ان سے بحث سے کیا

حاصل، پھر مجھے خیال آیا کہ بے پردگی تو اسلام کا عظیم المیہ ہے، اس پر فتنہ دور میں تو تعلیم یافتہ طبقہ اتنا زراعت

ہو گیا ہے کہ غیرت و عفت کے تمام اطوار کو بھول گیا ہے، بلکہ تہذیب نے ان کو ہراس کر کے رکھ دیا ہے)

”صرف ایک کام کرو کی میرا۔“ میں نے کنول کو انور دیکھا۔

”جی فرمائیے“ یہ کتاب ہے اس کو پڑھ لو، مجھ میں آجائے تو میرے پاس چلی آنا نہ مجھ میں آئے تو کتاب

بجھو دینا۔“

(ان نام نہاد روشن خیال لوگوں کو سمجھنا بھی تو آسان کا نہیں، مگر اللہ جڑے نیرو ہے، عبد السلام میک

صاحب حفظ اللہ، جنہوں نے بے پردگی اسلام کا عظیم المیہ ہے“ جیسی کتاب لکھی جو دراصل خاص انہی نام نہاد

روشن خیال لوگوں کے لئے ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے ہدایت اس کے نصیب میں لکھی ہوگی تو یہ کتاب کافی ہے۔)

کنول نے کتاب کو اٹھا کر دیکھا۔

”یعنی اچھے آنے کی ضرورت نہیں؟“ اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

”ماشاء اللہ پرکھی لکھی اور تمہارا ہوا اور میرا خیال ہے تم کو اگر ضرورت ہوگی تو آ جاؤ گی، ورنہ میں صرف ایک مشورہ دوں گی۔“ میں رک کر اسے دیکھ گئی۔

”کیسا مشورہ؟“ وہ چونک گئی۔

”نیل کو چھوڑنا مت، ورنہ زندگی بھر پھرتی ہوگی،

یقیناً اس کو اس کے بھائی کے متعلق نہیں پتا ہوگا۔“ میں نے رک کر اس کو دیکھا۔

”یہ راتیل بھی انہیں ساتھ، دراصل نیل کی معذوری کی وجہ سے چونکہ اکثر و بیشتر ہم لوگ ساتھ آتے

جاتے، کھٹنوں ساتھ بیٹھے، کبھی ڈانکوں کے لئے، کبھی آریٹیں، کبھی قرطبی، ان دنوں میں ان سے ہر مسئلہ پر

ڈسکس کر لیتی تھی، بس یہ بھڑی سے اتر گئے، اور.....“

”رک جاؤ کنول،“ میں نے بات کاٹی۔

”مگر در اور عورت کا باخفاط ای تمام برائیوں کی جڑ ہے، یہ کتاب کافی ہے تمہارے لئے۔“ مجھ میں مزید اسکی

بات سننے کی تاب نہیں تھی، اگر اس کی فطرت ذرا بھی فطرت سلیم ہوئی تو آسانی ہو جائے گی، ویسے بھی اگر وہ

اپنے بیٹھ سے بیٹنی کی کوشش میں اگر یہ سب کر رہی تھی تو بھی اس کا مطلب یہی تھا کہ جتنی بھی آزادی ہوگی، مگر کتنے

والی شے نہیں تھی۔

کم دیش دو مینے ان بعد کنول میرے پاس آئی۔

اچھی طرح چادر میں لپی ہوئی، اسکارف سے چہرہ

چھپائے، وہ ڈیلے ڈھالے کیڑوں میں وہ کافی بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔

”السلام علیکم۔“ اس نے جھپکے ہوئے سلام کیا۔

”ولیکم السلام، کیسی ہو کنول۔“ میں نے کنول کو انور دیکھا تو صاف سترے چہرے کے ساتھ، اس کے

چہرے پر کبھی قسم کا تناؤ یا غصے کی کیفیت نہیں تھی، جو اس کی شخصیت کا خاصہ بن چکی تھی۔

”ہوں نمیک ہوں۔“ وہ چہرہ کر گئی۔

”کونواں، جو کہنا چاہتی ہو۔“ میں نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

”عجب مسکرا رہے ہو کڑی ہوگی ہوں ڈانکری، پہلے تو میں نے اس کتاب کو ہاتھ میں نہیں لگایا، یہ میری

جگہ نیل نے پڑھا، مستقل آنکھوں تک وہ یہ کتاب کا روز مطالعہ کرتے اور پھر بازار جا کر کچھ اور کتابیں لے آئے،

ان میں مفتی رشید کی کتاب ”شرعی پردہ“ بھی تھی، پھر انہوں نے مجھے سے کہا کہ میں یہ کتابیں پڑھوں، میں نے پڑھا اور پھر بہت ساری چیزیں نیل کے ساتھ شیخ مریض سے سنا۔ سچ جانے تو شروع میں مجھے کچھ بھی نہیں آتا تھا، یہ چندہ دن پہلے کی بات ہے، میں نے بڑے ڈونڈوں کا استعمال شروع کر دیا اور فوراً جوڑے ڈھیلے ڈھال سلوائے، اپنے دیوار اور جیٹھ کے سامنے آنے سے اور ساتھ کھانے سے احتراز کر لے گی، چونکہ ہم ساتھ بیٹھے اٹھتے تھے، تو میرے جیٹھ اکثر موقع محل دیکھ کر میرے ساتھ بدلتی رہتی کر جاتے تھے، ابھی ہاتھ پکڑا، ابھی... خیر چھوڑیں، میں نے ہی موقع دیا تھا، انہوں نے فائدہ اٹھایا، بہت ساری باتیں تو قابل بیان بھی نہیں ہیں، بیل میں بہت احتیاط کرنے لگے ہیں، میرا آدمے سے زیادہ مسئلہ ہو چکا ہے نیل کو میں نے رائل کے متعلق بتایا تو نہیں تھا، مگر ان کو اعزاز ہو چکا تھا، کیونکہ اکثر مجھے خوش رکھنے کے لئے رائل میں فداقی کیا کرتے تھے، جن میں ہاتھ مارنا، دھکے دینا، وغیرہ شامل ہوتے تھے جبکہ چھوٹا سلیپر بھی ہے اس نے ایسا نہیں کیا مگر اب یہ سچ کہتا اور مکمل پردہ کرنا آسان تو نہیں ہے۔“

اس نے یہ کہہ کر میری طرف بغور دیکھا۔

”اکثر تم سوچتی ہوگی، زندہ رہنا تنہا مشکل ہے، زندگی تنہی تنہی تھکن ہے، جب نیل ایک عرصے تک بستر پر رہا تو کیا سب تم کو مشکل نہیں لگتا تھا۔“ میں نے سوال کیا۔

”جی میں سمجھتی تھی۔“

”بھئی، اکثر زندگی بہت مشکل لگتی ہے ناں، مگر پھر بھی ہم یہی رہے ہوتے ہیں۔“

”ہاں تو یہ ہے۔“ اب اس کو بھروسہ آ گیا۔

اسی طرح پردہ مشکل ہے، کرو گی تو آسان ہو جائے گا اور میں یہ بات دہراؤں گی، تم نے کتاب میں بھی پڑھا ہوگا کہ ایک ڈاکٹر مریض کو کہتا ہے کہ تمہارے لئے انڈیا سفر ہے، ٹھکانا کھانا چھوڑ دو، مریض

ڈاکٹر کی بات بااحتیاد اور حکمت و مصلحت پوچھتے بغیر مان لیتا ہے، تاکہ محت یا ب ہو جائے مگر انوس ہے کہ خالق کائنات اللہ تعالیٰ کا حکم اور سب سے بڑھ کر انسانیات تاجدار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو نہ غور میں باقی ہیں، نہ مردہ کو بھی بدلتی کی بات ہے، حالانکہ اس نا فرمانی پر دنیا اور آخرت دونوں کی ناکاکی ہے، خود کو ہی دیکھو، بے پردگی کا عذاب بھگت رہی ہو ناں؟“ میں نے اس کو دیکھا۔

”ہوں، وہی کہہ دیا گیا کہ پردہ تو دل کا ہوتا ہے اور کتاب میں صاف لکھا گیا ہے کہ بار بار احتیاط سے غفلت میں ملنے سے ایک دو نہیں، ہزاروں گھروں میں رات دن بدکاریاں ہو رہی ہیں، اف اور سرال والے مردوں سے تو پردہ کی سخت تاکید ہے۔“ وہ چپ ہوئی۔

”بہت کرنی پڑے گی۔“ میں نے ایک اور کتاب ایوان ریڈی کی بھی اس کو دی، یہ کتاب بھی پڑھو، یہی پردہ کرتی ہے۔“ میں نے اس کو سمجھایا۔

”میرے سرال والے اس چیز کو قبول کیسے کریں گے۔“ وہ پکچلی۔

”نیل، اگر تمہارے ساتھ ہے، پھر کیا مسئلہ ہے، اب اور کیا چاہتی ہو، دین کے لئے تو بڑے ٹھکانے راستے طے کرنے پڑتے ہیں اور تم تہا رہی تھیں کہ نیل بھی اور دینی کتابیں لائے ہیں، ان کو پڑھو، بہت بہت ملے گی۔“ میں نے اس کو سمجھایا۔

”تو میرے پچھلے تمام بے پردگی کے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے اور سب نے مجھ سے دیکھا ہے تو۔۔۔“ میں نے اسے ٹوکا۔

”تو یہ کرنے سے اللہ تعالیٰ بے گناہ معاف کر دے گا، میں، صدق دل سے توبہ ہو اور پھر ان گناہوں سے بچا جائے تو یہ علامات توبہ قبول کرنے کے ہیں۔“

☆.....☆.....☆

اگلے دو مہینے بعد پھر کنٹرل میرے پاس آئی۔

”السلام علیکم۔“ کنٹرل مکمل کرتے میں ملبوس تھی۔

”وعلیکم السلام۔“ کسی ہو۔

”ٹھیک ہوں، مگر ذہنی ابتری اپنی جگہ ہے۔“ وہ سرکاری۔

”ذہنی ابتری، کسی ذہنی ابتری۔“ میں نے سوال کیا۔

”لوگوں نے مذاق اڑانا شروع کر دیا، وہ میری پورے بھی مجھے جہاں پہنچتی ہیں، کہتی ہیں کہ نو سوچو بے کھا کر بیٹی ج کو چلی، اتنی اذیت ہوتی ہے ان کی باتیں سن کر نیل بھی مجھے کہتی ہیں، تم بہت زیادہ سخت ہو گئی ہو، عجیب مشکل میں گرفتار ہو گئی ہو اور مجھے یاد آتا ہے کہ میں بھی تمہارے سرکل میں آکر کوئی پردہ شروع کرتا تو اس کا بہت مذاق اڑاتی کرتی تھی، اب تو آجئے خاصے لوگوں میں پردہ کرنے کا رجحان بڑھ گیا ہے، ساتھ ہی بے پردگی بھی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔“ وہ چپ ہوئی۔

”لوگوں کی بدواہ کیوں کرتی ہو، جب تم پہلی دفعہ آئی تھیں، تب بھی لوگوں کے رحم کرے روئے اور سفریہ باتوں سے پریشان تھیں، لوگوں کا کام یہ باتیں سنا ہے، کچھ بھی کرلو، تم بس اپنے شوہر کی خدمت کرو اور اپنے پردے کو قائم رکھو، کچھ ہی دنوں میں نہیں، تو تھوڑے عرصے میں دیکھ لیں، حالات قابو میں آ جائیں گے، بہت مست رہنا، بس۔“ میں نے کہہ کر رک گئی۔

”عائنہ نے بھی پردہ کا نشانہ کر دیا ہے، مگر مکمل نہیں۔“ اس نے مجھے بتایا۔

”اور تمہاری بڑی جھڑپائی کے کیا حال ہیں۔“ میں نے سوال کیا۔

”میرے پردہ کرنے سے ان کے مزاج میں یہ تبدیلی آئی ہے کہ اب ہم میں جھگڑا نہیں ہوتا، میرے گھر میں سکون ہو چکا ہے، مگر ساس، سسر، ہم کو علیحدہ نہیں ہونے دے رہے۔“ اس نے جواب کیا۔

”یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا، تم بس اپنا کام کرتی جاؤ۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔

”کیا میں اپنے شوہر کی دوسری شادی کروا دوں گا؟“

”یہ تو تم اپنے شوہر سے پوچھو، میں کیا کہہ سکتی ہوں۔“ میں نے کندھے چپکا کر۔

”مجھے یہ خیال بھی برہقت رہتا ہے کہ ایسے زندگی کیسے گزریں گی، مگر نیل نہیں مانتے، وہ کہتے ہیں کہ تم ہی کافی ہو اور میں معذور ہوں، حقوق ادا کر نہیں سکوں گا۔“ وہ یہ کہہ کھاموش ہو گئی۔

”وہ بہتر بھتا ہے، کسی بچے کو گولے لو، بلکہ تمہارے دیوار کا پتھر آجی اگر گولے لو تو یہ تم دونوں میں بیوی کے لئے بہتر ہوگا، کیونکہ تمہاری دیوار تمہاری بہن کی بیٹی ہے، تو آگے جا کر ہم نازم کے مسائل نہیں ہوں گے، اس طرح اپنے بھائی یا دوسری بہن وغیرہ کا بیٹا لے سکتی ہو، بیٹی نہیں، اگر بیٹی خاٹے سے لوگی تو اپنی بہن یا بیٹی دیوار کی بیٹی بہن کی بیٹی کا دودھ پلوتا پڑے گا، بیٹی اتنا چھوٹا نہیں کہ تمہارے بھائی بھی تو رہ رہی ہیں۔“ میں نے سوال کر دیا۔

”ان کی شادی کے چندہ سال بعد بچہ ہونے والا ہے، پچھلے بھی ذی ڈاکٹر نے خوشخبری دی ہے۔“ وہ مایوس لہجے میں بولی۔

”اچھا، اس لئے تم پھر ڈسٹر ب ہو گئی ہو۔“ میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”ایک وجہ یہ بھی تھیں، ایک بچی ہو جاتا تو میں اور نیل زندگی آسانی سے گزار لیتے۔“ اتفاق سے ایک رسالہ میرے پاس رکھا ہوا تھا جس میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ کا مضمون ”ترتیب الاولاد“ شائع ہوا تھا، میں نے کھول کر اس کی طرف بڑھایا۔ ”اسے پڑھو۔“ میں نے کہا۔

”ابھی پڑھ لوں۔“ اس نے پوچھا۔ میں نے



حمزہ بہادر

پروفیسر خیال آفاقی

حزبہ خوش نصیب تھا کہ ماں اور باپ دونوں ہی کی طرف سے اسے بہتر تعلیم و تربیت ملی تھی، یعنی اس کے اندر بھی ساری وہی خوبیاں جھلکتی تھیں جو ماں باپ میں تھیں۔

آزاد کشمیر کی اس خوبصورت وادی پر ابھی سہری صوبہ پھیلی ہوئی تھی۔ سبز پہاڑی پرکھلونے کی طرح گائے گئے چھوئے چھوئے مکاؤں کی چھینوں سے سفید سفید دھواں اٹھ رہا تھا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ ان میں رہنے والے شین کی چھتوں کے نیچے بیٹھے، کھانے پکانے اور روزے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔

”خود کو اکثر صاحب ضرور ان شاء اللہ۔“ اس نے مسکرا کر مجھے یقین دلایا۔

”وین پر چنانہ بہت تھل اور آسان ہے، بشرطاً حق علمائے کرام اور دیگر نگران وین سے گاہے بگاہے چانی زعمی کے متعلق ان سے رجحانی حاصل کرتے رہیں، ورنہ ہم اپنے خود ساختہ اور فہمی کی بنیاد پر احکام وین اور شہداء اسلام سے روگردانی کر جاتے ہیں، جس کی وجہ سے ہمیں ضرورتاً مستقیم سے حرکت جاتے ہیں، جہاں سے اللہ تعالیٰ کے لیے سوز و غما کی سبب سے ضرور صراط مستقیم پر چلنے کی دعا سکھائی ہے۔ یہ میثورہ صرف کنول کے لیے نہیں ہم سب کے لئے ہے۔ آپ کی باقی فردوس.....“

☆.....☆.....☆

اس کے دو مہینے بعد کنول میرے پاس آئی تو وہ کافی مطمئن اور پرسکون لگ رہی تھی۔

”ڈاکٹر صاحبہ، اللہ تعالیٰ نے ہم کو حج کی سعادت نصیب فرمادی، ابھی تک کسی سے تعلق تو قائم نہیں ہوا، نہ ہی کوئی مدرسہ جانا ہوا ہے، مگر آپ کے دینے ہوئے رسائل اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسی کتابیں پڑھ کر بہت زندگی بن چکی ہوئی ہے، ہماری اہمیات المؤمنین کی بھی تو اولاد میں نہیں جس سوائے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے۔ انہوں نے بھی تو زندگی گزار دی ہے۔“ اس کی باتیں سن کر لگ رہا

اورنگ زیب صاحب، سیکنڈری اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے، اسکول گھر سے زیادہ دور نہیں تھا، قریب ہی تھوڑی سی اونچی جگہ پر قائم تھا، مزہ بھی اسی اسکول میں آٹھویں جماعت میں پڑھا تھا، وہ بہت ہی ذہین اور مختصر طالب علم تھا، شروع سے اب تک ہمیشہ اول آتا رہا تھا، ماسٹر اورنگ زیب اپنے اس اٹکو سے بیٹے پر خاص توجہ دیتے، اسکول کے علاوہ گھر پر بھی اسے پڑھاتے اور ہوم ورک میں اس کی رہنمائی کرتے تھے۔

اچھر مزہ کی ای جی اس کی تربیت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رہی تھیں۔ دراصل وہ خود ایک عالم دین کی بیٹی تھیں۔ ان کے والد مولوی عبدالرحمن مرحوم ایک بڑے عالم فاضل انسان تھے، مظفر آباد شہر میں ایک دارالعلوم کے سربراہ اور وہیں جامع مسجد کے امام اور خطیب رہ چکے تھے، ان کا کوئی بیٹا تھا، اس جہ سے انہوں نے بیٹی کو اسکول کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا، ان کی خواہش تھی کہ اس طرح بڑی ہو کر وہ دوسری بچیوں کو بھی اسلامی تعلیم سکھا سکے گی۔ خصوصاً گاؤں دیہات کی لڑکیوں میں قرآن کی تعلیمات کو عام کرنے میں بڑی مددگار ثابت ہوگی۔ چنانچہ اللہ نے باپ کی آرزو پوری کی، بیٹی پیادہ کر شہر سے گاؤں میں لگی اور یہی اللہ ہی ہمہ پائی تھی کہ مولوی صاحب کو دادا بھی اسی کی طبیعت اور مزاج کا اٹھا تھا، نہایت اہم شریف، سبکی دیتی تھی کہ جب تک مولوی صاحب زندہ رہے، انہوں نے ماسٹر اورنگ زیب کو دادا کی جگہ ہمیشہ اپنا بیٹا سمجھا، اچھر خود صاحب بھی اپنے سر صاحب کا والد کی طرح ادب و احترام کرتے تھے، رہے دونوں میاں بیوی، تو وہ ایک جان دو قالب تھے، ہم مزاج اور ہم خیال، دونوں کی سوچ ایک اور مقدمہ تھا، ماسٹر صاحب اسکول میں دنیاوی تعلیم دیتے اور دیریدہ خاتون گاؤں کی لڑکیوں میں قرآن کی تعلیم عام کرنے میں مصروف رہتیں۔

ان کی کئی اولاد ہوئی مگر زیادہ عرصہ ہی نہ تھیں، مزہ کو اللہ نے زندگی بخشی اور اب ایک وہی ان کی خوشیوں اور امیدوں کا مرکز تھا، اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں ماں باپ دونوں ہی کوئی کی نہیں اٹھا رکھتے تھے، والد کی نظر اس کی پڑھائی پر رہتی اور ماں اس کی اخلاقی تربیت پر زور دیتی تھیں۔

زیدہ خاتون کو جب بھی موقع ملتا، بیٹے کو پاس بٹھا کر اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بتاتیں، اچھی اچھی کہانیاں اور سبق آموز اخلاقی احکامات بیان کرتیں اور مختلف مثالیں دے کر سمجھاتی کہ وہ کون سی باتیں خورچیاں ہوتی ہیں جن کو اپنانا ہے۔ تو کئی اچھا اور بڑا بنتا ہے۔ مزہ واہنی ای کی باتیں بڑے غور اور دچکی سے سنتا اور دل میں دل میں فیض کرتا کہ وہ ضرور ان باتوں کو اپنانے کا، جن کی وجہ سے بڑا ہو کر وہ ایک اچھا انسان بن سکے گا۔ ایسا ہی انسان، جیسے اچھے انسانوں کی کہانیاں اور قصے وہ ماں سے سنتا آیا ہے۔ اس وقت بھی وہ ایک ایسی ہی بات سوچتا اور باتوں میں افطاری کی خرے اٹھائے۔ آہستہ آہستہ چلنا ہو گئی کہ گڑ پر پچھتا اور ایک پختہ مکان کے دروازے پر رک گیا۔

”خالہ جی!“ اس نے مصوم سی آواز میں پکارا، دوسری تیسری آواز پر کسی نے اندر سے پوچھا۔ ”کون؟“ ”میرے مزہ ہوں خالہ جی۔“

”اچھا، اچھا، زیدہ کا بیٹا مزہ!“ گھر میں موجود خاتون نے کہا اور دروازہ کھول دیا۔

”السلام علیکم خالہ جی!“ اب سے پہلے تو مزہ نے بڑے ادب سے اپنی بڑوں خاتون کو سلام کیا، پھر افطاری کی خرے ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

”امی نے دی ہے آپ کے واسطے۔“

”مغھر ویراں!“ خاتون کے ہاتھ وہیں پرک رہے۔ ”السلام علیکم چایا!“ مزہ نے آنے والے شخص کو بھی مصوم اور مسکراتے آواز میں سلام کیا، مگر وہ صاحب تو بیٹے میں بھڑکے دکھائی دے رہے تھے، انہیں سلام کا جواب دینا بھی یاد نہیں رہا تھا۔ جھجھکاتے ہوئے سے انداز میں بولے۔

”لے جاؤ پر خوردار سے، اور اپنے بابا سے کہنا، سکندر بخت کی دشمنی چیز قبول نہیں کرتا۔“ ”وہ؟“..... مزہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ لیکن چایا، میرے بابا تو کسی کے دشمن نہیں، آپ کے کیسے ہو سکتے ہیں، آپ تو ہمارے بڑی، ہمارے اپنے گاؤں کے ہیں۔“

”اوتے نہیں جانتا چایا تم کو ان باتوں کا معلوم نہیں ہے، جاؤ، یہ لے جاؤ، اور اس کو بولنا، سندھ ہم لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھے، سمجھا!“ سکندر بخت نے نفرت سے کہا اور مزہ کا مصوم چہرہ بگڑ کر رہ گیا۔ وہ بغیر کچھ بولے واپس ہو گیا۔ مگر جاتے جاتے اس نے سکندر بخت کی بیوی نذیراں کی طرف دیکھا تو جوفس کی نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی، مگر بے بسی تھی، کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی، کیونکہ وہ اپنے شہر کی سخت طبیعت اور غمے کو اچھی طرح جانتی تھی۔ لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آئی کہ اس کے شوہر نے ماسٹر صاحب جیسے شریف آدمی کو پناؤ دشمن کیوں سمجھ لیا جو کبھی کسی کی برائی میں نہیں رہے تھے، یہی سوچ کر وہ حیران تھی۔

مزہ جب گھر واپس آیا تو اس وقت تک ماسٹر صاحب بھی شہر سے لوٹ آئے تھے، وہ آج اسکول کے بعد اپنے تعلیمی افسر سے ملنے چلے گئے تھے، انہیں دراصل اسکول کی نئی عمارت سے متعلق بات کی تھی، وہ پچھلے کئی روز سے مسلسل سوچتے آ رہے تھے کہ برآمدوں کو کس طرح

کی طرف سے اتنا زیادہ کور (Cover) کر دیا گیا ہے کہ سرد موسم میں دھوپ اندر نہیں پہنچ سکے گی، جبکہ بچوں کے لئے ٹھنڈے موسم میں دھوپ بہت ضروری ہوتی ہے، ان کا خیال تھا وہ اپنے افسر سے کہہ کر عمارت میں تبدیلی کر سکیں گے، لیکن آج شہر میں جا کر ان سے ملاقات کی اور ان کے سامنے اس معاملے کو پیش کیا تو صاحب نے بالکل سکندر بخت کی طرح ان کی سفارش کو فوراً ہی رد کر کے مسکراتے کہہ دیں اس وقت کی تھیں جب نقشہ پاس کیا جا رہا تھا، اب کچھ نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ باتیں تمہارے سوچنے کی نہیں، تمہارا کام پڑھانا ہے، لہذا اپنے کام سے کام رکھو!“

ماسٹر اورنگ زیب مایوس اور نا کام لوٹ آئے لیکن پھر بھی دل میں ایک طرح کا اطمینان تھا کہ بہرحال انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا، حالانکہ شروع ہی سے وہ اسکول کی عمارت سے مطمئن نہیں تھے، ان کا کہنا تھا کہ عمارت کا نقشہ شہروں میں بننے والے اسکولوں کی طرز کا بنایا گیا ہے، جبکہ وادی کی عمارتیں اپنا ایک الگ انداز رکھتی ہیں، جس کو نقشہ بنانے اور پاس کرنے والوں نے بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے، لیکن وہ خود کیا کر سکتے تھے، ان کے انجیکشن افسر نے بھی کبھی ہی کہا تھا کہ انہیں اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے اور ان کا کام پڑھانا اور تعلیم دینا تھا، نا کہ انتظامی معاملات میں ناگ آڑنا؟

☆.....☆.....☆

”اے بیٹا، نہ سلام نہ دعا۔“

مزہ افطاری کی خرے باتوں میں اٹھائے واپس گھر میں داخل ہوا تو ماسٹر صاحب نے حیران ہوتے ہوئے ٹوکا۔

”السلام علیکم بابا!“ مزہ نے جلدی سے اپنی غلطی درست کی، مگر افسردہ چہرے لے آگے بڑھ گیا۔ دراصل اس کے داغ میں سکندر بخت کی باتیں ابھی تک گونج رہی تھیں اور وہ انہی میں گھویا ہوا سا لوٹا تھا۔ اسے یہ بھی



خیال نہیں رہا کہ اس کے باگھر میں آچکے ہیں اور اس وقت دروازے پر کھڑے اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ سیدھا اس کی طرف گیا۔ چلا۔ زیدہ نے اس کے ہاتھ سے ٹرے کی تیریدیکہ کھیران کی ہوئیں کلاس میں اظہار کی سامان جوں کا توں موجود ہے۔ انہوں نے پوچھا: ”کیا ہوا، زیدیاں! آپ کھر نہیں تھیں؟“ ”جواب میں حمزہ نے ہاں کو سارا قصہ کہہ سنایا، زیدہ اور بھی حیرت کرتے لگیں۔

”ایسی بھلا کیا دشمنی ہو سکتی ہے سکندر بھائی کی تمہارے بابا سے؟“

”ہے، ایک دشمنی ہے“۔ ماسٹر اورنگ زیب حمزہ کے پیچھے پیچھے آگے میں چلے آئے تھے، جہاں زیدہ نیچے کھینچی ہوئی چٹائی پر روزے کا سامان رکھ رہی تھیں اور وہ سب باتیں سن چکے تھے جو حمزہ نے اپنی ماں کو بتائی تھیں۔

”خدا نہ کرے ماسٹر صاحب کہ آپ کی کسی سے دشمنی ہو!“ زیدہ شوہری کی طرف دیکھ کر شوق سے لہجے میں کہنے لگیں: ”آپ کا ان باتوں سے بھلا کیا واسطہ؟“ ”بھئی، بھئی ایسا بھی ہوتا ہے زیدہ کہ بات کچھ ہوتی ہے اور آدمی جھٹکتا کچھ اور ہے مگر..... خیر اس وقت ان باتوں کو چھوڑ دو روزے کا وقت ہو رہا ہے۔..... انہوں نے چٹیل اتاری اور چٹائی پر بیٹھ گئے۔ ”تم لوگ بھی بس اب بیٹھ جاؤ اور خیر کی دعا کرو!“

☆☆☆

آج دوسرا روزہ تھا اور جھکاؤں تھا۔ ماسٹر اورنگ زیب حمزہ کو ساتھ لے، جو کہ نماز ادا کر کے مسجد سے باہر آئے تھے کہ ان کی نظر سکندر بخت پر پڑی، وہ جو تیسری ٹھیک طور سے نہ پہن سکے اور جلدی سے آگے بڑھ کر سکندر بخت کے قریب جا پہنچے، انہوں نے اپنی عادت کے مطابق نہایت پر تپاک انداز میں سلام کیا، لیکن سکندر نے جواب دینے کی بجائے، اپنا چہرہ

دوسری طرف پھیر لیا۔

”ملک صاحب خیر تو ہے، لگتا ہے آپ مجھ سے ناراض ہیں؟“

”چھریہ جانتے ہوئے بھی سلام دعا کر کے میری ناراضگی اور نفرت میں اضافہ کر رہے ہو!“

ماسٹر صاحب کی وقتی کے جواب میں ملک سکندر بخت نے نہایت غرور اور نفرت کا اظہار کیا۔

”آپ کو نفرت اور ناراضگی کا حق ہے ملک صاحب، آپ جو چاہیں کریں، لیکن میں جھٹکتا ہوں، میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی کہ آپ میرے سلام کا جواب دینا بھی گوارا نہ کریں۔“

”یعنی تم نے کوئی بات ہی نہیں کی، واہ..... کیسے بھولے بنے ہو بلکہ بس اگر یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ تم نے میری پشت میں پھرا دیا ہے، مجھے دھوکا دیا ہے، ش مجھے خبر ہوئی کہ میرے خلاف کوئی دگے تو میں تمہیں گواہوں میں شامل ہی نہ ہوں نہ دیتا۔“

”آپ نے غلط سمجھا ملک صاحب، پہلی بات تو یہ کہ تحقیقات کمیٹی میں بطور گواہ مجھے آپ نے نہیں، میرے جھگے نے شامل کیا تھا اور بدعنوانی کا تعلق، کیونکہ اسکول سے تھا اور میں اسکول کا ہیڈ ہوں اور چاہتا ہوں کہ اسکول میں جو فرخچہ فراہم کیا گیا ہے، وہ ناقص اور غیر معیاری ہے، لہذا میری گواہی ضروری تھی، آپ اگر چاہتے ہیں تو مجھے کوئی سے روک نہیں سکتے تھے، دوسری بات یہ کہ میں نے آپ کے خلاف نہیں، جھوٹ اور بے ایمانی کے خلاف گواہی دی ہے، وہ کہا ہے جو جھکاؤں سے یہ تھا کہ اسکول کو فرخچہ سپلائی کیا گیا تھا، وہ تیسرے درجے کا تھا، بلکہ بہت سے ڈیمک اور کسپاں تو پرانی تھیں، جن پر رنگ و روغن کر کے ایک طرح سے دھوکا دیا گیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ چند مہینے بھی نہ چل سکا اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا۔ اس سے زیادہ حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ میرے جھ کا بولنے کا آپ نے نیوں برا

ماہ؟ کیونکہ آپ تو ٹھیکدار ہیں، فرخچہ سپلائی کرتے ہیں، بے ایمانی تو بنانے والے کی تھی، بلکہ اس نے اصرار ہی کر لیا تھا، پھر آپ کو کس بات کا قصہ ہے، آپ کا کوئی نقصان نہیں ہوا، فرخچہ بنانے والے نے وہ بارہ بات کر دینے کی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔“ ماسٹر اورنگ زیب مسلسل بولتے ہوئے ملک سکندر بخت کے ساتھ ساتھ چلے رہے اور اس عرصے میں سکندر بخت نے ایک لفظ بھی نہیں کہا، بس چپ چاپ سامنے دیکھتا رہا، پھر جب ماسٹر صاحب اپنی بات ختم کر کے خاموش ہو گئے تو کیا کیا اس نے چہرہ پھر کر ان کی طرف کھانے اور انظر میں دیکھا اور نہایت نفرت سے بولا۔

”مجھے لگتا ہے ماسٹر نے بڑھاکا کھجک مادی ہے، صرف باتیں کرنا جانتا ہے، اور وہ بھی کلاسوں کی باتیں، کتنی آسانی سے کوئی کامیرا کیا نقصان دیتا ہے، تجھے ہے، وہ ترکھان کا بچہ کون سا تو اب ہے، اس نے سارا نقصان مجھ سے پورا کرنا ہے، اور حکمہ تعلیم نے تین سال کے لئے مجھ پر پابندی لگادی ہے کہ میں کوئی بھی چیز حکمہ تعلیم کو چلائی نہیں کر سکتا اور بے ساری بے عزتی اور نقصان کی کی وجہ سے ہوا؟ تیری وجہ سے اتنی روکائی کی وجہ سے، تجھے جھ کھینے کا جو بیڑہ ہے، اس کی وجہ سے، جا اور آئندہ مجھ سے سلام وکلامت کرنا۔“

ملک سکندر بخت، ماسٹر اورنگ زیب کو اس طرح ہمزہ کر کے تھوڑے قدم اٹھاتا ہوا چلا گیا، جیسے وہ اس علاقے کے ایک حمزہ، سارا تینیں بلکہ کوئی گروے پڑے شخص تھے، لیکن وہ سکندر بخت کی جھجھکاؤں پر غیظ سے سمسکا کر رہے تھے۔ الگ الگ حمزہ اپنے باپ کی بے عزتی پر بہت ہی دکھی اور عقیدہ نظر آنے لگا۔

”بابا..... اس نے اداس آواز میں کہا..... یہ ملک چاہا، آپ پر اتنا غصہ کیوں کر رہے تھے؟“

”جنا جی، کسی کے جرم پر سے پردہ ہٹ جاتا ہے نا تو وہ اسی طرح تو کسی سادہ کی طرح پھٹکا رہا ہے۔ لیکن

”کیا بات ہے آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟“

”نہیں، کچھ نہیں۔“

”ہاں، کچھ کہہ کر آ رہا ہے! ابھی تو اسکول میں کافی دیر ہے، حمزہ کی بات لیا گیا ہے۔“

”ہاں، کچھ کہہ رہے،“ ماسٹر صاحب نے منہ منہ میں کہا اور قریب ہی چل کر بیٹھ گئے۔

بیٹھ گئے۔ آہستہ سے اپنا ہاتھ بیٹے کے سر پر رکھا اور کافی دیر تک بھری بصری نظروں سے اس کا چہرہ دیکھتے رہے۔  
حزہ، سو اپنیں جاگ رہا تھا، باپ کا ہاتھ اپنے سر پر دیکھ کر آنکھیں کھول دیں۔

”بابا!“

”جی بیٹا!“

”آپ کچھ پریشان ہیں؟“

”نہیں بیٹا، پریشانی کس بات کی؟“

”تو پھر آپ آرام کیوں نہیں کرتے، کل تو آپ اس وقت پچھڑے کر کے لئے سو گئے تھے۔“

”ہاں، کل تو ہمیں بھی نیند آگئی تھی، مگر آج تم بھی جاگ رہے ہو!“

”ماں صاحب کا لہجہ خلاف معمول بدلا ہوا سا تھا۔“

”جی ہاں بابا، آج نیند نہیں آ رہی۔“

”اچھا، فجر کے وقت سونا کوئی اچھی بات نہیں۔“

”جی ہاں، مجھے بھی اچھا نہیں لگ رہا۔“ یہ کہہ کر حزہ اٹھ کر بیڈنگ کی، مگر اسی وقت باپ نے اسے ہاتھوں میں لے لیا اور چھوٹے بچوں کی طرح کود میں لٹا کر مینار کرنے لگے۔

حزہ کو بہت اچھا لگ رہا تھا، وہ بہت دنوں کے بعد اس طرح باپ کی آغوش میں لیٹا تھا، زبیدہ نے عداوت سے فارغ ہو کر باپ کے سینے کو اس طرح دیکھا تو زیراب مسکرائیں۔

پھر آنکھوں میں باریج تار رنگ لئے، قرآن مجید کو اپنی جگہ رکھتے اندر کمرے میں چلی گئیں۔

واپس آئیں تو ماں صاحب نے پکارا۔

”زبیدہ! بیوی دوران کی طرف توجہ ہوگئی۔“

”آج اگر ماں سے بچے زندہ ہوتے تو کھر کھتا مگر بھر الگ۔“

”اسیامت جوئے ماں صاحب! اللہ کی ناشکری ہوتی ہے۔۔۔۔۔“

”زبیدہ نے شوہر کو کوک دیا۔“ وہ بے نیاز ہے، جو چاہے دے، جو چاہے لے، یہ اگر ایک بیٹیا بھی نہ ہوتا مگر تو ہم کیا کر لیتے۔“

”ہاں، شکر ہے اس کا، احسان ہے کہ اس نے اتنا پیارا ریا پر اپنا نہیں دیا ہے، کیوں حزہ جان!؟“ انہوں نے چہرہ ہنسا کر بیٹے کی پیشانی کو چوم لیا۔

”جی ہاں، مجھے بھی اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے مجھ سے پیار سا مایا اور باندھے ہیں۔“

اس نے جلدی سے اٹھ کر ماں اور باپ دونوں کی پشتوں پر اپنے چھوٹے اور مصوم ہاتھ رکھ دیے۔

اس کے بعد وہ سب دیر تک بھری بصری کرتے رہے یہاں تک کہ سورج کی سنہری کرنیں سخن میں پھیل گئیں۔

اب اسکول کا وقت بالکل قریب آچکا تھا، ماسٹر صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور تیار ہی میں مصروف ہو گئے، حزہ نے بھی جلدی جلدی یونیفارم پہنا اور پندرہ روپوں باپ کے زبیدہ کو خداحافظ کہہ کر کمرے سے نکل گئے۔

لیکن نہیں معلوم ماسٹر اور انگ زیب نے جاتے جاتے بھی کئی بار پلیٹ کر بیوی کی طرف دیکھا، جیسے کوئی دور جانے والا اودھائی نظریں اپنوں پر ڈالتا ہے۔

حقیقت یہی تو یہی تھی کہ وہ آخری بار اپنے بیٹوں ساتھی کو دیکھ رہے تھے، کسی کو کوئی فریضی کہ یہ اب بھی نہیں ملیں گے، ماسٹر صاحب اب بھی لوٹ کر نہیں آئیں گے، زبیدہ بھی اب شوہر اور بیٹے کا انتظار نہیں کرے گی اور وہ خود بھی تو دروازہ کھولنے کے لئے نہیں ہوگی، اب نہ دروازہ ہوگا، نہ دستک ہوگی اور نہ وہ ہوگی، اب سے کچھ ہی دیر بعد ساڑھے مٹھ، ایک گھنٹے میں تبدیل نہیں ہونے پائیں گے کہ سب کچھ ختم ہو چکا ہوگا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

پڑنے والے بچے اور بچیاں، صاف سترے یونیفارم پہنے اور بیٹے گلے میں ڈالے خوش خوش اسکول جانے کے لئے، صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی میں اپنے گھروں سے نکل رہے تھے، سب طلبہ دو دو باتیں کر چہرے تازہ پھول کی طرح کھلے نظر آتے تھے،

اے صابا! کا خوش! انگ اور اسکول جانے کی انگ انگ انگ کے ہر ہر انداز سے جھلک رہی تھی۔ وہ سب اچھلتے کودتے اور ہنستے بولتے اپنی تعلیم کا ہوں کی طرف رواں دواں تھے۔

لڑکیوں کا اسکول ہستی سے بہت قریب تھا، حزہ اپنے والد کے ساتھ پہلے ہی اسکول پہنچ چکا تھا اور اب ہمدی آجائے والے دوسرے طالب علم ساتھیوں کے ساتھ مل کر ہنسنے بولنے میں مصروف تھا، ان کی باتوں کا موضوع زیادہ تر تحریر اور افطار تھا، سب اپنے اپنے رازے کا حال اور قصہ ایک دوسرے سے بیان کر رہے تھے، اسی جلی جلی دیر بانی میں یہ باتیں کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

سفیدے اور چنار کے لمبے لمبے درختوں میں گھری ہوئی اسکول کی زرخیز عمارت کی عمارت گا کی طرح پاکیزہ اور مقدس نظر آ رہی تھی۔

موسم بدل رہا تھا، دھیرے دھیرے چلنے والی خشک ہوا خشک ہو چکی تھی، جو بے پیغام سارے کی کسری کی آمد آ رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ اسکول کے گراؤنڈ میں پھیلنے والی دھوپ آہستہ لگنے لگنے بھی پچھڑے کر اسکول کے اندر اور باہر کا ماحول دوڑکے خوشگوار اور فضا بن سکون ہو رہی تھی۔

یہ ایک کھنٹی کے ٹھونڈے ماحول فضا کو چٹکا چٹکا پھر گئی، آواز کاؤنوں کو بری نہیں لگی، محسوس ہی ہوتا تھا کہ کوئی گیت یا نغمہ ہے جو ہر روز صبح سویرے اس وادی میں گونجتا ہے، جس کی آواز سے یہ وادی ہی باتوں ہو جیسی ہے جیسے ہاتھوں وقت بلند ہونے والی آواز کی آواز سے یہاں کے پہاڑ اور چشمے آشنا ہو چکے ہیں۔

تمام طلبہ بچوں کے جھنڈی طرح آہستہ کے لئے گراؤنڈ میں جمع ہونے لگے، پھر دیکھتے دیکھتے نہایت نظم و ضبط کے ساتھ قطاریں بنا کر کھڑے ہو گئے اور پھر اسکول کی فضا میں اللہ کے کلام کی آواز بلند ہوئی، حزمہ پر گہری کامی کوئی رکھے نہایت خوبصورت انداز میں

قرآن کی تلاوت کر رہا تھا، تمام بچے ادب اور توجہ کے ساتھ آیت قرآنی کی تلاوت کر رہے تھے، سورہ قاعہ کی تلاوت کے بعد حزمہ نے جب سے پرچہ نکالا آیت کا ترجمہ پڑھ کر سنا تھا۔

”ہاں دینے والی، کیا ہاں دینے والی؟ اور تمہیں کیا معلوم“ وہ قاعہ (یعنی) ہلا دینے والی کیا ہے، جس روز انسان پتھروں کی طرح پکھرے ہوئے ہوں گے اور

(انسان تو انسان، بھاری بھاری) پہاڑ (بھی) جھکی ہوئی رتیں اداں کی طرح (فضا میں) تیرتے پھر رہے ہوں گے تو جس کے (نیک اعمال کے) وزن بھاری ہوں گے کامیابی والی زندگی میں ہوں گے اور جس کے (نیک اعمال) کا وزن ہلکا ہوگا تو اس کا ٹھکانہ ہی ہادی ہے اور

تمہیں کیا معلوم کہ وہ (ہادی) کیا ہے، وہ (ہادی) ایک پھڑکی ہوئی آگ ہے،“ صدق اللہ اعظم۔

قرآن کی تلاوت اور ترنہ کے بعد، شاعر اسلام حضرت محمد اقبال کی مشہور نظم ”لب پہ آتی ہے عداوت کے تناسیر“ سب نے دل کر پڑھی، پھر تری تانہ پڑھا گیا اور اس کے بعد یہ سب طلبہ اداوں کی شکل میں اپنی اپنی جماعت میں چلے گئے۔

جیسے یہ طلبہ کمرہ میں بیٹھے، اساتذہ بھی اپنی اپنی کلاس میں پہنچ گئے اور سب معمول پڑھائی شروع ہو گئی، حزہ کی کلاس میں پہلا پیر ہوا تھا، ادارہ کے استاد اکیلا کیا صاحب نے کتب کھول کر کل کے کورس کے سبق کا حصہ شروع کر لیا، سبق کا نام ”ودعہ“ تھا، بہت ہی عمدہ اور سبق آموز تھا، یہ ایک ایسے نوجوان کا قصہ تھا، سفر کے دوران جس کے ہاتھ سے اتفاقاً طور پر ایک شخص کی موت واقع ہو جاتی ہے، مرنے والے کے بیٹے اسے پکڑ خلیفہ المسلمین کے پاس لے جاتے ہیں اور انصاف طلب کرتے ہیں، اس وقت حضرت عمرؓ خلیفہ تھے، وہ نوجوان سے دریافت کرتے ہیں کہ ”کیا واقعی تم سے پہلے اس کا رزق ہوا ہے؟“ نوجوان اقرار کرتا ہے کہ ”یا



امیر المومنین، یہ لوگ سچ کہتے ہیں، مجھ سے واقعی یہ جرم ہو گیا ہے، لیکن خدا جانتا ہے، یہ سب اتفاقاً ہوا ہے، ورنہ میرا ارادہ جو خدا جانان سے ارادے کا ہرگز نہیں تھا۔“

امیر المومنین فیصلہ سناتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

”کچھ سی، خون کا بدلہ بہر حال خون ہے، ہاں، البتہ اگر مرنے والے کے وارث خدا واسطے معاف کر دیں یا خون بہا لے کر چھوڑ دیں تو تمہاری جان بچ سکتی ہے۔“

مرنے والے کے بیٹے معاف کرنے کے لئے کسی قیمت پر تیار نہیں ہوتے، لہذا سزا پر اترتی ہے اور اس سے پہلے کہ سزا کو دل آ رہتا ہو، جو ان وارث پر خلافت میں عرش کرتا ہے کہ وہ ایک یہودی کا مقروض ہے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے کہ جو شخص قرض ادا کرے بغیر سرگاہی اس کی بخشش اس وقت تک نہیں ہو سکتی، جب تک اس کو لاحقین میں سے کوئی اس پر سے قرض نہیں اتار دیتا، لہذا امیر المومنین مجھے اجازت دیجئے، تاکہ میں اس قرض ادا کر آؤں۔“

نوجوان کا گاؤں، کیونکہ بہت دور تھا اور اس وقت اس کی حیثیت ایک مجرم کی تھی اور بغیر ضمانت اسے نہیں چھوڑا جا سکتا تھا، لہذا حضرت عمرؓ نے اس سے ضمانت پیش کرنے کو کہا مگر نہ تو جوان نے نہایت باپ کی اہلیہ کا بدلہ دیا۔

”یا امیر المومنین میرا تو یہاں کوئی بھی جان بچان والا نہیں ہے، یہاں ہی وقت شہر سواری حضرت ابوذر غفاریؓ نہیں ہے۔“

اس میں نوجوان کی ضمانت دینا آگے بڑھے اور کہا کہ ”میں اس نوجوان کی ضمانت دیتا ہوں۔“ تب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”تجربہ بڑا خطرناک فیصلہ ہے، کیونکہ بالفرض اگر تو واپس نہ آیا تو قانون کی رو سے اس کے بدلے آپ کو مرنا پڑ سکتی ہوگی۔“

لیکن حضرت ابوذر غفاریؓ نے اس موقع پر جو شہری اور تاراجی الفاظ ادا کئے، وہ یہ تھے کہ:

”میں یہ گوارا تو کر سکتا ہوں کہ اس نوجوان کے بدلے میری گردن مار دی جائے، مگر مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کے درمیان دور کرو کی مسلمان

کے دیہات اور شہروں کو کھنڈر بنا کر رکھ دیا تھا، بڑی تباہی پھیلی تھی، اپنی برادری ہوئی تھی کہ حکومت بھی ٹھیک کر رہ گئی، وہ اس اجاں اور اس بیباک اور اتنے بڑے حادثے کے لئے بالکل تیار نہیں تھی، شروع شروع میں تو سمجھ ہی میں نہ آ سکا کہ کیا کرے، بے بسی کی تصویر بنی سو جی رہی، لیکن جلد ہی سبیل گئی اس اپنی و مزار کا احساس ہوا، نوٹی امداد کے لئے یہیں تیار کی گئیں، فوج کو اس کام کے لئے لایا گیا، پوری قوم اس عظیم اور المناک حادثے پر دل پکڑ کر رہ گئی، مگر جلد ہی لوگوں کو احساس ہو گیا کہ یہ صرف غم اور سوگن کرنے کا وقت نہیں، عملاً کچھ کرنے کی گڑھی ہے، لہذا لوگوں نے فتن من وجہ سے آفت زدہ لوگوں کی مدد کرنی شروع کر دی، عوام اور فوج مل کر سٹارٹر علاقوں میں امدادی کارروائیاں کرتے گئے، لمبے لمبے تلوے ہوئے لوگوں کو نکالنا جانے لگا، زخمیوں کو اسپتال لے جانے کا کام اور مرنے والوں کے کفن کے فن کا انتظام شروع ہوا۔

جو سرچکے تھے وہ بھی نہ رتا کسے کرنا پڑ گیا، فتنی کیا کرنا کر دی، جو جڑی تھے، وہ اس حالت میں نہیں تھے کہ اس قیام کر سکیں، اور دواں سانسکے، کہ کوئی کا ہوش ہی تھا کہ غم مزیدوں اور پیادوں کا پتا نہیں چل رہا تھا کہ لوگوں سے اور لوگوں سے گئے، اعزاز کا مشکل تھا کہ کتنے یتیم ہو گئے، اور کتنے بے اولاد ہو گئے، جو زندہ بچ گئے تھے وہ مردوں سے بدتر تھے، زخموں سے چور غم سے ٹھہرا، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ خود کو تنہا کیسے پیادوں کو روکیں۔

معماروں کے بلے میں پھنسی ہوئی لاشیں اور زخمیوں کو لے لے لے لے گا جا رہی تھا، کاڈ کاڈ ایسے تجرات بھی دیکھنے میں آ رہے تھے کہ زندہ نکالے جانے والوں کو تڑپ تک نہیں آتی تھی، ہاں فتنی میں بھی تھا، سالی داستان بھی تھی۔ زلزلے کی گڑ گڑاہٹ تھی اور گرد و بار کم ہوا، تب زلزلہ فتنی میں کیا کہ وہ زندہ ہے، اس نے خوف و جرت

بھری آنکھوں سے اپنے آس پاس دیکھنے کی کوشش کی، لمبے اور دھندلے سے اچالے میں اسے نظریاً ایک قہار کا اس روم کھنڈر میں تبدیل ہو چکا ہے، پوری کلاں میں بھرے ہوئے لڑکوں کا کچھ ہاتھ نہیں، اس وہ اس کے چند ساتھی بچ گئے ہیں جو زلزلہ آتے ہی چپٹے چلا تے ہوئے، ہاتھ لٹکے کے لئے بھاگنا چاہتے تھے، مگر مہلت ہی نکل کی، پورا کمرہ کچھ مڑھو لے کی طرح ڈولا اور پھر چھت اور دیواریں بے پناہ پڑیں، لیکن اتفاقاً کمرے کے جس کونے تک وہ پہنچ پائے تھے، وہ کونے میں دبے اور سبے ہوئے ٹکڑے تھے، باقی طلبا کہاں تھے اور کس حال میں تھے، ان کا اسے کچھ پتا نہیں چل رہا تھا، کیونکہ کلاں کے دال میں بائیں اور سناٹے لمبے کا ڈھیر لٹا تھا، کبھی چپڑ صاف دکھائی نہیں دے رہی تھی، بہت دور سے دیکھنے پر اسے اندازہ ہو سکا تھا کہ ٹوٹ چھوٹ سے باقی رہ جانے والے کونے میں اس کے علاوہ چار ساتھی اور بھی ہیں۔

”تو کیا کلاں کے دوسرے ٹکڑے اس لمبے کے تھے دب کر۔۔۔“ وہ اس سے آگے سوچ بھی نہ سکا، اس کی آواز اس کے اندری دب کر رہی اور ایک سنسنی سی اس کے سارے جسم میں دوڑتی چلی، اس نے انہیں سمجھاڑ چھڑا کر ایک با پھر سنا، کچھ پتھروں کی طرف دیکھا، جو ابھی تک دیوار سے کھنکھرتا تھا، اعزاز میں ایک دوسرے سے چپٹے ٹکڑے تھے، ایک لڑکے نے جو اس کے بالکل قریب تھا، اس کا بازو دور سے پکڑ رکھا تھا، ایک کچھ ترہ کے دل میں خیال آیا کہ جس طرح یہ لوگ ڈر اور ہر کہ چپ ہو گئے ہیں، دوسرے لڑکے بھی اسی طرح خاموش ہو گئے ہوں گے اور محفوظ ہوں گے، لیکن اب کمرے میں کون ہی جگہ بچی تھی جہاں وہ سب کے سب جمع ہوں گے، اس نے خودی سوچا اور اس کا دل کانپ کر رہ گیا، پھر بھی کسی نے سہرا نہ کیا اور ایک ایک کے سب ساتھیوں کو زور زور سے پکارنے لگا۔

”سمیل! آفتاب! خالد! بلال!“ مگر جواب میں

”تو کیا حمزہ بھائی؟“ گلریز چہرہ اٹھا کر حمزہ کی طرف دیکھنے لگا۔ ”پھر ہم خود یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔“

”نہیں، مگر یزید نہیں، رومت، اللہ کا نام لو۔“ حمزہ نے بزرگانہ سے لہجے میں اپنے سے کم عمر ساتھی کو سمجھایا۔ دوسرے ساتھی جو دم بخود تھے، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

”یا اللہ، یہ کیا مصیبت آن پڑی۔“ گلریز نے پھر رونا شروع کر دیا۔

”ٹھیک ہے، اگر رونے سے یہ مصیبت نکل سکتی ہے تو آؤ ہم سب مل کر رو رہے ہیں۔“ حمزہ کو جیسے فضا آ گیا۔

”لو پھر کیا کریں حمزہ بھائی!“ خرم نے کہا، جو خود بھی رونے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔

”ہاں جی، ہمیں ٹھیک آؤ، آخر کیا کیا جائے!“

فرید جو اپنے ان ساتھیوں میں سب سے بڑا تھا، سر کو ہٹھکنے ہوئے بولا۔

”اور حمزہ نے ان اطمینان سے کہا۔“

”دیکھو! ہمیں سب سے پہلے تو یہ کرنا چاہئے کہ  
 ہجرانے اور پریشان ہونے کی بجائے اللہ کا نام میں اور  
 اس سے مدد مانگیں، پھر یہ سوچنا چاہئے کہ ہم خود کیا  
 کر سکتے ہیں، مگر پہلے ہمیں انتظار کرنا ہوگا، اللہ تعالیٰ کی ضرور  
 ہمارے بڑوں کو ہماری مدد کے لئے بھیجے گا۔“

پانچویں کتبہ انیس کے دو لکڑے "فرید نے کہا کہ یہ کتاب ایک تک ہی انگریز سفارت پر مبنی ہے گے" "پانچویں فرید نے انیس کے کاموں کو کچھ تو انتظار کرو اور پھر اگر کسی جلدی ہماری مدد کو نہیں آیا تو کیا ہم بیٹھے رہیں گے، ہمیں خود بھی کچھ کرنا ہوگا۔" کیا کرتا ہوگا، میں، کیا تم کیا کر سکتے ہیں؟" فرما رہی ہوئی آواز میں بولا۔

"کچھ نہ کچھ تو کرتا ہی ہوگا۔" مزہ نہ پڑا۔

"کہا۔" مگر فی الحال میں انتظار کرنا چاہئے، پھر بھی اگر میں سو فیصدی امداد نہیں ملتی تو....."

یہ انسانی ہمدردی اور ایثار و قربانی کا جذبہ ہے اسے  
 ریافت میں ملتا تھا۔ یہ سب گھر کی تربیت بول رہی تھی،  
 باپ کی تعلیم و تربیت کا اثر تھا، ورنہ عام طور پر چودہ  
 ہندو ہنس کے لڑکے میں ایسی سوچہ سمجھ اور دوسروں کے  
 لئے ذمہ داری کا احساس کہاں ہوتا ہے، فرید اور مرزا جان  
 بھی تو اس کے ہم عمر تھے، بلکہ فرید تو اس کے سال دو  
 سال بڑا ہی ہو گا مگر جبکہ وہ اس کی طرح سوچ رہے تھے،  
 نہیں تو بس اپنی اپنی پڑ پڑ تھی، ڈورا خوف نے انہیں سہا  
 رکھ رکھا تھا۔

”میری تو ابھی سے جان نکلی جا رہی ہے۔“ مر جان  
کی آواز اس سے بھی زیادہ مردہ تھی، فرید ہکا بکا سا تھا اور  
لریز ہچکیوں سے روئے جا رہا تھا۔

کے لئے

اس کے چہرے پر مایوسی اور گہری  
کے جواب میں کوئی آواز نہیں آئی تھی، بلکہ  
سنائی نہیں دی تھی، لگتا تھا، باہر موت کی  
ہوئی ہے۔

”حمزہ بھائی!“ گریز اپنی ہچکیوں  
کچھ کہنا چاہتا تھا کہ حمزہ نے اسی وقت ا  
مخاطب کیا۔

”سمجھ میں نہیں آتا کیا کریں، بڑی منہ گئے ہیں۔“ مرجان کی آواز میں بے بسی بھر وہ کافی دیر تک اسی طرح روتے اور رکار

لو کر بیٹھ سکتے ہیں، تو سب سے پہلے تم ایسا کر  
لو کہ بالکل آرام سے بیٹھ جاؤ اور کچھ دیر کے  
پہلے بول جانا چاہئے کہ ہم یہاں کسی مشکل

سب لوگ یا سلام یا سلام پڑھو تو زیادہ اچھا







## تمنا کے سراپ

### پروفیسر ریحانہ

اللہ کے نام پر یا ابو یوسفی ماں کو بچہ کھرات دے دو،  
 ہمارے بال بچے جنہیں ”ضعیف عورت“ نے گاڑی کی  
 لڑائی کے آگے ہاتھ پھیلا دیا۔  
 ”معاف کرو مائی“ سعید نے بھکارن کی طرف  
 اشارہ کرتے ہوئے بغیر کیا۔  
 ”سیدو بیٹا ماں دعا کرے گی! اس نے پھر اٹھا لی۔  
 ”اے یار اترتی کچھو نہ کر، بال بچوں کو ایٹھ وائس  
 لگا دے! اٹھ لیں مری ہیں۔“ اظہر چپکا۔  
 ”اظہر یار بھتیجی دی گڑی کھڑے رہے گی، باری  
 اول بھکاری آتے ہیں گے اور میرے غیر موجود بچوں کو  
 رو پیہ لٹال کر بھکارن کی پھلی ہوئی پٹیا پر رکھ دیا  
 گا! میرے پتھر پڑتے ہی وہ اچانک چٹکا۔  
 ”کہاں دیکھا ہے سس نے؟“ کوہ زلیب بڑبڑایا۔  
 ”کہاں کھو گئے یاں ایک ہی رو پیہ دو دیا ہے۔“ اظہر  
 اسے شوکا دیا۔  
 ”یار ایسا لگتا ہے جس سے بھکارن کو شیں نہ کہیں  
 اگسا۔“ سعید نے دیکھے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔  
 ”اس میں اس قدر روئے بسور نے کی کیا ضرورت  
 ہے، ہر ایک بھاری جگہ نظر آ جائے گی۔“  
 ”نہیں! یہ چہرہ شاسا لگتا ہے۔“ سعید نے پھر کہا۔  
 ”کھ چھٹے چھٹتے ہو بھکارن سعید کے ذہن سے محو  
 ہو چکی تھیں، لیکن اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ رات کو  
 بستر پر لیٹنے کے بعد اپنی تمام دن کی کارکردگی کا ایک نظر  
 تجزیہ کی پہلی کڑی ملائے ہی وہ چہرہ کے سامنے آگیا، بھکارن  
 کا چہرہ دن بھر میں سیکڑوں بھکاریوں سے واسطہ پڑتا  
 ہے کچھ بھکاری ہر روز سامنے آتے ہیں اور ہماری جانی  
 پچھلی شخصیت بن جاتے ہیں، پھر اس بھکارن میں کیا  
 بات تھی جس نے سعید کو ابھار رکھا تھا۔  
 ”یہ چہرہ کہاں دیکھا ہے۔“ سوچتے سوچتے سعید  
 اچانک ہی غیر ارادی طور پر اٹھ کر بیٹھ گیا، اسے وہ چہرہ یاد  
 آ گیا تھا، وہ بھکارن سیٹھ شادویں ماں اور اس کی منہ بولی  
 خالکی مگر رہے ہوئے شب و روز کی کرٹ سے چہرے  
 پر شبہ رملوش ڈال دی تھیں، مگر ایسا بھی نہ تھا کہ کوئی  
 بالکل ہی بچکانہ نہ پاتا، اس کے ہاتھ پر پسینہ چھوٹ پڑا  
 اور وہ دونوں ہاتھوں سے رتھام کر بیٹھ گیا۔  
 ”اوشیرو! تو مجھے احسان فراموش بیٹوں پر ہزار بار

گا اور پھر یہی ہوا، میں اپنے دانتوں اور پاؤں کی مدد سے  
 چھوٹی چھوٹی تصویریں بناتا، اس میں رنگ بھرتا اور بہت  
 خوش ہوتا، میرے بہن بھائی اور لٹلے چلنے والے جیرانی سے  
 میری طرف دیکھتے تو میرا سینہ فخر سے پھول جاتا، میں اور  
 شوق سے اپنے کام میں لگ جاتا، میری ماں میری ہر معمولی  
 معمولی تصویروں کو سنہال کر رکھتی اور ہر آنے جانے والے  
 کو فخر سے دکھاتی، دانتوں میں دیر تک جھسل اور برش  
 پکڑنے رکھتا ہوا مشکل کا تھا، اسی طرح پاؤں کی انگلیوں  
 سے کام کر بھی مجھے آتا دیتا تھا، لیکن میری ماں میری  
 بہت بڑھاتی دیتی اور میں اپنا شغل جاری رکھتا، اکثر میں  
 اپنے باپ کے ساتھ بھی ان کا کام دیکھتا تھا، ایک دن  
 میرے باپ مرگے کے کنارے بوڑھا بنانے کے لئے اونچی  
 سی بیڑی پر چڑھے، اپنے کام میں مصروف تھے اور میں  
 وہیں زین پر بیٹھا چھوٹے سے بوڑھے دانتوں کی مدد سے باپ  
 کے بنائے ہوئے اشتہاری لٹل کر ہاتھ کی کسی تالی کی گونج  
 سے میں چونک اٹھا، مگر دیکھا تو ایک سیٹھ بوٹ میں  
 لمبوں صاحب مجھے شامی دے رہے تھے، ویل ڈن،  
 بہت خوب بیٹے، مجھے کمال کر دیتا تھے..... لیکن جناب  
 میری تصویر تو اس قابل نہیں ہے کہ جواب اتنی تعریف  
 کرے ہی میں! ہاں! ابھی تو یہ تصویر اتنی اچھی نہیں ہے، مگر  
 بیٹے! میں تصویر کی نہیں، تہارے عزم و ہمت کی تعریف  
 کر رہا ہوں، بیٹے انسان کا کچھ نہ کچھ کرنے کا جذبہ ہی تو  
 اس منزل تک پہنچاتا ہے، اگر یہ جذبہ میرا جائیں تو انسان  
 مر جاتا ہے، دیکھنا تم ایک دن بہت کامیاب آدمی بنو  
 گے..... میری آنکھوں میں آنسو کھڑے آئے، میں ایک مقدور  
 لڑکا بھلائیے کامیاب ہوں گا، میری آواز میری ہی کی پر  
 بھرا کر اے بیٹے تم کوئی ڈیڑھی طور پر مقدوری کا شکار نہیں  
 ہوئے غصہ معطل سمجھا جائے، تم مکمل طور پر ڈیڑھی طور پر محنت  
 مند، چاق و چوبند ہو، دیکھو تہارے پاس دیکھنے کے لئے  
 آنکھیں، بولنے کے لئے زبان، سننے کے لئے کان اور  
 بیٹے سب سے بڑی بات ہے سوچنے سمجھنے کے لئے ذہن

تیرا ہاتھ ہاتھ میں آگیا  
 ایک بزرگ نہیں چارے تھے کھاتے میں اس کی  
 ملاقات ایک آتش پرست سے ہوئی، آتش پرست آگ  
 جلا کر اس کی پوچھا کرتا تھا، وہ بزرگ سمجھاتے کہ مخلوق  
 ہے خالق نہیں، مگر آتش پرست اسنے کہ تیرا تیرا دعا  
 ایک دن وہ بزرگ جلا میں آگے اور فرمایا کہ ہم ایسے  
 کرتے ہیں کہ ایک جگہ پر بہت زیادہ آگ جلا کر اپنے  
 ہاتھ اس میں ڈالتے ہیں، جو چاہو آگ، اسے نقصان  
 نہیں پہنچانے کی جگہ جھوٹے کا ہاتھ چل جائے گا، وہ  
 آتش پرست اس بات پر آمادہ ہو گیا، اس بزرگ نے اس کا  
 ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑا اور آگ میں ڈال دیا، جھوٹی آگ  
 کے بعد معلوم ہوا کہ آگ نے کسی کا ہاتھ نہیں جلا دیا،  
 بزرگ بڑے پریشان ہوئے کہ اس کا فخر کا ہاتھ تو ضرور جلا  
 جائے تھا، اسنے میں اہل ہوا کہ میرے پیارے اہم  
 اس کے ہاتھ کو کیسے جلاتے تھیں اس کا ہاتھ تو آپ نے  
 اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ (خواب) (مشیقی الہی)  
 (انتخاب)..... خضر اکرم، سعید آباد، کراچی



لغت، مگر احسان فرماؤ تو میں بھی ہوں، اس عورت نے مجھے بھی تو اس کا پیار دیا تھا، ہاں مجھے یاد ہے اور اب وہ وقت آ گیا ہے کہ میں اپنی ماں کی خدمت کر سکوں۔ شہزاد اب تمہاری ماں دنیا کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے گی، میں اسے اپنی ماں بناؤں گا، مجھ ہوتے ہی میں انہیں تلاش کروں گا، اپنی خاندانی اور شریف انش عورت بیٹے کی غیر ذمہ داری اور حالات کے ہاتھوں بھیک مانگنے پر مجبور ہو گئی ہے تو ایسی صورت میں جو احسانات اس عظیم عورت نے مجھ پر کئے ہیں وہ مجھ پر غرض ہیں اور میں یہ قرض چکاؤں گا، سعید مطمئن ہو کر رہ گیا، دوسرے روز پہلا کام اس نے بی بی کیا گاڑی نکال کر اسی مارکیٹ میں پہنچا، مگر دن میں ہی چمکنا گئے کے باوجود وہ نڈل سکی، ایک ہفتے کی تلاش بے سار کے باوجود سعید بھکارن کو نہ پا سکا تو پھر تھک بار کراس کی تلاش ختم کر دی، لیکن شہر کی سڑکوں پر بار بار ازراوں سے گزرتے ہوئے غیر ارادی طور پر اس کی نگاہ بھکارن کو تلاش کرتی تھی۔

شہزاد اس کا ہم عمر اور دم بھارت ہی نہیں بلکہ پرودی اور گھرا دوست بھی تھا، سعید کی والدہ کا سعید کے بچپن کے دنوں میں انکل اور چچا تھا، والدہ کو شہزاد کو ملنے تھے، اس وجہ سے سعید کا تمام اور شہزاد کے گھر گزرتا تھا اور یہاں شہزاد کی والدہ کے بڑے سہیل ہونے کی وجہ سے سعید کو اپنی ماں کی محسوس نہ ہوتی تھی، لیکن وہ شہزاد سے زیادہ سعید کا خیال کرتی تھیں، سعید نے بچپن ہی سے اس عورت کو محبت کرتے اور چوری چھپے آنسو بہاتے دیکھا تھا، محلے بھر میں وہ اپنے رکھ رکھاؤ اور حسن اخلاق کی وجہ سے مشہور تھیں، جوں جوں وقت گزرتا گیا، سعید ان کے خاموش آنسوؤں کی وجہ جھٹکتا گیا، ان کے آنسوؤں اور دھکوں کی وجہ ان کے شوہر کی بے راہ روی تھی، وہ جو کچھ کھا تے تھے، اپنی عیاشی کی تذکرہ کرتے تھے اور یہ عظیم عورت دنیا کے سامنے سفید پوشی کا بھرم قائم رکھنے کے لئے دن رات آنکھوں کی میٹھی اور ہاتھوں کی توانائی خرچ کیا کرتی تھی،

انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو کسی چیز سے محروم پایا ہی کہ بے راہ روی کا احساس نہ ہونے دیا، اپنی زندگی کا ٹھکانا پر گزرتی تھی، مگر اپنی ذہنی روح کی کراہیں اس عورت نے دنیا کے کانوں تک نہ پہنچنے دیں۔ اسی اثناء میں سعید کے والد نے دوسری شادی کر لی، ابتداء میں بی بی ماں کا سلوک اچھا رہا، لیکن پھر آہستہ آہستہ سعید کے ہر کام پر روک ٹوک شروع کر دی، ان کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ سعید تمام دن گھر نہیں، بلکہ شہزاد کے گھر رہتا ہے اور انہیں سوا سلف لانے کی پریشانی ہوتی ہے، شہزاد کی والدہ حالات دیکھ رہی تھی، انہوں نے سمجھا بچہ کا سعید کو اس کے گھر رہنے پر مجبور کیا، مگر گھر کے ماحول کی ٹھن اور ہر وقت کی چیخ و پکار سے بچ کر وہ شہزاد کے گھر آکر پناہ لیتا تھا، یہ پرسکون ماحول اس کی رگ رگ میں رچ بس گیا تھا، دن گزرتے جارہے تھے، حالات نے شہزاد کی والدہ پر ایک قسم اور ڈھایا، شہزاد کے والد ٹریفک کے حادثے میں ہلاک ہو گئے، شہزاد کی مگر دنیا کی نظروں میں ایک سہارا تو تھا، وہ بھی قسم ہو گیا، اپنے وقت میں اس عظیم ہستی نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا، اپنے بی بی کو ایسا نہ تھا جو پہلا بھتیجی جوانی اور کم سن بچہ کو سہارا بنا، باپ کی موت کے وقت شہزاد یا بچہ کی جماعت میں تھا اور اس بچے کو اعلیٰ تعلیم دلانے کی خواہش ماں کے دل میں تھی، اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے لافرحم کی تمام تر توانائی شب و روز محنت کر کے اس عورت نے ختم کر دی، لیکن تمام تر کوششوں اور نصیحتوں کے باوجود شہزاد انٹرنسٹنس سے آگے نہ بڑھ سکا، محنت اور تفکرات نے ماں کے سر میں چاندی بھیر دی، مگر شہزاد میں احساس ذمہ داری پیدا نہ ہو سکا۔

سعید کے والد مستقل طور پر لاہور منتقل ہو گئے اور اس طرح ان دونوں کی دوستی خطوط تک محدود ہو گئی اور رفتہ رفتہ ان میں بھی وقت آ چلا گیا، شہزاد پر اپنے باپ کا اثر غالب آ گیا، آئے دن کسی نہ کسی بہانے سے ماں سے

فرار کا مطالبہ ہوتا تھا، غریب ماں بیٹے کے قلعی اخراجات کھاتے ہوئے کسی نہ کسی طرح مطالبہ پورا کر رہی تھی، مگر وہ اپنا پاشا پوش و دستوں اور لڑکیوں کے ساتھ یہ وقتوں پر ترجیح دیتا تھا، آہستہ آہستہ رات رات گئے گھر لوٹنے کا سلسلہ شروع ہوا تو ماں نے باز پرس کی، مگر جواز پہلے ہی موجود تھا، "امی! امتحان قریب ہیں، ہم سب دوست ایک ساتھ دیکھ کر پڑھتے ہیں۔" اور ان کی کامیابی کے لئے اہم دن دعائیں دے ڈالتی۔ سلی کے ساتھ شہزاد کی بات کے چرچے کا بج کے رو دو پار سے آگے نکل گئے اور ہر کسی کی طرح یہ بات شہزاد کی ماں کے کانوں تک پہنچی، پھر خبر پانے والے کی بات پر یقین نہ کرتے اور انے ماں نے جب شہزاد سے تصدیق پائی تھی تو اس نے وہ دیر کی کے ساتھ ماں کے سامنے اعتراض کر لیا اور وہ فحاش امتحان کی ضرب سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"تو شہزادو تم بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چل پڑے۔" وہ یہ بات صرف سوچ کر رہ گئی۔

بی بی نے کی شرمیلی اور ڈھٹائی کا جواب کہنے سننے کی گام ماں میں سدھو کر گیا۔

"اب تم کیا چاہتے ہو؟" وہ صرف اتنا ہی پوچھ گیا۔ "امی! میں چاہتا ہوں کہ آپ سلی کے گھر جا کر اس کے والدین سے شادی کی بات کہیں، شادی تعلیم مکمل ہونے کے بعد ہو جائے گی۔" شہزاد نے ماں کے گلے میں انھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"شہزاد! میں نے بچپن سے اب تک تمہاری ہر جاو

جرم نہیں، مگر ادراگی یا غیر ذمہ داری کے ساتھ یہ جذبہ صرف تفریح یا تماشا بن کر رہ جاتا ہے، ہر حال تم اپنی مرضی کے مالک ہو، میرا جو کام ہے کرنی رہوں گی، تعلیم حاصل کرنا نہ کرنا تمہارا کام ہے۔" شہزاد کی ماں یہ کہہ کر بے بسی میں گئی، اس وقت گزرتا رہا شہزاد کی روش نہ بدلی اور اب اس کے دوستوں نے اسے ملک سے باہر جانے کی راہ تنہا کی، ماں نے ایک بار پھر سوچا کہ شاید باہر جا کر وہ اپنا مستقل سہارا لے، اس نے اپنی سخت مزدوری میں مزید اضافہ کر دیا اور جو کچھ جمع ہو گئی، وہ بیٹے کے حوالے کی آخر کار وہ دن آ گیا، ماں نے اپنی ممتا کی پکار کو بغیر دعاؤں کے ساتھ بیٹے کو رخصت کیا۔

"بیٹے! اس دنیا میں تمہارے سوا میرا کوئی نہیں، وہاں جا کر اس بیوگی ماں کو بھول مت جانا۔" امی بھرائی ہوئی آواز میں صرف اتنا ہی کہہ کر اور شہزاد نے ماں کو گلے لگالیا۔ "امی! اس دنیا میں میرا کسی آپ کے علاوہ کوئی نہیں، کیا اس اپنی اپنی نظم اس کو بھلا سکتا ہے، جس نے جوانی میں جو بھی کام بڑا داشت کر کے مجھے تو ایوں کی اولاد کی طرح ناز و فخر سے پالا۔ امی! میں آپ کو بھی وہاں لے جاؤں گا، صرف میرے پیڑھے سے، امی! میں فوراً آپ کو لینے آ جاؤں گا۔" شہزاد نے گلو کر آواز میں ماں کے سینے میں منہ چپاتے ہوئے وعدہ کیا اور ماں نے خوش ہو کر اپنے آنسو پونچھ لئے۔

اور پھر وہی ہوا جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے، ابتداء میں شہزاد کے بے قرار خطوط ماں کے تمام تر سہارے، پھر جلد ہی ایک شہساز کی وساطت سے ملازمت مل گئی اور جب ملازمت ملنے کی خوشخبری کا خط ماں کے پاس آیا تو وہ بارگاہ الہی میں سر بھجود ہونے کے بعد تمام محلے کو یہ خوشخبری سنا کر مبارک باد وصول کرتی رہی، مگر اس کے بعد خطوط میں کمی آئی گئی، ماں، بیٹے کی مصروفیت سمجھ کر دل کو کچھائی دی اور آہستہ آہستہ خط و کتابت کا سلسلہ ختم

2012ء

ہی ہو گیا۔ ماں پریشان ہو کر خط پہ خط بھیجتی رہی مگر کوئی جواب نہ ملا۔ کئی ماہ پریشان ہونے کے بعد ماں نے نیلی گرام بھیجا، جس کے جواب میں شہزاد نے مختصر خط لکھ کر بھیج دیا، بدقسمت ماں کے لئے بیٹی کی خبریت ہی بہت تھی، صابر رشا کر عورت اب بھی اپنا بیٹا سخت مزدوری سے بھری تھی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے شہزاد نے ماں کے وجود کو فراموش کر دیا ہے، افاقا مسیح کراچی آیا تو شہزاد کی ماں سے بھی ملنے چلا آیا اور ان کی حالت دیکھ کر دگہ رہ گیا، اس کے سامنے ایک خائفہ زار عورت کھڑی تھی، جو لاشہ شہزاد کی ماں تھی، گھر کا پیسٹر سامان فروخت ہو چکا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شہزاد کی ماں زندگی نہ گزار رہی ہو بلکہ زندگی انہیں گزار رہی تھی، بڑے دکھ کے ساتھ کہنے لگے کہ مذکر اس طرح کیا کہ حرف شکایت زبان نہ لائیں، میں ایک دکھ بھری مسکراہٹ لبوں پر کھیل رہی کی۔

سید بیٹے اپنی ماں کو محاف کر دینا، وہ تمہاری خاطر مہارات کرنے سے قاصر ہے، میرا بی چاہتا تھا کہ تمہیں کھانا کھا کر کھینچتی مگر آئے گا کسٹر تین روز سے خالی پڑا ہے اور چلیا کسی مردے کی طرح سرد ہے۔ یہ کہتے ہوئے ان کے چہرے پر چٹان جیسی تپتی آنکھیں آتی۔

سید کا دل کٹ کر رہ گیا، نہ جانے دل کے کون سے کونے میں شہزاد کے لئے نفرت کی لہر ابھر کر سارے وجود پر چھا گئی، کئی بخش جملے کہتے ہوئے اس نے شہزاد کی ماں کو کچھ روپے دینے چاہے، انہوں نے لینے سے صاف انکار کر دیا، اس نے ہر طرح خوشامدی مگر شہزاد کی ماں کی نا، ماں میں تبدیل نہ ہو کر اور وہ شرمندہ چہرہ لئے دکھ بھرے احساس کے ساتھ واپس چلا گیا۔

چھ دن اور بھی گئے، اٹھوئے بیٹے کی جدائی اور احسان فراموشی اور کھلی عمر میں دن رات سخت کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پیار پر نہیں، تنہائی، ناداری اور بیکاری نے انہیں اس قدر شحال کر دیا کہ وہ بستر سے قدم اتارنے

کے قابل نہ رہیں، ان کی حالت دیکھتے ہوئے مالک مکان کی بیوی اپنے گھر سے انہیں کھانا وغیرہ دے چلا کرتی تھی، انسانیت کے تحت کئی ماہ سے انہوں نے کراچی بھی نہ سنا گا کہ شہزاد کی ماں کی حالت جب زیادہ خراب ہوئی تو مالک مکان نے انہیں خیراتی اسپتال میں داخل کر کے کسی دوسرے کرایہ دار کو مکان میں بسایا۔

دو ماہ لاوارثوں کی طرح اسپتال میں پڑے رہنے کے بعد جب تھوڑی بہت صحت یاب ہو کر وہ گھر پہنچی، اپنے گھر میں کسی دوسرے کو بے دیکھ کر نہ جانے کیوں انہیں صدمہ پہنچا کہ کچھ روزہ ہر احساس سے عاری ہو کر اپنی ذاتی توازن کو کھو چکیں، سید نے شہزاد کو خط لکھ کر قیام حالات سے آگاہ کر دیا تھا، ایک دوست کے ذریعے اسے یہی معلوم ہوا تھا کہ شہزاد اتنا عیاش ہو چکا ہے کہ اب اس کا سر ہر پانچولن کی ہے۔

سید کا خط ملنے کے بعد سید ہی کے پتے پر شہزاد نے ماں کے لئے کچھ رقم کا ڈرافٹ روانہ کیا اور خط ہی میں سید کو تاکید کر دی کہ وہ اس کی مال کی خبر گیری نہ کرے۔ سید ڈرافٹ لے کر کراچی آیا اور سید کا شہزاد کی ماں کے پاس پہنچا، مگر مکان میں انہیں صورتیں دیکھ کر پریشان ہو گیا، انتشار پر لوگوں نے تمام واقعہ گوش گزار کرنے کے بعد یہ بھی بتایا کہ اب وہ ہر شخص کے پاس دوڑ کر جاتی ہیں اور پوچھتی ہیں۔ ”میرے بیٹے کا خط آیا؟“ اور جب لوگ نفی میں گردن ہلاتے ہیں تو ایک طویل چیخ فغا جھگڑا کر کہتی ہیں۔ ”خوش گھڑ کیا کرے گا، اب تو وہ مجھے لیتے آتا ہوگا۔“ اور اسے بڑھ جاتی ہے۔

سید نے انہیں کافی تلاش کرنا چاہا مگر وہ نہ ملی، لاہور واپس جا کر سید نے ایک طویل خط کے ساتھ وہ ڈرافٹ شہزاد کو واپس کر دیا، اس خط میں اس نے عیش بھری زندگی پر شہزاد کو مبارکباد دیتے ہوئے اسے اس کی ماں کے اس طرح لاپرواہ ہونے کی اطلاع دے دی تھی، شہزاد کی ماں کی دیوانگی زیادہ بڑھی تو محلے والوں نے ایک

بار پھر انہیں اسپتال پہنچا دیا، شہزاد کو سید کا خط ملا تو وہ ہوش دھواں کی دنیا میں واپس آ گیا، انسان کا ضمیر رکتا تنہائی میں جاں کا کرتا ہے اور ضمیر کے اکتھالے پھولے سے اپنا محاسبہ کرنے پر مجبور کر دیا، سال دو سال کی کتا سیال، ماں کی طرف سے لاپرواہی اور غفلت، مغرب کی رنگینوں میں مدھوش ہو کر ماں کے فرائض کو پس پشت ڈالے پر آج وہ بی بھر کر رو رہا مگر یہ اسلوب فغول تھے، ابھی وہ اپنا محاسبہ کرنے بھی نہ پایا تھا کہ ڈیڑی اور ٹی تھپتھپاتے گاتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور اسے روکنا کہ میراں رہ گئے۔

”ارے تم رو رہے ہو۔“ ڈیڑی نے حیران ہو کر پوچھا۔ شہزاد نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔

ڈیڑی کی اپنی تمام تر شہر سامانیوں کے ساتھ اس کے سامنے سو بوجی۔

کامریہ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے، جو تم رو رہے ہو؟ ٹی کے اسفزار پر شہزاد نے کچھ کی زیادتی کے ساتھ تمام واقعہ سنا دیا، اسلوب پھر جاری ہو گئے تھے۔

”اوہ ڈیڑی، تم عورتوں کی طرح روتے ہو، سات مسند باہر بیٹھ کر انہو سہانے تمہاری ماں تو اوروں نہیں آجائے گی، پھر غلغلہ ہونے سے کیا فائدہ، اٹھو، بیٹے آج ہم نے بہت اچھا پروگرام بنایا ہے، جیسی کے گھر باہر بیٹے، خوب انجوائے کریں گے، بس فوراً تیار ہو جاؤ، رونا دھونا بند۔“ ڈیڑی نے ایک جھٹکے سے اسے پکڑ کر لے کر اور دھڑ دھڑ سہانے پتیا ہو چلا۔

رنگین مقام بھٹکتا ہے جام بفرقی بے بات، تھپتھپ، نیم مریاں لباس سے بھٹی ہوئی خوشبو، دینا کے گم و کلام سے نجات دلانے کے لئے کافی ہوئی، بیٹے شہزاد بات سے بات تھپتھپا لگا رہا تھا، ڈانس کے دوران بائیں ہل کر ایکہ یکے قدموں سے گویا اپنے قدموں تلے کائنات روندنے ڈال رہا تھا، کیسی ماں، کہاں کی ماں، زندگی اس کی نظر میں ”انجوائے منٹ“ کا دوسرا نام تھی اور اس نے دنیا کی ہر رنگینی کو اپنے اندر سویا تھا۔

تین سال پورے تھے اور اب اسے پاکستان واپس آنا تھا، ڈیڑی سے شادی کرنے کے بعد بچی دوسری لڑکیوں کے ساتھ ”جی بھلانا“ اس کے مسائل میں شامل تھے اور یہ بات وہاں مسیوب بھی نہیں تھی، میمنور سا مگر عیاش باپ کی اولاد اور بیوی کو غیر مرد کی ہاتھوں میں انہیں ڈال کر ڈانس کرتے دیکھتا تھا مگر اسے کوئی احساس نہیں تھا، یہاں کی تہذیب کا جزو ہے۔

زمانہ بڑی برق رفتاری سے گزرتا ہے، سید کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا اور وہ والدے کی جائیداد کا تہہ دار تھا، اس نے اپنا مستقبل سوئیل ماں کے ساتھ بڑی مشکل سے بنایا تھا اور یہی کتا سی تھا کہ آج وہ بہت بڑا بزنس مین بن گیا تھا، اس نے تین ماہ قبل ہی کراچی میں مستقل رہائش اختیار کر لی تھی، ایک روز اچانک ہی اس کی ملاقات شہزاد سے ہوئی اور وہ اپنی بیوی اور دو بچوں کے ہمراہ شاہک میں مصروف تھا، شہزاد کی نظر سید پر پڑی، وقت کافی گزر گیا تھا، لیکن بچپن کے ساتھی ایک دوسرے کو قبول نہیں کتے، وہ دوڑ کر سید کے گلے سے لگ گیا، لیکن سید کے دل میں اس کے لئے اب وہ پہلے والا جذبہ نہ تھا، اس نے جواباً اتنی کڑبھائی نہ دکھائی مگر شاید شہزاد نے اس بات کو محسوس نہ کیا۔

”کب آئے تم؟“

”مجھے یہاں آئے اب ایک سال ہو جائے گا، یہ تمہاری بھانجی ہیں اور یہی اور کئی اور بیٹری ہیں، تمہارے چھ بھائی، شہزاد نے بچوں کو کتاخارف کرایا۔

”اوہ شہزاد! انکے روبرو یہی باتیں کہے جاؤ گے، اپنے دوست کو گھر لے کر چلوانا۔“ ڈیڑی اٹھ کر بولی۔

”اوہ ہاں، سید بھی چلو، تمہیں اپنا گھر دکھا دیں۔“

شہزاد نے دعوت دی، سید نے لاکھ بھانے بنائے، مگر شہزاد کی ضد کے آگے ایک نہ چلی، شہزاد کی گاڑی کے پیچھے سید کی گاڑی تھی اور وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ گھر جا کر میں شہزاد سے پوچھوں گا کہ تم نے کراچی آکر اپنی



ماں کو ڈھونڈنے کی کوشش بھی کی تھی یا نہیں مگر اس نے یہ ارادہ ملتوی کر دیا، بچلے ماں بھی ایسا چیز ہے جو دوسروں کے یاد دلانے سے یاد آئے، بچے چارویں مہرے لپکتی ہوئی بیٹے کا مستقبل تو تابناک ہوئی کیا، چاک بیک ہی شہزادی کا زری رک جانے سے اسے بھی ریک لگانا پڑے اور وہ خیالات کی یوش سے باہر آگیا، شہزاد اسے لے کر گھر میں داخل ہوا، بڑا خوبصورت اور سچا بچہ لگتا تھا۔

”شہزاد تمہاری ہی طرز رہائش دیکھتی تو کتنا خوش ہوتی مگر خدا جانے اس بے چارے کو کبھی میرا آئی نہیں“  
 سعید کے ذہن سے شہزادی کا خیال ٹھنہ ہورہا تھا اور شہزاد اس سے دنیا جہاں کی باتیں کئے جارہا تھا، شہزاد اسے اپنے وسیع کاروبار کے متعلق بتا رہا تھا اور اسے وہ دن یاد آ رہا تھا، جب شہزادی ماں نے اسے آٹے کا خالی نستر دکھا کر کہا تھا کہ تین دن سے خالی ہے، واپس میں شہزاد سعید کا گھر دیکھنے آیا اور تعلقات اس طرح استوار ہوئے کہ ہر دوسرے تیسرے دن ملاقات ہوتی رہتی تھی۔

اور دن شہزادی ماں کو بیک ملاکتا دیکھ کر اس کا دل چاہا کہ وہ اسے جا کر بتا دے کہ اتنے بڑے بیٹھنے کی ماں سڑکوں پر بیک ماگ رہی ہے، غیرت مند ہو کر جاؤ اسے بھی اپنے شاندار بیٹے میں جگہ دے دو، مگر وہ بے سوچ کر خاموش ہو گیا کہ کش شہزادی ماں کو اپنے پاس رکھ کر اسے سنبھال دیا مگر ہر تلاش کے باوجود اسے مل نہ سکی۔

شہزاد اسے بچے کی سالگرہ بھی ملنے لگا۔ سعید کو بڑے اصرار کے ساتھ بلایا تھا، سعید کی بیٹھن سے نہ آیا تھا کہ سب کچھ کو کیا تھا دیا جائے، دکان پر ٹکرا سوچ رہا تھا اور دکھانداری ہی چیزیں اس کے سامنے ڈھیر کر رہا تھا۔  
 ”خیر تمہارے دوست دگے باجوبی، بوڑھی ماں دعا کرے گی۔“

بھکارن کی آواز سعید کی سماعت سے ٹکرائی مگر وہ بدستور چیزیں اپلٹ کر دیکھ رہا۔

”اللہ کے نام پر.....“ اچانک سعید کو کچھ خیال آیا،

اس نے پلٹ کر دیکھا، ہاں اس کی تلاش تھی، اسے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر اس نے نوٹ نکالا، اسی لمحہ دکھانے والے سے مخاطب ہوا، سعید نے اسے جواب دے کر کچھچھ مڑ کر دیکھا، بھکارن چاچکی تھی، اس نے اصرار اور نظر دوڑائی، مگر وہ کہیں دکھائی نہ دی، سعید نے واپس آ کر گاڑی روک لی اور پیدل ہی تمام بازار میں اسے ڈھونڈنا شروع کر دیا اور پھر مرکز کے اس پار وہ تیزی سے لکڑی ایک کر جاتی ہوئی دکھائی دی، سعید لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس سے تھوڑے فاصلے پر چٹا رہا، لمبے لمبے نیچے فقیروں کی بستی تھی، چھوٹی چھوٹی گندی سے چھوٹی گندی بستی تھی، مگر ان سب سے ہٹ کر کافی دور ایک چھوٹی بستی کے اندر وہ بھکارن داخل ہوئی، سعید کافی دیر تک وہاں ٹھہرا کر کے عالی شان بیٹے کے اس متعفن چھوٹی بستی کا موازنہ کرتا رہا اور پھر کچھ سوچ کر سرت قدموں سے واپس آگیا، رات کو تقریباً گیارہ بجے اس نے گاڑی نکالی اور فقیروں کی بستی سے تھوڑے فاصلے پر پیدل ہی اس الگ تھلک بستی ہوئی چھوٹی بستی کی طرف چل پڑا، غریب بستی کر ایک لمبے لمبے دروازے کا اندر سے کھانسنے اور کرانے کی آواز آرہی تھی، سعید نے شین کے بنے ہوئے دروازے پر آہستہ سے دستک دیا۔

”کون ہے؟“ اندر سے ٹھنک آواز ابھری۔

”کون ہے؟“ سعید نے دھڑکتے دل کے ساتھ

آہستہ سے کہا۔  
 پلنگ چرمانے کی آواز آئی اور پھر چھوٹی بستی روشنی نظر آئی، شاید لائٹن کی بجلی آگئی کی گئی تھی اور پھر بجلی سی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا، ضعیفی حیران نگاہیں سعید کے چہرے پر تل گئیں، شاید انہیں اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ تھا۔

”اسلام علیکم؟“ سعید کی آواز نے انہیں حقیقت کا احساس دلایا، وہ چپکلیں۔

”وعلیکم السلام زندہ ہو، کیسے آئے ہو؟“ انہوں نے

سے روکے انداز میں سوال کیا۔

”خالد جان میں آپ کو لینے آیا ہوں۔“ سعید نے

ہلکتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا.....“ وہ دودھم پیچھے گھٹ گئی۔

”آپ میرے ساتھ چلے، آپ شاید مجھے پہچانی

لیں۔“ سعید نے دوبارہ اصرار کیا۔

میں نے تمہیں پہلی بار دیکھ کر پہچان لیا تھا، سعید

میں نے تمہیں ماں کا چاروا تھا اور ہر روپ میں اپنی

اداد کو پہچان لیتی ہے، تمہیں اس گندی چھوٹی بستی کے

آگے کھڑا دیکھ کر مجھے شرمندگی ہو رہی ہے، اپنی بوڑھن،

اپنی سواستی اور اپنے مقام کا خیال رکھتے ہوئے رات کی

مار میں شین ہی میں اسے چلے جاؤ، ایک بھکارن کو اپنے

گھر لے جا کر اپنے وقار منصب اور امارت کا دنیا والوں

سے عقاب اڑوانا چاہتے ہو، چاروا بیٹھا تمہیں اتنا عروج

دے کہ تم ستاروں کی بھر میں چاند کی طرح چمکو، بیٹا

چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ تم نے اب دنیا میں قدم

رکھا ہے اور میں اپنی زندگی ختم کر چکی ہوں، میں ایک ماں

کی حیثیت سے حکم دیتی ہوں کہ مزید ایک لفظ کے بغیر

یہاں سے چلے جاؤ اور اب کبھی اصرار نہ کرنا۔“ اس

نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔

سعید کا نام دھارو وہاں سے واپس آگیا۔

بستر پر لیٹ کر اس نے سوچا کہ کسی طرح شہزاد کو

پہنچا جائے، شاید اسے ایک نیک دھرم کے سامنے

آ کر اپنی جان بچاؤ فرض کو پہچان سکے اور سعید نے دوسرے

روز پہلا کام یہی کیا کہ شہزاد کے پاس جا کر اولنا تا آخر

لام حقیقت کوشش گزار کر دی، شہزاد کے چہرے کا رنگ

بہا ہلا گیا اور وہ بے چین سا ہو گیا، مگر جب سعید نے

اسے اس بات پر مجبور کیا کہ وہ جا کر اپنی ماں کو کھڑے

آئے تو اس کی اندرونی ٹھنک کھینچنے اس کے چہرے

پر کھیں کر لیا۔

سعید تمہارا یہ کہنا ٹھیک ہے کہ مجھے جا کر ماری کو لے آنا چاہئے مگر..... سوچو یا تم خودی سوچو..... ایسا کیسے ممکن ہے، بے شک میری کتابتیں ان سے میری ماں کو بھیک مانگنے پر مجبور کر دیا، مگر سعید..... اس صورت سے ساری زندگی محنت و مزدوری کر کے گزار دی تو کیا اب اسی طرح باعزت زندگی نہیں گزار سکتی تھیں، سارے شہر کے لوگ انہیں بھکارن کی حیثیت سے پہچانتے ہوں گے، میں اس سب لوگوں کو کیسے بتاؤں گا کہ یہ میری ماں ہے، ایک اور، جلیز میری خاطر ایک کام کرو، میں تمہیں کچھ رقم دیتا ہوں، تم میری طرف سے انہیں دے کر کہنا کہ وہ بھیک مانگنا چھوڑ دیں، ہر مہینے میں انہیں رقم بھیج دیا کروں گا وہ چاروا بعد شوگ لیا کہ ان کا چہرہ بھول جائیں گے، میں انہیں کھڑے آؤں گا، شہزاد نے دھمکے بغیر لپٹ لپٹ کر

سعید کا چہرہ غصے میں تھما تھا، انہیں لاتے ہوئے تمہاری بے عزتی ہو رہی ہے کہ لوگ انہیں پہچان لیں گے اور وہاں جا کر اپنے ہاتھ سے دم دیتے ہوئے تمہاری اس لئے بے عزتی ہو رہی ہے کہ لوگ تمہیں پہچان لیں گے، یہ کیوں نہیں کہتے کہ گھر میں صرف اپنی بیوی کی وجہ سے لاٹھیاں جاتے ہو، شہزاد اگر تم چاہو تو اپنی ماں کو بھکارن کے روپ میں نہیں بلکہ ان کا حلیہ درست کر کے اپنی ماں ہی کے روپ میں لاتے ہو، کیا تم گندہ اس کے لئے کی تو تھری اپنی بیوی کو کشیں اسکتے؟ شاید تم ایسا نہ کر سکو، اس لئے کہ اب تم بیوی شہزاد کو دے دو، چھوٹو کر لو کہ تمہاری ماں اپنی زندگی، توانائی اور آنکھوں کی روشنی کی قربانی نہ دیتی تو آج تم کبھی نہ ہوتے، تم احسان فرماؤ ہو۔“ سعید نے انتہا جذباتی ہو گیا تھا اور اتنا کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

سیٹھ شہزاد کا بیٹا بھلا ہوا تھا، ایک سرے سے دوسرے سرے تک کاروں کی لائن میں ہوتی تھی، سرسبز لائن میں کچھ کریبوں پر چھٹی لباس میں بیٹوں لوگ خوش گویں میں مصروف تھے، بے فکر قبضہ فضا میں کھنکھارے

پڑے تھے۔

تھے شہزادہ اپنی بیوی کے ساتھ گھٹ پر کھڑا مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ اسنے بڑے بچکلے میں قریب تھی، دو چار بھکاری بھی خیرات لے کر چاکے تھے، اچانک شہزادی نظر گیت کے قریب بیٹھی ایک بھکاری پر پڑی اس نے اس سے قبل بھی اسے نہیں بیٹھے دیکھا تھا، کچھ خیال نہیں کیا تھا۔

”گھور دیکھو، یہ عورت کافی دیر سے بیٹھی ہے، ایسا کرو، کئی کے ہاتھ سے اسے کچھ خیرات دلا دو۔“ شہزاد نے فکریے لے کر کہا اور بیوی کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا۔

تقریباً تمام مہمان آچکے تھے اور اب ایک ایک کاٹنے کا انتظار تھا، سالگرہ کی قریب عوام شام کے وقت مٹائی جاتی ہے، مگر دُوبی کی خواہش پر شام کچھ زیادہ ہی گہری ہو گئی تھی، پہلی موسیقی اور رنگین فیتھوں نے ماحول کچھ زیادہ ہی محرک بنکر رکھا تھا۔

”رومانی“ کئی نے گیت کے پاس بیٹھی عورت کی طرف پیسے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”تم شیخ صاحب کے بیٹے ہونا؟“ کئی اردو بہت کم کہہ سکتا تھا، اس نے سوالیہ نظروں سے گھور کر دیکھا۔ ہاں مانی بیٹھی صاحب کا لکا ہے، آج اس کی سالگرہ ہے، جلدی سے پیسے پکڑو، کئی نکلے والا ہے، سب انتظار کر رہے ہیں۔“ شہزاد نے جواب دیا عورت نے بچے کے ہاتھ کیوسے دیا تو اس نے ہاتھ کھینچ کر سامنے پٹایا۔

”پیسے اپنے پاس رکھو، چاہتے ہیں پیسے لینے نہیں تمہیں دینے کی ہوتی ہے، تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو نا۔“ عورت نے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور وہ مٹھی میں پیسے دبائے اندر بھاگ گیا۔

تالیوں کی آواز پر عورت نے اندر بھاگ کر دیکھا اور نہ جانے کون سی ہمت سے اندر داخل ہو گئی، اب وہ بڑے انہماک سے مہمانوں کو گیت گاتے دیکھ رہی تھی، فوٹو گرافر فوٹو کھینچنے میں مصروف تھا، اچانک شہزادی نظر اس پر پڑی۔

”یہ اندر آگئی، کدھر گیا گھور، میں نے کہا تھا کہ دے کر اسے یہاں سے بنا دو۔“ شہزاد نے اور اصرار کر کر گھور کر آواز دی۔

”جی صاحب!“ گھور تیزی سے شہزاد کے قریب پہنچا، ”اس مانی کو پیسے دے کر یہاں سے بنا دو۔“ شہزاد آواز پر تقریباً تمام ہی مہمانوں کی نظر اس عورت پر پڑی

اچانک شہزاد کی طور پر سعید کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوا، کئی فوراً بیٹھ گیا، دو پہچان اچھا تھا کہ یہ شہزادی ہاں ہے، ”صاحب وہ کچھ خیرات نہیں مانگی ہے، بولی۔“

تھوڑی دیر بعد ہی بیٹھے دو۔“ شہزاد نے آکر اطلاع دی، ”متمنی خیر نظروں سے شہزادی طرف دیکھا مگر وہ عورت کو خوشو نظر نظر دے دیکھ رہا تھا۔

”کیا سوچ رہے ہو شہزاد، جلدی سے اسے باہر نکالو۔“ فوٹو گرافر انتظار کر رہا ہے، یہ پورشن فوٹو میں ضرور آئے گا، بڑی بڑی سازشیں چل رہی ہوں۔

”گھور اسے گیت سے باہر کر دو، لہا کھانا مانگتی ہے لہا اس کو باہر بیٹھا کر کچھ کھانے کو دے دو، جاؤ جلدی کر دو، ہو رہی ہے۔“

شہزاد نے حکم دیا اور سعید اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے شہزادی طرف پہنچا، اتنی دیر میں گھور عورت کا ہاتھ پکڑ کر اکر چکا تھا۔

”شہزاد اسے باہر تم بھیجیو، یہاں بیٹھا رہنے دو۔“ سعید نے آواز دیا کہ شہزاد اسے کہا مگر وہ غصے سے سعید گھور کر رہ گیا۔

”اچھ گھور نے عورت کو دھکا دیا اور اس کا سر گیت سے ٹکرایا، وہ سر پکڑ کر زمین پر بیٹھ گئی۔

”چل اندر کیا خرچہ دے دکھا رہی ہے۔“ گھور نے ایک بار پھر بڑی بے دردی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا، مگر اس عورت میں نہ جانے کہاں سے قوت آگئی کہ گھور کو ایسا دھکا دیا کہ وہ در در جا کر، لاٹھراتے قدموں سے وہ عورت مہمانوں کی طرف بڑھی اور تیزی سے چہرے پر سے چار

ہلا دی، ماتھے سے تھوڑی تھک خون کی لکیر چلی گئی تھی۔

سیٹھ شہزاد، دھکے دے کر نکالنے سے پہلے اس کے کمر کو پھپھانا، اس اپنے ہوئے خون کو دیکھو کہ خون شہزادی رنگوں میں بھی دوڑ رہا ہے، میں تمہاری اس مٹھل میں نہیں ذلیل کرنے نہیں آئی تھی، مگر تم نے مجھے غیر آدمی کے ہاتھوں ذلیل کر کے مجھے اس بات پر مجبور کر دیا

کہ میں اپنا چہرہ دکھا کر تمہارے چہرے پر سے کسی نقاب کا لاج لوں، ہاں لوگوں سنو یہ بھکاری سیٹھ شہزادی ہاں ہے۔ میں اس مٹھل میں خیرات لینے نہیں بلکہ اپنی مانتا ہوں، اس مٹھل میں مجھ پر شہزاد اور اس کے بچوں کو کھینچنے کی سعی کر رہا تھا، میں نے اپنے ہاتھوں سے دنیا کو بتا دی کہ وہ اس بچلے کے سامنے سے بغیر مانگے گزر جاتی ہوں وہ

میرے ایک انگوٹے بیٹے کا ہے مگر میں نے بھی اس ارادے پر ہاتھ نہیں پھیلا یا، صرف اس بیٹھ کی ایک انگلی دیکھ کر چلی جاتی تھی جسے میں نے اپنی کونھ سے اٹھایا، اس مٹھل میں ہوں گے مگر کچھ ایسے ہی بہت سے

انسان کر اموش ہیں جن کے علم ہوا کہ لوگ حیران ہوں گے کہ یہ بھکاری اتنے بڑے بیٹھ کی ماں کا کیسے ہو سکتی ہے،

لوگوں کو یہ دہنا ہے جسے اس کے باپ کی زندگی میں ارمیت کے بعد میں نے بھی خریدی کا دکھا نہیں ہونے لگا، اٹھا لو کہ یہ خود کوئی وقت بھوکی رہ کر میں نے اسے

اٹھنے سے اچھا کھانا دیا اور پہنایا، مگر یہ میرا خرقہ تھا جو میں لہا کر رہا تھا، اس بیٹے نے اس کا قحط اس طرح ادا کیا کہ

اس کی اوارت چھوڑ کر خوردگیوں میں کھو گیا، اس کے بیٹے نے زیادہ کھلے دالوں نے میرا ساتھ دیا، مجھے

اپنا چال میں داخل کر لیا اور جب میں سخت تپ ہو کر دالوں آئی تو میرا گھر چمن چکا تھا، مجھے اچھا لگھ کر کوئی

کھانہ نہ کر سکے اور وارن تھا، مجھے بیٹھے دیوانی تھ کر ڈر کر اٹھ گیا، مجھے دور میں تپ تھا، میرا گھر ڈر دیں،

میں کی خوشامدی گھر کے کام کاج کے لئے مجھے اپنے

گھر میں رکھ لیا، مگر سب مجھ سے ڈرنے لگے تھے، پیٹ بہت بڑی چیز ہے جب بھوک سے مٹھا ہو گئی تو تنگ آکر سیٹھ شہزادی ماں نے دنیا کے سامنے ہاتھ پھیلا دیں مگر کتنا شکیم ہے یہ ہاتھ کہ دنیا کے سامنے پھیلا مگر سیٹھ شہزاد کے سامنے میری گردن اونچی ہے اور سیٹھ صاحب بھری مٹھل میں گردن جھکا کر بیٹھے ہیں، اس لئے کہ یہ شان و شوکت، یہ عزت و مہارت میں نے اپنی جوانی، صحت، طاقت اور انھوں کی بیانی قربان کر کے انہیں بخش دیا، آج جو کچھ سیٹھ صاحب کے پاس موجود ہے، وہ میں نے خیرات نہیں بلکہ تنہ کے طور پر بخشا ہے، بچے کی سالگرہ اور یہ شان و شوکت تمہیں مبارک ہو سیٹھ صاحب، ایک بھکاری تمہارے در سے دھکے کھا کر جا رہی ہے، تم نے میرے ماتھے پر جو دار خیرات کے طور پر چھوڑا ہے، اس کی شکر گزار ہوں۔“

شہزادی اس تیزی سے باہر نکل گئی، کائی دیر گزری، مٹھل میں سانا چھایا ہوا تھا۔

”شیخ...“ مٹھل میں دو چار آوازیں کوٹھ اور شہزاد چونک کر ہوش میں آ گیا، گردن اٹھا کر دیکھا، تمام مٹھلی لگا ہیں اس پر سر کوڑھیں اور بھکاری جا چکی تھی، نہ جانے کس جذبے کے تحت وہ اٹھ کر تیزی سے میرا ہاتھ اڑا اور اس کے پیچھے سعید نے بھی قدم بڑھا دیے مگر مرکز کے کنارے ہجوم نظر آنے پر دونوں اصرار ہی دوڑ پڑے۔

”کوئی بھکاری تھی، جاری۔“ مجمع میں صرف ایک ہی جملہ کچھ اس آکا سوچے تھے بغیر شہزاد جمع کی چرتا ہوا اندر چل گیا اور پھر ان دونوں نے منظر دیکھا وہ ناقابل برداشت تھا، شہزاد دیوانیوں کی طرح چیخا ہوا آگے بڑھا اور ماں سے لپٹنا ہی چاہتا تھا کہ ایک کا فیصلہ نے اسے پکڑ کر پیچھے چھینے لیا، شہزاد کے پیچھے ہوتے ہاتھ ہوا میں لہا کر رہ گئے اور سعید سوچ رہا تھا کہ فیصل لوگ اس دنیا میں صرف دکھ چھیلنے کے لئے آتے ہیں۔





اسامہ نے اس کی طرف دیکھا تو سونے کی ویسے اس کے بال بکھر چکے تھے، تو اس کا مطلب ہے یہ تمہارا سایہ تھا، اسامہ نے کہا۔

بدلتیرا خواہ مخواہ ہماری نیند خراب کی، فحشی یہ کہہ کر اٹھ کر اپنے بستر کی طرف چلا گیا، حادثہ اور گو بھائی بھی غصے میں اپنے اپنے بستروں کی طرف چلے گئے۔

اگلے دن سے انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا، باغیچہ انہیں مختلف مقامات پر لے گیا، قدرتی حسن تو ہر طرف بکھرا ہوا تھا، لیکن اس جنگ کے باعث کی سین مقامات سے ان کا سن چین چکا تھا، چلے ہوئے مکانات اور چلے ہوئے سیاہ پہاڑ جو بھی سرسبز رہے ہوں گے، بچوں اور معصوم لوگوں کے آنکھوں میں بکھرے ہوئے آنسو، جو ایک تازی قلم کر رہے تھے، اس سرزمین کی خاطر انہوں نے بہت قربانیاں دی، حادثہ یہ سب دیکھ کر بہت اداں ہو گیا، وہ ایک زندہ و نو جوان تھا، لیکن جب بھی اپنے وطن کے لوگوں کو ایسی حالت میں دیکھتا تو اس کا دل بکھڑ سا جاتا، سارے راستے اس نے کوئی بات نہیں کی، گیسٹ ہاؤس آتے ہی وہ کمرے میں چلا گیا۔

یاری حق! آج پبلک دی نیت مے سب کچھ اپنے ذہن

چہرے کو کی آتش کی طرح دھکا رہتی تھی، وہ اس دلکش حسن کو بہت ہو کر دیکھ رہا تھا، جس نے اس کو بصورت وادی کے سن کو مان کر دیا، خالص قدرتی حسن نے اسے اپنے طلسم میں سمیٹ لیا، وہ بچی اپنے آپ میں گن رہی تھی، اس نے پانی سے بھر کر کڑھا اٹھایا، اس کی چوڑیوں کے ٹھک اور پانوں کی گونج نے ماحول میں ایک سرسبز پیدا کر دیا، پھر وہ مرکز ایک طرف کوچا گئے، اس کا وہ ہوا میں اسی طرح لہرا رہا تھا، حادثہ کا دل چاہا کہ بھاگ کر اس کے پیچھے جائے، لیکن وہ ایسا کر نہ سکا، اسے ایسا کچھ دے سن ہو چکا ہو اور اس میں اٹھنے کی ہمت بھی نہ رہی ہو، وہ حیرت سے اس جگہ کو دیکھ رہا تھا، جہاں وہ گئی تھی، وہ دنوں تھی؟ کیا کوئی پری یا اپرہی جی جی اس پرستان میں اتر آئی تھی یا کوئی حوریں؟ اسے کچھ نہیں آتا تھا؟ وہ آج سے پہلے کی بچپنوں سے مل چکا تھا، لیکن آج اسے کیا ہو گیا تھا؟ اس میں اٹھنے کی سکت تھی نہ رہی، وہ یونہی گم ہو گیا جگہ کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک اسے کسی نے زور سے چمخوڑا، اس نے اس طرف دیکھا تو اسامہ کھڑا تھا۔

کب سے میں تمہیں آواز دے رہا ہوں، کہاں گم ہو؟ اسامہ نے کہا۔ وہ کچھ کہے بنا ہی اٹھ گیا، وہ اتنا مدھوش تھا کہ اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہو سکا، اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی تو دس بج رہے تھے اور وہ کچھ بچے کا نکلا ہوا تھا۔

تمہاری خلافت میں، میں نے گیسٹ ہاؤس کے ارد گرد کی ساری جگہ چھان چھان کر دیکھی تھی، صبح صبح اتنی دور آتا رہا وہ بھی، اسکے یہ خطرے سے خالی نہیں ہے، اسامہ نے اسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

وہ بے یں ٹپٹے ٹپٹے آ گیا تھا، حادثہ نے کہا۔ گھر آ کر انہوں نے ناشہ کیا، ناشہ میں وہ ٹھیک طرح سے نہیں کر پا رہا تھا۔ آج تو بے نہیں چلوں گھونے چلے ہیں، مایا لیکنے کہا۔

ہاں! بڑی بہت اچھا آئیڈیا ہے، چلو اسامہ نے کہا۔

سب پہلے سے تیار بیٹھے تھے، بس کنبہ کی دیر تھی، لہذا فوراً ہی سب اٹھ گئے حرتی..... حرتی..... اسامہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بھائی۔

کیا ہوا؟ کہاں تم ہو آج؟ اسامہ نے پریشان لہجے میں کہا۔ کچھ بھی نہیں، وہ زبردستی چلو اٹھو گھومنے چلتے ہیں۔ بیس یار امیر ادل نہیں کر باہم لوگ چلے جاؤ۔ کیا ہو گیا ہے تم تو ہر وقت خند کرتے تھے آج۔

بیس میرا دل نہیں چاہا، اب ٹھیک ہے، اگر تم نہیں آ رہے تو پھر ہم لوگ بھی نہیں جا رہے ہیں۔

حرتی! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ میں خود بھی نہیں جانتا، مجھے کیا ہو گیا ہے؟ حارث نے گھمبیر لہجے میں کہا تو اسامہ اسے دیکھ کر ہلکا۔

کیا ہو گیا تھا آج اسے؟ وہ تو کبھی بھی ایسا نہیں، کم اداس ہوتا تھا وہ کبھی کسی بڑی بات پر، تاہم اسامہ کے اصرار کی وجہ سے آخر اسے اٹھنا پڑا، جبکہ وہ سب ایک بے فضا مقام پر کھڑے تھے، آگے، یہ جیکر دریا اور دلکش تھی، ایک لنگا تھا کہ جسے انسان کی دوسری دنیا میں آگیا ہو، لیکن اسے تو یہ سارا سن پچھا کہ رہا تھا، اس کی بچی دیکھنے کے بعد ہر چیز کا سن اس کی نظروں میں مانند پڑ چکا تھا، گلو بھائی اور لائیکر دونوں ایک ساتھ چلے گئے اور زہیر اور فضا ایک ساتھ چلے گئے، فضا، اسامہ اور سارہ درخت کے نیچے بیٹھ گئے، حارث ان سب سے الگ بزرہ پر دونوں ہاتھوں کو سر کے نیچے کریدے حالیہ گیا، اس کی آنکھوں کے سامنے پھر سے وہی منظر نظر آنے لگا، وہ ضرور کوئی پری ہوئی یا کوئی حور اس نے دل میں سوچا۔

حرتی! تم یہاں پر آئیں گے کیا کر رہے ہو؟ اسامہ نے اس کے پاس بیٹھنے ہوئے کہا۔

وہی سبے دل کر رہا تھا، اس نے اداس لہجے میں کہا۔ کیا طبیعت ٹھیک نہیں ہے تمہاری؟ اسامہ نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

شاید میں بہت تھک گیا ہوں، اسے ٹالنے کے سے

انداز میں حارث نے کہا۔ پھر سارا اور فضا بھی اسی آگے وہ اپنی مسیوں اور اپنی مذاق میں مصروف تھے، جلد لپٹے لپٹے انہیں دیکھ رہا تھا لیکن ذہن کبیں اور گردش کر رہا تھا، پھر وہ شام ڈھلنے کے بعد گھر آگئے، اس رات میں حارث یوں ہی بے چہن رہا اور آخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کل صبح اپنی سہیلے کا، دوسری صبح جب وہ وہاں اسی نہر کے پاس آگیا، وہ مسلسل اس کا انتظار کر رہا تھا کہ دیر انتظار کے بعد وہ لوٹ آیا، وہ حد سے زیادہ پریشان کہ آخر خیر کنی کون تھی؟ کہاں چلی گئی؟ صبح وہ نہر کے پار جا کر اسے تلاش کرتا، لیکن وہاں تو جیسے کھوئی تھی۔

ہے جنوں مجھ کو گھر آیا ہوں آبادی میں، میں ڈھونڈتا پھر آیا ہوں کس کو کوہی واہی میں، میں شوق کس کا بزرہ زاروں میں پھیرتا رہے مجھے اور چشموں کے کنارے یہ سلاتا رہے مجھے کیا ہوا حرتی؟! میں کئی دنوں سے نوٹ کر رہا ہوں تم کافی تم کم ہو، اسامہ نے اس سے کہا تو اس نے غار نظروں سے اسامہ کی طرف دیکھا اور وہ سوچ میں پڑ گیا آج تک میں نے اسامہ سے کچھ نہیں چھپایا اور اب کیسے چھپا سکتا ہوں، جس پر اس نے ساری بات الفاظ سے تک اسامہ کے گوش گزار کر دی۔

یار آج تھکوں، وہ کوئی چڑیل ہو، اتنی صبح میں صبح کوئی آدم نہ آجڑا تو لڑکی کہاں سے آئی؟ اسامہ نے کہا۔ یار، وہ جتنی جانتی لڑکی تھی، لیکن میرے بیوقوف دوست، جن کوئی بھی روپ اپنا سکتے ہیں اور ہاں جنہیں دوبارہ کیوں نظر نہیں آتی، آئندہ صبح میں نہیں نکلا کرو، یہاں ویران جگہیں ہیں اور ہاں، جنوں کا حملہ بھی سخت ہوا ہے، اسامہ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا، تب ہی وہ خاموش ہو گیا، اسے اسامہ کی باتوں میں وزن لگ رہا تھا۔ ایک روز سب ہال میں فضا مذاق میں مشغول تھے کہ سردار صاحب آگئے اور پوچھا، طبیعت کیسی ہے؟ سب کی؟ کوئی گھٹتی تو نہیں ہے؟

نہیں سارا ہم تو سرے میں ہیں، گلو بھائی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

سردار صاحب نے کہا، ہمارے ہوٹل میں ہر سال مباحوں کے لئے ثقافتی تقریب رکھی جاتی ہے، تم سب آ جاؤ ہاں اس پروگرام کی تاریخ ہے۔

ٹھیک ہے؟! ٹھیک ہے سارا! ہم ضرور حاضر ہو جائیں گے، حارث نے خوش دلی سے کہا۔

اسامہ نے انہیں اٹھتے دیکھ کر کہا، آپ بیٹھیں، چائے تو پی کر جائیں۔ جس پر سردار صاحب نے کہا کہ نہیں بیٹا! مجھے جانا پڑے گا، کچھ ضروری کام ہے اور وہ یہ کہتے ہوئے چلے گئے۔

سردار صاحب کی دعوت پر دوسرے روز وہ سب تیار ہو کر تقریب میں پہنچ گئے، یہ تقریب لان میں رکھی گئی تھی، لان کی ماحول اس طرح کی گئی کہ کسی جنت سے کم نہیں لگ رہا تھا، چاروں طرف برقی قہقروں کی جنگ، ہر طرف لگے ہوئے خوبصورت پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے، سیاحوں اور ہوٹل کے افراد کے علاوہ بستی کے لوگ بھی اس تقریب میں شامل تھے، ایک طرف ہوٹل کا علمہ لکڑیوں پر لگی ہوئی آگ پر کھانا بنانے میں مصروف تھا۔ اچانک زہیر نے کہا، باقی ساری زبردست خوشبو ہے، من میں پانی آ رہا ہے۔

ہاں، ویسے بھی سرحد کے روایتی کھانوں کی بہت طرفیں ہیں، شکر ہے، میں نے دو پہر کا کھانا کم کھایا تھا، بیٹھی بیٹھی کچھ نہ رہ سکا۔

چپ ہو جاؤ! نریدوں! حارث نے بمشکل ہنسی دے رکھے ہوئے کہا، تھوڑی دیر بعد وہاں کا ثقافتی رقص شروع ہوا، چونکہ یہ ثقافتی تقریب تھی، جس میں سب نے فلورانس جین رکھی تھی، حارث ایک طرف کھڑا اس رقص کو دیکھنے میں مگن تھا کہ اچانک اس پر پانی گرا اور ساتھ ہی ایک نرانا پیچا ابھری، اس نے غصے سے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس کی نظریں جم کر گئیں، وہی سن، وہی

چہرہ، وہ اسے کیسے بھلا سکتا تھا، آج وہ اسے قریب سے دیکھ رہا تھا، خوبصورت سے پنک لکے کفر کا، اس کا رنگ آنکھ کی طرح دھک رہا تھا، اس کی سنہری آنکھوں کی چمک ایک طلسم سا پیدا کر رہی تھی، اس کی سنہری لبیں ہوا کی وجہ سے اس کے چہرے پر گہرے ریشمیں اور انجل اسی طرح ہوا میں ابرار رہا تھا، اسے ایسا لگا، جیسے یہ سارا شہر شربہ ختم سا کیا ہو، اس کی نظروں میں فقط ایک ہی چہرہ باقی رہ گیا ہو، وہ گھبرائی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی، اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ جس کا وہ متلاشی تھا، وہ یوں اچانک اس کے سامنے آ جائے گی۔

محاف کیجئے! وہ اس اپنی ٹکلی پر پانی پینے لگی تھی کہ آپ پر گر گیا، اس نے ڈرتے ڈرتے انداز میں کہا۔ کوئی بات نہیں، حارث نے جواب دیا۔

میں آپ کے لئے تویہ لے کر آتی ہوں، اسے احساس ہی نہ ہو سکا کہ وہ بیگ چمکا ہے، وہ جانے کے لئے عزیٰ تو حارث کا دل چاہا کہ اسے روک لے، لیکن وہ چاہنے کے باوجود ایسا نہ کر سکا، تھوڑی دیر بعد وہ تویہ لے کر آئی، حارث نے اس کے ہاتھ سے تویہ لے کر چہرہ اور بال پوچھے۔

نام کیا ہے بہلا؟ حارث نے تویہ چمکاتے ہوئے پوچھا۔ "گناہن" اس کے چہرے پر خوبصورت سی مسکان میل گئی؟ اس نے اسی خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

شہر سے آئے ہیں آپ؟ گناہن نے پوچھا۔

وہ اردو روانی سے بول رہی تھی، لیکن اس کا لہجہ پیشانیوں جیسا تھا۔

ہاں! یہ یونرسٹی کی طرف سے آئے ہیں، سردار شوکت علی خان، چونکہ ہمارے پرنسپل کے دوست ہیں، لہذا ہماری رہائش انہی کے گیٹ ہاؤس میں ہے، حارث نے تفصیل بتائی۔

ہاں! بابا نے بتایا تھا کہ آپ کی ٹیم یہاں پر نقصان دہ دیکھنے آئی ہے، گناہن نے کہا، وہ فانی باتوں واضح



ہوئی تھی۔ تو پھر کیسی لگی آپ کو ہماری یہ جگہ؟ اس کے چہرے پر وہی خوبصورت مسکان تھی۔

بہت ہی زبردست! حارث نے جواب دیا۔  
اتنے میں ملائیکہ، سارہ اور فضا بھی آگئیں۔

ان سے ملو، یہ تینوں میری کزنیں بھی ہیں، میری بہنیں بھی ہیں اور میری بھابھیاں بھی، حارث نے ان کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

اے ملنے مارا شے انگارے حیرت سے کہا۔  
ہوں، اور یہ ہے گلزار، یہیں لہجے میں روتی ہے، بہت  
خوش ہوئی آپ سے لکھنا، ملنے کے خوش دلی سے کہا۔  
اب چلیں، میں آپ کو ماں اور بابا سے ملانی ہوں،  
گلزار نے کہا۔

ٹھیک ہے چلو، حارث نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔  
 ماں، ماں! ان سے ملو، یہ حارث، وہ جو سردار  
 صاحب کے گیسٹ ہاؤس میں آئے ہوئے ہیں، گلنار  
 نے تعارف کروایا۔

اچھا! بچہ کیسا تم۔  
ٹھیک ہوں، الحمد للہ، حارث نے جواب دیا، وہ  
بالکل گلزار کی کافی تھیں۔

اور یہ بے پلوش، میری بہن، حارث نے غبت سے اس کے کال چھوئے، وہ بھی گنگار کی طرح تھی، لیکن اس کی آنکھیں نیلی تھیں اور یہ عبداللہ میری اہلیائی، گنگار نے گول مثول خواہ صورت بچے کو اٹھا کر کہا، کتنا پیارا ہے؟ حارث نے اسے گود میں اٹھا لیا ہوا تھا۔ کہا۔ بچے ہمیشہ سے اس کی کمروری تھے، پھر وہ حارث کو لے کر اپنے بابا کے پاس آئی، سفید شلوار قمیص اور کالے واسٹ میں اس کی شخصیت انتہائی پیاری تھی۔ بیٹا! آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی، انہوں نے خوش روی سے کہا۔

گلنار اور اس کے بابا اردو صحیح بول رہے تھے، بس ان کے لہجے میں ذرا سی پشتو کی آمیزش تھی۔

اچھا! اب میں چلتا ہوں، میرے دوست انتظار

کر رہے ہوں گے۔

اس کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا لیکن مجبوری تھی۔

اچھا بیٹا! کل صبح گلزار کے ساتھ ہمارے گھر آ جانا۔  
نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ضرور! حادثہ نے کہا اور

جائز لے کر آگیا۔ کہاں تھے تم؟ اسامہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا، جس پر حارث کہنے لگا، میں یہیں پر تھا۔ تقریب سے لوٹتے ہی سب اپنے اپنے کمروں میں

اگلے دن وارث منہر کے کنارے گلزار کا باغ سے انتظار کرنے لگا، تھوڑی دیر بعد وہ آگئی، منہر ریمان ایک لکڑی رکھ کر دوسری طرف کے لئے رات گیا تھا، اس نے وارث کو اس لکڑی کے ذریعے منہر کروائی، پھر وہ بٹے بولے گلزار کے گھر پہنچ گئے،

اسا صحن جس کے ایک طرف بھینسوں کا واڑا تھا اور  
 راستہ طے کر کے اگلی طرف تین کمرے ترتیب وار  
 ہوئے تھے، کمروں کے پاس ہی کچن تھا، صحن میں پلو  
 سے شیم کے درخت کے نئے حار سالانہ پھٹی ہوئی تھیں۔

اورچی خانے کے پاس چھوٹا سا راستہ جس میں  
روزانہ ہانا دھوا، دروازے کے اس پار ایک بہت بڑا  
خوب صورت باغ تھا، وہ لوگ چار یا پُر آ کر ہمیشہ  
بچکن سے دیسی کھانوں کی خوشبو بھوک کو چکا رہتی  
تھا۔ عمارت اور گنکار کے بابا بیاز خان باتوں میں مضمحل  
ہو گئے، تھوڑی دیر بعد انہوں نے مزید اربسکی تاشی

یہ سب مہمیں ہمارا کھانا پینا آج بھی یاقین؟ گنگرائی  
نے کہا، ارے نہیں! امیری اسی گھر میں اسی طرح کا  
اشتبہ بناتی ہیں اور مجھے تو بہت پسند ہے، حارث نے  
اسی سے کہا، بچرہ وہ کچھ دیر وہیں رک گنگرائی کے ابو  
اتوں میں مصروف ہو گیا، ان کا موضوع سخن حال  
حاضر تھا، پھر اس نے جانے کی اجازت لی۔

# تربیت یا غفلت؟

صبا یونس

قسط نمبر 1

سودہ! ایک بات تو بتاؤ، مریم جو اس کی کو لیک تھی، خوش مزاج انداز میں گویا ہوئی۔

ہاں، ہاں پوچھو! سودہ نے بھی اسی کے انداز میں  
 کہا، حالانکہ جانتی تھی کہ وہ کوئی ایسی بات ہی کرے  
 گا جو اس کا دل دکھانے کا سبب بنے گی مگر وہ کیا کرتی،  
 دت کی ماری تھی اور اس کو یوں بھی اس اسکول میں  
 اتنے بونے زیادہ دن نہ جھوئے تھے، یہ ایک انگلش  
 پرائیویٹ اسکول تھا۔

بایزبرائت مانتا، مریم نے لجاجت سے کہا، اب مریم ہودہ نے کہا۔

تو یوں تو عالم ہو، جبرائیل، دستاں تمہارے برقعے خاص لوازمات میں سے ہیں اور میرا خیال ہے کہ تم ابھی ڈھک کر آتی ہو؟ مریم نے تائید حاصل کی۔

تو؟؟؟ سودہ نے ایرو اچکا کر پوچھا۔  
 نہیں..... دراصل میں نے تمہیں آتے جانے نہیں  
 دیا، ابھی تک ان تین دنوں میں، اس لئے پوچھ رہی  
 ہوں کہ تم نے وضاحت کی۔  
 مریم پلیز..... تم نے جو بات کرنی تھی وہ کرو، سودہ  
 کی تسکین کے غرض سے کہا۔

نہیں، بس بات تو کچھ خاص نہیں، ورنہ اس معاملہ  
ہو نہ اس لئے تمہاری ڈرنگ کچھ بڑا تعجب ہوتا ہے،  
حالانکہ سنا ہے کہ یہ مولوی بڑے تنگ نظر ہوتے ہیں،  
وہ بھی اس اصول کو یہ شرف تمہاری صورت میں ہی  
حاصل ہوا ہے کہ اس میں کوئی نتیجہ عالمہ ہے، مریم نے  
اپنے اندر جھجھکتے تعجب کے غبار کو نکالا۔  
اوه۔۔۔ تو یہ بات ہے سودہ نے لمبی سانس خاندن کی۔  
اچھا تم بھی ایک بات بتاؤ۔۔۔ سودہ نے پھر اسی  
کے نامزد کو افسار کشا۔

ہاں پوچھو، مریم نے کہا۔  
میری ڈرنگ میں تمہیں کون سی چیز نامناسب لگتی ہے، جس کو کیچ کر خیال آتا ہو کہ یہ لباس کسی مسلمان لڑکی کو زیب نہیں دیتا۔ سو نہ بہت محل سے پوچھا، اس کا انداز میں ایسا کچھ نہیں تھا، جو مخاطب کو برا لگے۔  
مریم نے ہنساؤں کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا، سلیقے سے لیا ہوا دیر پر اور سیدنا جعفر علیہ السلام سے ڈھانچا ہوا، بازو پر ڈھکے کھلے سلسلے ہوئے نیل بوٹم، قمیص بہت ہی مناسب، ناپ سے ملی ہوئی، نہ تو بہت تنگی کی کہ جہاں پر عضو نمایاں ہو اور نہ ہی اتنی کھلی کہ چوٹی

ہوئی بری لگے، دامن ایتر لائن تھا اور شلوار کھلی اور پاچھنے بھی بہت مناسب تھا، رنگ نہ بہت کھلا کہ کپڑے کا ضیاع فیشن کے لئے کیا گیا ہو۔

کلیا ہیرا اجازت چھٹی طرح؟ سوہنے مسکرا کر پوچھا۔ مریم جو بہت غور سے اس کو دیکھ رہی تھی کہ آخر کیا بات ایسی ہے جو قابل اعتراض ہے۔ دراصل سوہنات یہ ہے کہ حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو تمہارے لباس میں کچھ بھی قابل اعتراض نہیں ہے، مگر یہ ایر لائن اور کھٹنوں سے کافی نیچے ہے، تو آج کل فیشن میں یہی لائن ہے تو آج تمہارا جو قہار ہے اور جو تھا لباس کیا، تو آج صبح آبی کے وقت فروغ، ناز، تیار اور کرن وغیرہ نے کہا کہ ”جے جے“ تو عالمہ مگر فیشن دیکھو تو آج تک جب تک میں نے تمہیں بہت غور سے نہیں دیکھا تھا تو مجھے بھی وہ ہی لگا جو سب کو لگا، مریم نے شرمندہ سے انداز میں وضاحت کی۔

دراصل مریم قصور تہا برائیں ہے اور نہ فرح، نازیہ، حنا اور کرن میں سے کسی کا ہے، آج ہم مسلمانوں نے ہی آپس میں طبقات کے ساتھ دین کو خاص کر دیا ہے، عالم ہے تو ہمیں لگتا ہے کہ اس کے لئے کی دنیاوی معاملے کی گنجائش نہیں ہے، ہماری سوچ عالم ہو یا عالمہ ہو، ان کے لئے اتنی حدود ہے کہ ہم ان کو کھلے پر دیکھنا چاہتے ہیں یا یہ وقت ان کے ہاتھ میں بیچ ہو یا قرآن کریم پر چھتا ہوا ہونا چاہئے، ان کے لباس تک ہمارے ذہنوں میں ایک قصور کے مطابق جڑ پکڑ چکے ہیں، حالانکہ نماز، شرعی پردہ، مسنون لباس ہر مسلمان کے لئے یکساں اہمیت کے حامل اعمال ہیں، نماز تو فرض ہے، شرعی پردہ فرض ہے، روزہ فرض ہے، سنتوں کو ہم مسلمان یہ سوچ کر ترک کرتے ہیں جیسے جہاں ہے کہ یہ تو سنت ہے، حالانکہ مسنون اعمال مسنون لباس اس دنیا میں ہماری پہچان ہیں۔ مسلمان ہم کیسے ہوں اور مسلمان ہو کر تین بھی ہیں جو آج کل فلموں میں کام کر رہی ہیں،

ڈراموں میں کام کر رہی ہیں، جو اسکول، کالج میں چل رہی ہیں، جو دفتر میں کام کر رہی ہیں اور حد تو یہ ہے کہ آج کل لڑکیاں دکانوں پر پریلٹر کر لیں کہ کام کر رہی ہیں، آخر پردے اور لباس کی تمام حدود و قیود مدارس سے تعلیم پانے والوں کے لئے کیوں مخصوص ہو گئی ہیں، نماز اور دیگر فرض اعمال، مدارس والوں کے لئے ہی کیوں مخصوص ہو گئے ہیں اور کس نے کئے ہیں؟ آخر کیوں مریم؟ کیا باقی سب مسلمان بھی اسی اللہ واحد کو نہیں مانتے، اسی رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں، افسوس..... ہائے افسوس..... آج یہ ہمارے ملک میں انگلش میڈیم اسکولز، مغربی تعلیم، ہماری تہذیب ہم سے جو ویشاری ہے ختم کر رہی ہے کہ اگر مسلمانوں میں طبقات بن گئے، تو ہم کو کس نے انہوں نے دین تمام اعمال کو دین کی تعلیم پانے والوں کے لئے مخصوص سمجھ لیا، مدارس کے ساتھ خاص کر دیا، کیونکہ اسکول ہمیں آج یہ سکھارہے ہیں کہ فلاں سائنس دان نے کیا کیا فلاں ملک کیا کر رہا ہے، دنیا کی دوڑ میں ہمارا کیا شمار ہوتا ہے، کون سے کام سے کتنا پیسہ کمایا جا سکتا ہے، افسوس، یہ مغربی تعلیم ہمیں دنیا داری سکھا رہی ہے اور دین سے آخرت سے دور کر رہی ہے، ان اسکولز میں قطعاً یہ نہ سکھایا جاتا ہوگا کہ کس وقت سونا جگنا سنا ہے، پانی کس طرح چٹا سنت ہے، ہاتھ روم جاتے وقت کون سا پاؤں پہلے داخل کرنا سنت ہے، مگر..... میں جنہیں اپنے کون کون سے ذمہ دکھاؤں؟ تم یہ نہ سمجھنا سب میں یہاں پر چھانے آنے کے بعد کبہرہ ہیں ہوں میں نے میٹرک انگلش میڈیم اسکول ہی سے کیا اور پھر اے اے پرائیویٹ کیا اور کیکلر مدر سے عالمہ کا کورس میں نے تمہیں کرو، مدارس کا ماحول ایسا نہیں ہوتا جو کہ جاتا ہے کہ بے جا فحش، جنگ، ذہن، ایسا نہیں ہے، ہم بھی دیکھو، اگر کیا ہوتا تو کیا آج میں یہاں اس مقامی ہوئی اور اس طرح دین کی تعلیم کے قصور میں پلدار

ہوتی، لہٰذا قیص پہننا سنت ہے، میں نے خود ترمذی شریف میں حدیث پڑھی ہے، حضرت ام سلمہ کے پونچنے پر دامن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”عورتیں ایک باہت لڑکا کر رکھیں“۔ ہاں اب اگر یہ فیشن بن گیا ہے تو اس میں مسلمان عورتوں کا فائدہ ہے، چلو فیشن بنے کے یہاں کچھ تو پردہ ہو رہا ہے، اگر تم لوگوں کو میرا لباس آج کے فیشن کے مطابق لگاؤ تو غور کرو کہ میں نے شرعی حدود جو لباس کے معاملے میں ہیں، ان کو پار نہیں کیا، حتیٰ کہ میں انتہا اختیار کرتی ہوں کہ شلوار ہی استعمال کرتی ہوں، غراؤزر باوجود کہ جائز ہے، مگر میں نہیں پہنتی صرف اس وجہ سے کہ میں نے جو علم حاصل کیا ہے، اس کا حق ادا کروں، میرا لباس مسنون ہو، اگرچہ کھلا غراؤزر پہننا کتنا نہیں ہے، مگر ہماری پہچان اور آخرت کی کامیابی سنت کی اتباع ہے، ہم کیوں مغربی لباس پہنیں، ہاں غراؤزر بہت تنگ ہو، اور تنگ ہو، جس میں جسمانی ساخت نمایاں ہو، وہ گناہ ہے، کیونکہ حدیث مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ عورتوں نے نظا ہر لباس زیب تن کیا ہوگا، مگر وہ عورتیں ہر بند ہوں گی، تو مریم تم خود کو رگڑو یہ حدیث مکمل طور پر حرف پوری ہو رہی ہے، ایک تو بہت تنگ لیفٹ والے لباس، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جسم کے ساتھ کپڑا اسلا ہوا ہے، تم ہمیں اسکول میں بچوں کو ہی دیکھو، ان کو بیٹھام کہ اتنی چھوٹی بچوں کا اس کی تراش خراش سے سلا ہوتا ہے کہ چھوٹی بچی کا بھی جسم نمایاں ہو جاتا ہے، دوسری طرح یہ حدیث یوں ثابت ہوتی ہے کہ اس قدر باریک کپڑے بازار میں آرہے ہیں کہ آہ، بارسب نظر آتا ہے، اگر کچھ لوگ بالفرض قیص کے ساتھ شخص استعمال کر رہی ہیں لیتے ہیں تو شکر گزار کے نیچے کچھ نہیں ہوتی، حالانکہ ایک بلیک کپڑے کا پاجامہ پہنا جا سکتا ہے، مگر باریک کپڑا شاید عورتوں کو خاص طور پر پسند ہے

پنڈلیاں بھی ستر کا حصہ ہیں، باریک اور بلیکے رنگ کے لباس میں پنڈلیاں بہت واضح نظر پڑتی ہے، کھلی ہے پردہ ہے یہ ”عورت“ جو عورت ہی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا مقصد ہی ”چیز“ اور ”آج ہم لوگوں نے اس لفظ کو شادی شدہ لڑکی کے ساتھ خاص کر دیا ہے، اگر شادی شدہ ہوگی تو عورت، ورنہ لڑکی، میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس تو مرد یا عورت کہہ رہی پہچان ہوتی ہے ناں تو عورت جنس کی اللہ پاک نے بہت حفاظت کا حکم دیا ہے عورت ذات کو ہی عیبی ہوئی چیز قرار دیا ہے، اس سے زیادہ اور عورت کی کیا عزت، کیا حفاظت ہوگی؟؟؟ جو چیز جس جتنی عزیز ہوتی ہے، جتنی پیاری ہوتی ہے، ہم اس کی اتنی ہی حفاظت کرتے ہیں، دوسروں سے اس کو چھپا کر چھپا کر رکھتے ہیں، تو اللہ پاک نے عورت ذات کو کتنا ان دیا ہے، مگر کیا نیچے ہم اس مغربی تہذیب کو چھوڑیں تو اپنی حقیقت سے آشنایں، کس قدر چالاکی اور ہوشیاری سے مغرب ہم پر اپنی مغربی تہذیب لا رہا ہے اور ہم خوش خوش گدے بن کر یہ بوچھڑا دھو رہے ہیں، اسلام عورت کو قحطی عزت دیتا ہے، ایک باخاطر طریقہ حیات بتاتا ہے، مگر اب کس کے پاس فرمت کہ دنیاوی کامیابی کو چھوڑ کر اس کامیابی کی فکر کرے جوئی الحلال انھوں سے اوصصل ہے، سوہہ بہت رسانیات اور روسوز اعزاز میں ہوں رہی تھی، اس کا لفظ لفظ دل میں گویا ٹپک رہا تھا، قدر و قدر میں..... اسی شاید نہیں، یقیناً وہ ابھی اور بھی بہت کچھ کہتی، مگر بریک میں ختم ہوئی، اس کی تہل کی ہوئی اور وہ دونوں اٹھ کر اپنی اپنی کلاں میں چلی گئیں۔



طور پر ہی بچی کا جائزہ لینے گئے، بچی کے نقشِ اساتذہ خاص پر کشش تھے، ہاں درمیان سے مانگ نکال کر دونوں طرف چھوٹی چھوٹی بوئیاں کی ہوئی تھیں، اسکول کے اصول کے مطابق دونوں بوئیوں پر وائٹ ربن کے پھول بنے تھے، آگے پیشانی پر چھار کی طرح کنگک کر کے گویا آدمی پیشانی کو پردہ کر دیا کیا تھا، بیلوفر اک، فل فینک، کھٹنے سے ذرا نیچے جاتا ہوا ہر اک کے گھر اچھے خاصے تھے، مگر فینک بچی کی جسمانی ساخت کے اعتبار کو بہت ہی اچھے طریقے سے نمایاں کر رہی تھی، بارو ہاف اور نیچے وائٹ ٹراؤزر، ابھی سوڈہ بھی تو سبکی بات کر رہی تھی، واپس آتی ہو لوگوں نے ہر چیز میں دینی حدود و قیود صرف مدارس سے تعلیم پانے والے بچوں کے ساتھ خاص کر دی تھی، حالانکہ سوڈہ کا لباس ہر گز بھی قابلِ اعتراض نہیں ہے، مگر میں بھی، فرخ، نازہ، حنا اور کرن وغیرہ کے ساتھ مل کر اس کا مذاق اڑاتے رہے، اس کو تو معلوم نہیں مگر اللہ پاک تو دیکھ رہے تھے، بچی بھی تو کسی مسلمان کی ہی تھی، مگر کوفہ تھوڑے کلاس کی بچی ہوں گے باوجود بھائی بکیم اولڈن والوں نے گھر والوں کے لئے اس کو دوپٹے کے نام سے بھی متعارف نہیں کر دیا، بچی پر نظریں جمائے وہ منہ پر تھی۔

نچرہ..... ٹیٹ، بچی نیچر کو سلسل خود کو گھورتا دیکھ کر گھبرا گئی اور نظر پر چھکا کر کھڑی ہوئی، تجوڑی ویر بعد بچی نے نیچر کو حواس میں لانے کی کوشش کی، نیچر..... اوہ..... سواری، افیہ، آپ بک سے لے کر آؤ، بچی کتاب لینے گئی تو اس نے کلاس روم میں جائزہ نظر ڈالی پھر نیا ایک کلاس میں 40:30 منچے ہوئے تھے اور یہ کلاس شفٹ تک کا ہی اسکول تھا اور لڑکے اور لڑکیاں اچھے پڑھتے تھے، اسی اسکول کے ساتھ اس کی دوسری شاخ تھی، اس میں چھٹی کلاس سے لے کر میٹرک تک تھا، وہ بھی انگلش میڈیم، گرلز، بوائز سب تھا۔

مورت کا معنی ہے ”چھپی ہوئی“ مگر یہ کس کان میں

سوڈہ کی آواز گونجی تھی، نیچر بک، افیہ نے نیچر کو متوجہ کیا، نیچر بک ہر کلاس کی فہرست تھی، روزانہ کلاس ٹائم میں سے کچھ وقت نکال کر مریم بچوں کے ساتھ کوئی کیل مشورہ کھینچتی تھی، یہ کلاس مکمل اس کے ذمے تھی، موصاف بک کروانے کی بھی اس کو زیادہ مینشن نہ تھی اور وہ کھیل شمر، شاعری، گانوں کا مقابلہ، کسی سپر ہٹ فلم کے چند کمان، جس پر نیچے ایکلیک کرتے تھے، کسی سیائی لیڈر کی نقل بچوں کے پسندیدہ ڈرامے، فلمز، گیتز، کارٹون، ڈانس غرض مریم بچوں سے ان کی روٹین بھی ڈکس کرتی تھی لگتا ہے کہ بک لڑکی بچہ پر کوئی جادو کر دے گی، اوہ میرے خدا..... میں نے اپنا سر تقام لیا تھا، افیہ نے نیچر کو جھرت سے دیکھا، مریم کی بڑبڑا ہٹ اس نے کسی تو اس کو لگا کر نیچر نے مجھے کہا ہے، وہ کتاب مریم کے ڈکس پر رکھ کر اپنی جگہ پر جا کر بیٹھی، کچھ دیر بعد مریم نے کتاب اٹھا کر وائٹ بورڈ پر ٹیٹ لکھنا شروع کیا تھا۔

ناٹھ حسن..... سوڈہ نے سبق سننے کے لئے لگی تھی، کوپاکا تھوڑا سوڈہ، وہ ہر مشق کی ترتیب کے مطابق اپنا سبق لے لے لگتی تھی، حنائے سے پہلے ہاں ناصر سبق چننا چکا تھا، سوڈہ کے پاس ناچوچیں کلاس تھی، یہاں بھی لڑکیاں اور لڑکے اس کے تعلیم حاصل کر رہے تھے، اس کلاس کی نیچر نے ایک ڈیڑھ ماہ قبل کی عذری بنا پر اسکول چھوڑا تھا، طالب امی سے سوڈہ کو یہاں جابل تھی، جب وہ میڈم کو انٹر دے رہی تھی تو وہ مکمل طور پر انگلش میں گفتگو کر رہی تھیں اور ”سوڈہ اور ابیم“ نے بھی بہت اعتماد سے انگلش میں ان کے ہر سوال کا جواب دے کر ان کو یقینان اور یقین دلایا تھا کہ وہ ان کو مایوس نہیں کرے گی، مگر اسکول کی میڈم کو اس کے عالمہ ہونے پر اعتراض تھا، میڈم نے اسی بات کو اٹھوٹنا کر سوڈہ کو ایک ڈیڑھ ہفتہ انتظار کر دیا تھا، اسے انٹرو ہویش مکمل کا حساب تھی، صرف میڈم کا اعتراض اس کا عالم ہونا تھا، مگر بحالت مجبوری میڈم کو سوڈہ کو بلا کر، امیدوار اور انور بھی بھی، مگر سوڈہ کی باربعی شہید

اور انتہائی دھیمامند رنگتو جس میں اعتماد جھٹکتا تھا، یہ چیز ان کو اور کسی امیدوار میں نظر نہیں آتی تھی اور یہ چیزیں اگر ایک استاد میں موجود ہوں تو اسکول کا ریکارڈ اور کلاس کا نظم و ضبط کا رکنے میں بہت معاون ثابت ہوتی ہیں۔ استاد کی باربعی شخصیت کی بناء پر بچے زیادہ شرمناک نہیں کرتے، ہوم ورک ٹیٹ وغیرہ پر توجہ دیتے ہیں، دھیمامند رنگتو بچے پر ایک نرم تاثر ڈالتا ہے جس کی وجہ سے بات چیت کرنی پڑ جائے تو استاد کے رویے کی وجہ سے بچہ جھجھکتا ہے اور استاد کی شخصیت میں اعتماد ہوتا ہے تو بچہ خود بخود پر اعتماد ہو جاتا ہے، ظاہر ہے کہ انسان کی شخصیت میں جتنا اعتماد ہوگا، اتنے ہی با اعتماد انداز میں وہ بات کرے گا تو بچے تو استاد سے کیستے ہیں، استاد کی پر اعتماد شخصیت کی بنا پر بھی بچہ پورا اعتماد سے بات کرتا ہے۔ الغرض کہ سوڈہ ایک استاد کے انٹرو ہویش مکمل کا حساب تھی اور اسکول کی سینئر کلاس کا معاملہ تھا اور اس اسکول کا اصول تھا کہ اسے بی، سی، ڈی کی کلاس کا معاملہ نہیں تھا، یہاں تک کہ اس کی نیچر کے ایک چھوڑا چھوڑا بچہ پر کلاس کی ایک باہر کی دھانی ڈھنڈھ ہوئی تھی، ”سوڈہ مریم کو یوں بھی جلدی تھی، مگر نہ انتظار کیا جا سکتا تھا کسی اور اچھی امیدوار کا مگر قدرت کو یہی منظور تھا کہ سوڈہ کو چننا گیا۔ آپ کا نام لتا نہیں پارا ہے، بچی جب سوڈہ کے پاس آکر کھڑی ہوئی تو سوڈہ نے مسکرا کر اس کے دایے گال کو چھپتیا، بچی بھی مسکرائی، آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا نام کس معزز دوستی کے نام پر ہے، سوڈہ نے پیار سے ”حنائے حسن“ کو مخاطب کیا ”تو“..... بچی نے مختصر جواب دیا، سوڈہ کو لگا کہ اس کے دل میں کسی نے آہستہ سے سوئی بھاری ہون، یہ تو وہ پہلے ہی دن کورس چیک کرتے ہوئے دیکھ چکی تھی کہ اسلامیات کی بک کے نام پر چار صفحے شامل نصاب تھے اور ان چار صفحوں میں بھی ایسا چھپچھپا تھا کہ سچا انداز، اپنے ذہن کی حقیقت و ادبیت کو

سمجھ سکیں، دنیا اور دین میں امتیاز رکھیں، آخرت کی کامیابی کا فکر اولین ترجیح بن سکے، آپ کی امی نے بھی آپ کو کچھ نہیں بتایا کہ انہوں نے آپ کا یہ نام کیوں رکھا؟ سوڈہ نے بچی کو مزید قریب کرتے ہوئے پیار سے پوچھا تھا، ”تو نیچر آپ بتا دیں ایسی کیا خاص بات ہے میرے نام میں“ بچی نے سوڈہ کے نرم انداز کو محسوس کر کے مصعومت سے انگلش میں پوچھا، ہاں بیٹا میں آپ کو ضرور بتا دوں گی کہ آپ کے نام میں کیا خاص بات ہے، سوڈہ نے اپنی کرسی ذرا نیچے کھینچ کر بچی کو اپنی گود میں بٹھالیا، اچھا انش آپ کو یہ تو معلوم ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نام ہیں؟ سوڈہ نے اس کے ہاتھ کا ہاتھ لفٹ کر کے پوچھا، ہاں مگر جواب اردو میں دیا، اس اسکول میں آکر اس کو اس بات کا احساس بہت مثبت ہے ہوا تھا کہ ہماری مادری، قومی زبان آہستہ آہستہ اپنی شناخت کھو رہی ہے، آج ہماری عام نابل بات چیت میں بھی آدمی نہیں تو چند الفاظ ضرور انگلش میں ہوتے ہیں اور ایسے بہت سے الفاظ ہیں کہ انگلش میں اسے عام ہو چکے ہیں کہ ان کی اردو ہمارے بزرگ ہی جانتے ہوں گے، تو یہ سچے کیسے اپنے بچے کی اپنی زبان کی حفاظت کر سکیں گے زیادہ چھپچھپ تو ہیں اس کی کوشش تو کر سکتی ہوں کہ یہ سچے اپنی مادری زبان کو سمجھ سکیں، اس کو ادبیت دیں، جب وہ خود انگلش میڈیم اسکول میں زیر تعلیم تھی تو وہاں بھی نیچر بہت زیادہ کوشش کرتی تھیں کہ ان کی کلاس مکمل انگلش میں بات چیت کرے مگر سوڈہ کی والدہ اور دادی نے گھر میں انگلش میں بات چیت کرنے سے نفی سے منع کر رکھا تھا، ماحول بھی مذہبی تھا اور اپنے وطن عزیز سے بچی محبت بھی، سو گھر میں سب دین دونیا کی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود اپنی قومی زبان کو ہی ترجیح دیتے تھے اور یہی تھیں، مگر اب بچوں سے بات کر کے لگتا ہے کہ ان کو گھر والوں سے بھی خاص تربیت دی جاتی ہے، بہت سارے اردو کے لفظ بچوں کی

زبان پر چڑھتی ہی نہ تھی۔

جی نیچر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہیں، ان کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ہم ان کے اسٹی ہیں، بچی نے انگلیں لیجے میں، اردو میں جواب دیا، حالانکہ بچی پیدا کنی پاکستانی اردو کی شکل و صورت کے لحاظ سے بھی انگریز لگتی تھی مگر آج ہمارے شوق ہماری ترجیحات مکمل کی مکمل مغرب کی تقلید ہے اور انگلیں لیجے کی آج پاکستان میں کیا اہمیت ہے، اس کا اندازہ تو ہر کوئی کر سکتا ہے، شاباش!..... سو وہ نے پیار سے کہا، اچھا تو عاشرہ آپ کے نام کی بات ہو رہی تھی تو جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو ان کی ایک بیوی کا نام عاشرہ تھا، عاشرہ رضی اللہ عنہا، آپ کو علم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازدواجی میں سب سے زیادہ علم ان کے پاس تھا، سو وہ نے بچوں کے انداز میں اس کو بھانپا۔

نیچر آپ نے ابھی کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سسر کا نام عاشرہ تھا تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے علاوہ بھی اور کوئی سسر تھیں، یہ بچی کلاس کے ۵ جن ترین بچوں میں شمار ہوتی تھی اور ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی جملہ ایسا ہو کہ اس میں اختلا ہو اور ایسا کیسا اختلا کی وجہ سے جانے کی کوشش نہ کرے، سو وہ کو ایک بار پھر عجیب سے دھکے نہ کھریا، جب وہ سو رہا تھا کہ اس نے کم عمر تھے تو ان کی دادی ان کو اپنے پاس بٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقیات بتلاتی تھیں، ان کی زندگی کے حالات کہ انہوں نے کیسی مشکلات کا سامنا کیا، ان کے طریقے کے مطابق زندگی گزارا ان اللہ کے نزدیک سر قدر محبوب ہے، ہم مسلمانوں تک یہ دین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کس طرح اور کیا کیا قربانیاں دے کر محفوظ طریقے سے پہنچایا ہے، پھر دادی کے انتقال کے بعد ای جان کا معمول بن گیا اور آج تک ان کے گھر میں تعلیم کا یہ سلسلہ جاری تھا، مگر یہ بیچہ..... ان کا کیا قصور ہے؟ جب والدین اور

استاد ہی ان کو ان کی حقیقت سے روشناس نہ کروائے تو کوئی بھی تو اس کے پیٹ سے بیکہ نہیں آتا، چھپکے سے ایک آنسو اس کی آنکھ سے بہہ کر اس کے دوپٹے میں گم ہو گیا اور بے ساختہ سو وہ نے بچی کو اپنے گلے سے لگالیا اور باقی کلاس بھی اس طرف متوجہ ہو گئی، سو وہ کو ایک دم ہی صورت حال کا اندازہ ہوا تھا اور اس نے عاشرہ کو خود سے الگ کر کے نرمی سے کہا تو آپ کو یہ بھی معلوم نہیں ہے، بچی نے سواہ نظر لوں سے سو وہ کو دیکھا وہ پریشان سی ہو گئی تھی، سو وہ کے دماغ سے وہ اس کی دلی کیفیت سے استغیاں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کل گیارہ بیویاں تھیں، سو وہ نے پیار سے اس کے گال پر چٹکی لیتے ہوئے کہا تھا، گیارہ بیویاں، عاشرہ حسن کی، انھیں حیرت سے پھیل گئیں سو وہ نے اس کی حیرت کو محسوس کرتے ہوئے مزید کہا کہ اب آپ کو ان کے نام بھی بتائی ہوں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کی سب سے پہلی بیوی تھیں اور آپ کو پتہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 25 سال تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر 40 سال تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیویاں بھی انہی سے ہوئی، حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم، باقی شادیاں آپ کی آپ کو بتواتے ہیں بعد میں، نبوت سے پہلے کے بعد باقی دن شادیاں ہوئیں، وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی فرض سے انہیں کی ملک آپ کا ہر عمل امت کی تربیت کے لئے ہوتا تھا باقی شادیاں کرنے میں امت کے لئے یہی تھا کہ امت ایک شادی کر کے بھی اسے خوش اسلوب انداز میں اس کا حق ادا نہیں کر سکتے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ بیویوں کے حقوق ادا کئے، میری بات آپ کو کچھ آ رہی ہے عاشرہ، سو وہ نے نرمی سے دریافت کیا، جی، عاشرہ نے جوش سے کہا تھا، اس کے بعد آپ کی جوشادی ہوئی وہ کورت ایک بیوی تھیں، حضرت سوہ رضی اللہ عنہا

بھی، اس کے بعد عاشرہ رضی اللہ عنہا، پھر حضرت خضہ رضی اللہ عنہا، پھر حضرت زینب خنیسہ رضی اللہ عنہا، پھر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، پھر زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، پھر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا، پھر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، پھر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا، سو وہ نے انکی کے پوروں پر کتنی کرتے ہوئے بتایا، صرف عاشرہ رضی اللہ عنہا کم عمر کنواری لڑکی تھیں، باقی سب بیویاں طلاق یا تفصیل، سو وہ نے مزید تفصیل بتائی، سب آپ کا نام بھی خاص ہے، عاشرہ نے مسکرا کر پوچھا، سو وہ کے نام کرنے کے انداز سے بچی میں اعتماد آیا تھا، سو وہ بڑا بھنگ بات کر رہی تھی، ہوں، میرا نام بھی خاص ہے، میں آپ کو اور بھی بہت سی خاص باتیں بتاؤں گی مگر ابھی آپ اپنی جگہ پر جاؤ، تاکہ میں اور بچوں کا سبق سنوں، سو وہ نے بچی کو پیار سے کہا، مگر نیچر آپ نے میرا سبق نہیں سنا، عاشرہ نے معصومیت سے کہا تھا، مجھے پتہ ہے کہ آپ کو کتنی یاد ہے، اس لئے نہیں سنا، اب آپ ایسا کرو کہ آپ سے آگے ہمبک اچھ ہے، آپ کا سبق پہلے سنو، پھر خود ہی اس کو سنا کر نیچے بتاؤ کہ دوڑوں کو یاد ہے یا نہیں، نیچر؟ سو وہ نے اس کا گال چھپتا کر کہا، جی، کہہ کر اپنی اپنی جگہ پر چلی گئی۔

یا نیچر جی، سماعت کا طالب علم تمام عمر بھی نہیں ہوتا کہ اس کو کسی بات کا شعور ہی نہ ہو، دس، گیارہ سال کی عمر کا بچہ بولوغ کے بہت قریب ہوتا ہے، یہ عمر بہت حساس اور کینے کی ہوتی ہے، ماں کی گود کو پیلا رہا کہہ گیا ہے اور استاذ کی والدین کا دبدبہ کرتے ہیں، جیسے جیسے عمر بڑھتی بیڑیاں چڑھتا ہے، بہر قدم بڑھاتے ہوئے کینے کے مراحل سے گزرتا ہے، غالباً ایسا وجہ سے بڑے کینے کے ہیں کہ چھپتے سال کی عمر سے آٹھ نو سال کی عمر تک جو جوتا ہے، جو دیکھتا ہے، جو اس کو جاتا ہے وہ وہ اس کے دل و دماغ کی خالی تختی پر لکھا جاتا ہے اور آخری عمر تک اس عمر کی باتیں نہیں بھولتا، پھر نو، دس کی عمر سے

بچہ شعور کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے اور علمی زندگی میں اپنے دل و دماغ کی تختی پر نقش مشورہ بیت کے سایہ میں چٹا ہے، بہر حال..... بولوغ کے بہت قریب عمر کا بچہ ان احساسات و جذبات سے آشنا ہوتا ہے، جن سے وہ ابھی تک نہیں گزرا ہوتا، قدرتی فطرتی احساسات و جذبات، اسی وجہ سے نو، دس سال کی عمر سے لے کر اٹھارہ سال تک کی عمر زندگی کا بہت حساس حصہ جاتا جاتا ہے اور جننی احتیاط کی ضرورت اس عمر میں ہوتی ہے، شاید اس کے علاوہ عمر کے کسی اور حصے میں ہو، مگر افسوس! آج والدین نے ان باتوں کو سوچنا چھوڑ دیا ہے۔

غیب اسلام نے انسانی کی زندگی پہنچنے سے لے کر بڑھاپے تک سب قدر عزت کا باعث بنائی ہے، زندگی کے دور کے لئے ضابطے بنا کر سات سال کی عمر کے بعد سے ہی انسانی پابندی کا حکم دے دیا، نماز، کھانا، سات سال کے بچے کو ہی سے اور اسی عمر سے لڑکے اور لڑکی کے درمیان فاصلے کا حکم ہے، خواہ بہن بھائی ہوں، ایک بستر میں سوئے سے سختی سے ممانعت فرمائی گئی ہے، نو، دس سال کے بچے کو کار نماز پڑھانے کا حکم ہے، یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمر قحی حساس ہے، مگر آج ہاری سل کیسے تباہ ہو رہی ہے، جب حدیث مبارکہ کی رو سے سات سال کی عمر سے ہی بہن بھائی تک کا بستر الگ کرنے کا حکم ہے تو یہ تو پھر ایک عرصہ تک ایک مخصوص وقت تک بچوں کے اکٹھے رہنے کا سبب ہے، ایسے ہی کیسے آٹھویں وہ مقرر رکھیں، جن کی تمنا میں کتنی ہی بزرگ ہستیاں زندگی بار چلیں، آج ان ماؤں کو کیا ہوا کہ اس بدستی عمر میں بچوں کو وہ نیچے تک کا خیال نہیں، تا معلوم ان میں کتنی بالغ ہوں گی، پردہ، نماز اور کتنے احکام جو ان بچوں پر فرض ہو چکے، مگر یہ بے خبر ہیں، انہیں ہائے افسوس ہے، ہماری آج کی سوچ، آج کی خواہشات، ترجیحات نے ہمیں ہماری اصل سے تباہ کر دیا ہے، ہماری پہچان کیا ہے؟ جس پر ہم فخر کریں کہ



نسل باہل سے ہماری اصل باقی ہے، ہم خود بخود بنکے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے روشنی قربانیاں دیں، اللہ عز و جل فراموش نہ ہو کہ ہم نے اسے کتنا شکر ادا کیا ہے۔

عائشہؓ اپنی جگہ پر چلی گئی تھی، مگر وہ جس دن سے اس اسکول میں آئی تھی، لکھ بچوں کو لکھنا کہ کسی نے اس کے دل میں بہت زور سے سوئی چھپا دی ہو، اگرچہ انگلش میڈیم اسکول میں جا اب اس کے مقصد کی ایک کڑی تھی، نہ انگلش میڈیم اسکول کی جا اب اس کی آخری خواہش تھی، نہ شہید ترین ضرورت اور نہ ہی اس کا مقصد حیات، مگر اس کو پھر بھی اندازہ نہیں تھا کہ اپنے مقصد کو پانے کے لئے اس کو ایسی دل آویز بات کہ میرا سنا کر مانا کر دے گا۔

اچھا بچوں! میری بات سنو..... پوری کلاس یکدم ہی سو وہ ابراہیم کی جانب ہوئی تھی، آج سے ایک بہت اہم کام شروع کرتے ہیں، مگر پہلے آپ کو سمجھ سے وعدہ کرنا پڑے گا کہ میرا ساتھ دو گے، سو وہ نے اپنی جانب متوجہ ہو کر کلاس پر ایک نظر ڈال کر کہا تھا، کیا وعدہ ہے؟ سو وہ نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہ سب کلاس نے ایک وقت ہو چھا۔ سوہ سکرانی، دے دے تو کو کچھ سے پہلے بے چھٹا چاہتا تھا کہ ہم کیا کام شروع کریں گے، مگر چلو اب اس کے دلوں میں باتیں کر لیتے ہیں، کل سے ہم پندرہ بیس منٹ آپس میں بات چیت کیا کریں گے، جس میں مجھ سمیت کوئی بھی جھوٹ نہیں بولے گا، بات کیا اور کس طرح، کس نوعیت کی ہوگی، وہ ہم کل ہی ڈسکس کریں گے، اب آپ لوگ بتاؤ کہ یہ سلسلہ شروع کیا جائے یا نہیں؟ اور جھوٹ کوئی نہیں بولے گا، وعدہ کرو، سو وہ نے وعدہ لینے کے انداز میں اچھا سے پھسلا کر کہا، میں سچے سچ پوری کلاس میں یکدم ہی خوش کی لہر دوڑ گئی، کیونکہ ان کی پہلی شے بہت ہی زیادہ سخت مزاج تھیں، آپس میں بات چیت پر بھی سزا دیتی تھی، پھر یہ میجر کی کلاس پر ایک کے وقت اپنی کلاس میں میجر سے ہونے والی گفتگو، کھیل اور ان کی خوش مزاجی بتاتی تو کلاس بس

منہ بسور کر جاتی، گویا ان کو ایک انہونی خوشی کی تھی جس سے وہ نے سب بچوں کے خوشی سے تنہا سے چہرے دیکھے اور نرمی سے کہا کہ اب چھٹی میں وقت کم ہے، آپ لوگ کل کالمیٹ دہرا لو گھر جا کر یادیں کرنا پڑے گا، اس کا زم انداز بچوں کے دلوں میں نامحسوس طریقے سے اس کے لئے بہت جگہ بنا تھا، یہی وجہ تھی کہ اس کو کوئی بھی بات بار بار نہیں کہنا پڑتی تھی۔

خیریت سے آگئی وہ سو وہ مینا؟ سو وہ سلام کرتے ہوئے گھر میں داخل ہوئی تو آبیہ صاحبہ نے سلام کا جواب دینے کے بعد پوچھا تھا، جی ای کیہ کرودہ نے برقعہ اتار اور ان کے قریب ہی بیٹھ گئی، کھانا کھا لو آبیہ صاحبہ نے پیار و فکر مندی سے کہا، تھوڑی دیر تک کھا لو گی، ای ای بھی مڈن ہوئے ہیں کہہ کر سوہ ان کی ہی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی اور انہیں گھونٹ لیں۔

تم نے خواہ مخواہ اسکول میں پڑھانے کی میٹنشن مول لی، بالوں تو پڑھانے کی ضرورت ہی کیا ہے، اگر پڑھانے ہی ہوتے آپس میں درس پڑھنے میں چاہیے قریب بھی ہے، آج بھی تمہارے باپ کی فون اپنا تھا کہ سوہ کو کچھ دینا اسکول میں پڑھا کر کیا کرے گی، کتنی منت کر رہی ہیں سوہ بیٹا صاحب تم ہی بتاؤ، بھلا اچھا لگتا ہے کہ تمہارے استاد میری منت کریں، میں اس صورت حال میں کیا کروں؟ آبیہ صاحبہ نے نرمی سے کہا تھا، ای ای آپ کی بات بالکل بجائے مگر دوسرے کاموں بٹایا ہوا ہے، دوسرے کی بنیادی اسلام، مذہب کے مطابق تربیت کے لئے رکھی جاتی ہے اور دوسرے میں دین کی خدمت کرنے والوں کی نہیں ہے، باقی صرف میرے تعلیمی ریکارڈ کو مدنظر رکھ کر بار بار آپ سے بات کر رہی ہیں، مگر وہ میرے ارادوں سے بے خبر ہیں، اب اگر ان کا فون آئے تو ان کو لڑی سے بھانے لگے گا کہ آج انگلش اسکول ہماری کلاس کی نسل کو تیار کر رہے ہیں، دنیاوی ترقی کے چکر میں ہماری آخرت تباہ ہو رہی ہے آخر کوئی تو ہو جو سکول میں زیر تعلیم بچوں کو یہ بتا سکے کہ صبح شے

کی کیا منتیں ہیں، صبح گھر کو ن کی دعا پڑھنا مسنون ہے، سنت کے مطابق دن گئے گڑا اراجائے، رات کے اعمال کیا ہیں؟ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کی کیا اہمیت ہے؟ آج اسکول میں کونفیشنس کے چکر میں سیلف میڈمرس کے کھانے میں پھنسا کر اپنا کھا ڈینا، اپنے لئے چوکا سبق رائج کیا جا رہا ہے، ایسے میں کون پڑھی کے حقوق ادا کرے گا، کسی مجبور کو کچھ کر سکتا ہے نہ مزاج تباہ کرے گا، اسکول میں ایک پچھلے دوسرے کو اپنی پھنسل تک دینے کو تیار نہیں ہوتا کہ میرے والدین نے محنت کر کے میرے لئے خریدی ہے، پچھلے مجھے سے قاصر ہے کہ مشکل میں کی کی مدد کرنے کا کیا ارادہ ہے؟ ای ای میں نہیں کہتی کہ بچوں میں اعتماد ہو، مگر یہ ہے کہ اس کی صلی اللہ علیہ وسلم کہتی ہے، جو اپنے آخری لحاظ میں بھی اپنی امت کو نہیں بھولے تھے اور اب اپنی نگاہ رہے تھے، جنہوں نے اپنی زندگی اپنے لئے نہیں بلکہ اس امت کی بھلائی کی خاطر اپنی مشکلات میں گزاری، جو بنی اپنے امت کے چور کے ہاتھ کھنے پر روئے، دین اور شریعت سے بے زاری اور دوسری میں ان بچوں کا کیا قصور؟ جب استاد اور والدین ہی ان کی طرف کی حقیقت سے روٹنا نہ کرنا نہیں۔ ای ای اچھی کورس جاتی ہیں کہ جتنے بھی یہ کی ضرورت ہے، نہ لاچ نہ اسکول میں پڑھنا میرا خواب، میں تو بس ان فتنے و جدود کو آخرت کی یاد دلانا چاہتی ہوں، آپ نے بھی تو ہمارا ساند بچپن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچا ہے کرام رضوان اللہ علیہ کی زندگی افضل دی تھی، ایک درود دیا تھا، میں بہت زیادہ نہیں تو ہزار دو ہزار میں سے سو بچوں کو تو تھامی سے بچا سکتی ہوں، مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ انگلش اسکول آج کی نسل کی برابری میں اتنا اہم کام کر رہا کر رہے ہیں اور یہ اسکول بچوں کی فنی، دینی برابری کا اتنا اہم رول صرف والدین کی کوتاہی کے سبب ادا کر رہے ہیں، ہم نے بھی پڑھا تھا، ایسے ہی انگلش میڈیم اسکول میں مگر میں گھر میں اردو بولنے کی تھی تھی اور گھر والے سنت اور دین کی

اہمیت کسی دن بھی ہمارے دل میں اگر گرا نہیں بھولتے تھے، پھر ان والدین کو کیا ہو، جن کی باخ بنی اسکول بغیر دو بے کے جاری ہے، برقعہ دو دو کی بات بھی جس کو اپنے نام کی حقیقت تک نہیں معلوم، ایک بچی میری کلاس میں ناچو بس جماعت کی طالبہ عائشہ سن نام ہے اور وہ یہ تک نہیں جانتی کہ بیٹا نام صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کا تھا، سو وہ کی آواز بھر آئی شہدات جنات سے اس کے دل کا درد کوئی درد آتشاں سمجھ کر تھا اور اس کی ماں جس نے اس کو تعلیم کے ساتھ ہی درس بھی تربیت میں دیا تھا اس سے زیادہ کون اس کو سمجھ سکتا تھا۔ ای ای ہر بچہ نوٹس بات چیت انگلش میں کرنے پر فخر محسوس کرتا ہے، بچوں کی زبان پر اردو کے لفظ اتنی مشکل سے پڑتے ہیں کہ کس حیران رہ جاتی ہوں کہ یہ پاکستانی اردو تو ہے، ہماری کل کی قوم جہاں اپنی آخرت تباہ کرنے لگی ہے، ہیں دنیا میں اپنی شناخت بھی کھونے کی مکمل تیار کر رہی ہے، اردو ہماری قومی داری زبان ہے، مگر وہ کھو چکا، والدین پر ہے جو اپنے بچوں کو گھر والوں میں ایسا ماحول دے رہے ہیں، مغربی انداز گفتگو، مغربی تہذیب، مغربی رہن نمونہ، ای پلیز آپ سو میرا اسکول میں آج 40-30 جن 40-30 بچوں کو پڑھا ہوا ہے، ان کو تو میں بتا سکتی ہوں، ماں، ہو سکتا ہے کہ وہ بھی ایسی طرح کسی کو بتا سکتیں اور آخرت تک یہ میرا لگایا ہو رخت یوں ہی چمکتا رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تمہارے مقدمہ میں کامیاب کرے، آبیہ بیگم کا دل بھر آیا تھا، انہوں نے بے ساختہ سوہ کی پیشانی چومتے ہوئے دعا دی تھی، میں کچھ دلوں تک میڈم سے بات کر کے اسکول میں منتوں کا سلسلہ شروع کر دوں گی، سنت کو جانا اور اس پر عمل کرنا سوہ نے اپنا آئندہ کارواہ بنایا، میڈم ذرا سخت مزاج ہیں مگر ان شاء اللہ، اللہ پاک میری مدد کریں، سوہ نے بہت یقین سے کہا تھا اور آبیہ صاحبہ نے دل میں سچول سے کہیں کہا تھا۔

ای ای آپ کو معلوم ہے کہ آج میں نے اپنی کلاس سے وعدہ کیا ہے، ہم کل سے ایک ایک سلسلہ شروع کریں

گئے، جس میں مجھ سمیت کوئی بھی مسجد نہیں بولے گا، سو وہ جوش سے بولی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی، وہ بچپن سے ہی اپنی اسی سر بات کرتی تھی اور آسیر صلیبی اگر وہ صبح ہوئی تو بھی زبردستی اٹھ کر مجھ غلط کرنی یا اس کو سوچ غلط ہوئی تو فوراً اس کو موقع کی مناسبت سے کبھی نرمی اور کبھی سختی سے سمجھا دیا کرتی تھیں، تو تم کو کیا؟ آسیر صلیبی نے اس کے جوش کو دیکھتے ہوئے پیار سے پوچھا تھا، دراصل ایسا سولہ کل انگلش ہے اور سوچ تو یہ ہے کہ انگلش کی ہی کتابیں زیادہ ہیں، اسلامیات کی کتاب کے نام پر چار صفحے ہیں اور اس میں ایسا کچھ نہیں کہ پانچویں کلاس کے بچے کو اس کی فکر ہو کر اس پر انا زعفران فرض ہو سکی ہے، ناز نہ پڑنے کی سزا اور کسی سے؟ اسی بات سے آپ اندازہ کر لیں کہ انگلش میڈیم اسکول میں بچوں کی کیا تربیت ہو رہی ہے، میں سارا قصور اسکول کا نہیں کہہ رہی، والدین کا بھی بہت ہاتھ ہے اس میں مگر میں جتنا کر سکتی ہوں، اتنا تو کروں گی ان شاء اللہ، سو وہ نے دکھ اور فکر مندی سے کہا تھا، تمہاری سوچ بالکل ٹھیک ہے مینا اور اچھی ہے مگر یہ انگلش میڈیم اسکول سے اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میڈیم کتبیں جاب دینے پر اعتراض صرف اسی بات پر تھا کہ سب عالم ہو تم اسکول کے معاملات میں ناگاہک لاؤ تم ایسا کچھ کرو تو کل تو ہمارے لئے کوئی مسئلہ نہ اٹھو جائے، معلوم نہیں کہ یہ اسکول میڈیم کا بنایا ہوا ہے یا چھپے کسی انگریز کا بنایا ہوا ہے اور میڈیم کا مذہبی تو نہیں معلوم نہیں ہے، ساتھ والد خالدہ کے بیٹے کو صرف داؤھی کی وجہ سے اٹھا کر لے گئے تھے کن پوائنٹ پر کہ بدبخت گرد ہے، آج تو پاکستان میں جماعت میں لکھنا کسی خطرے سے خالی نہیں ہے اور تم تو عالم ہو، میڈیم کوئی انجمن کی بدنامی نہیں ہے، سیکونڈ ہائی اسکول تھا، وہاں آج اسکول کے ان بدنامی مڑتے حالات ایک ہاں ہونے کی حیثیت

آخرت کا کامیابی بتی ہے۔

کل ہم سب نے آپس میں ایک وعدہ کیا تھا؟ سو وہ نے دونوں کتابوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر درمیان میں پتہ چن کر رکھ کر کتابیں بند کر دیں اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے سے پھنسا کر اپنی ٹھوڑی کے نیچے اپنے ہاتھ رکھ کر کلاس کی جانب متوجہ ہو کر پوچھا تھا، ہمیں یاد ہے، منجہ، پوری کلاس نے ایک آواز میں جواب دے کر اس کی جانب متوجہ ہونے کا ثبوت دیا تھا، سو وہ بے ساختہ سمرائی گئی، اچھی بات کہتے ہوئے اس نے اپنی کرسی چھوڑ دی تھی، سو وہ کچھ دیر خاموش رہے، جیسے کچھ سوچ رہی ہو، ادھر سے ادھر چلتی رہی اور پوری کلاس اس کی جانب متوجہ تھی۔

ایک بات پوچھوں آپ کو لوں سے، سو وہ نے کلاس کے بالکل وسط میں رک کر کرسی سے پوری کلاس کو مخاطب کیا، جی، ایک باہر پوری کلاس نے کورن میں جواب دیا اور سو وہ کو یقین دلایا کہ وہ اس کی جانب مکمل طور پر متوجہ ہیں اور اس کی کسی بھی بات کے منتظر تھی۔

کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہم دنیا میں کیوں آئے ہیں؟ سو وہ نے واپس اپنی جگہ پر کرسی کے پیچھے کرسی پر کودوں کھیناں کرسی کی بیک پر کرا کر تھیلیوں کا پیالہ سا بنا کر اپنی ٹھوڑی اس پر ٹکا کر پوچھا تھا۔

اچھا یہ تو معلوم ہو گا کہ آپ لوگ اسکول کیا کرنے آتے ہیں؟ کچھ دیر جب کلاس میں خاموشی چھا رہی تو سو وہ نے گہری آنکھیں دھو کر دوسرا سوال پوچھا، جی میں صرف 5 منٹ باقی تھے، یہ حال کلاس وقت دکھ سے اس کی حالت غیر تھی، ہانچوں میں جماعت کا طالب علم اس بات سے بے خبر کہ وہ کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ اپنی زندگی کے دس گیارہ سال جو گزار چکے، جن میں صرف یہی سبق پڑھایا جاتا جائے کہ یہ زندگی ایک مقصد کے تحت عطا ہوئی، تاکہ تم کی زندگی کا وقت اتنے تک بچا رہے آپ کو مکمل طور پر تیار کر سکے، مگر کتنی عجیب بات ہے کہ ہم

لوگوں نے خود مسلمان بچوں کو ان کی حقیقت سے دور کیا ہوا ہے، ان بچوں کا کیا قصور؟ والدین نے ان کی دنیاوی بہتری کی خاطر ان کو دنیاوی اعتبار سے بہترین ادارے میں داخل کروایا ہے، مگر ان کی آخرت کے لئے کیا کر رہے ہیں چپاں ہمیشہ ہمیشہ رہا ہے، وہ دکھ سے صرف سوچ رہی تھی۔

ہم یہاں پڑھنے آتے ہیں، پوری کلاس نے کورس میں جواب دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ سو وہ مزید کوئی بات کرتی، چھٹی کے لئے تیل بھنا شروع ہوئی اور کلاس کا ذہن منتشر ہو گیا۔ اوہ..... اس نے گہری سانس خارج کی تھی، چوتھی ہو چکی ہے، کیا آپ لوگ مجھے پانچ مین اضافی دو گے، میری طرف سے کوئی زبردستی نہیں ہے، آپ لوگ اگر خوشی سے بات کرنا پسند کریں تو ٹھیک، ورنہ کوئی بات نہیں، جل بات کریں گے ان شاء اللہ..... سو وہ نے کلاس کو خاموش دیکھ کر خودی بات سمیت مدنی، چلو آپ لوگ لائن بناؤ، سو وہ نے کہتے ہوئے اپنا سامان عینا تھا اور بیک کندھے پر ڈالا تھا، پھر کلاس روم کے دروازے پر کھڑے ہو کر درمیان کے مطابق لائن سیدھی اور اسکول کے گیٹ تک لے کر گئی، جب پوری کلاس طبعی تھی تو وہ اضافی روم میں اپنا ہاتھ لینے آئی تو مریم ہاں پہلے سے تھی تھی۔

کبھی ہو مریم؟ کہ مریم کے ہاتھ میں کوئی کتاب تھی اور وہ اس میں میں ہی طرح منہمک تھی، وہ سو وہ کو دیکھ کر کسی تھی، سو وہ کی آواز پر اپنی جگہ سے بے ساختہ اچھل پڑی، تو سو وہ اپنی منہ کی ٹوکروں دیکھی، پھر صورتحال کو سمجھ کر مریم بھی بے ساختہ سمرائی، آؤ بیٹو، صبر مے نے کسی بار بار بھی رکھ کر کہا، دے دے تو مجھے دیر ہو رہی ہے، مگر چلو آپ بھی کچھ عتاب نہ کر دیتے ہیں، سو وہ نے شاید اندازہ نہیں کیا تھا، مریم ایک بات پوچھوں؟ سو وہ نے کچھ دیر بعد کہا، ہاں پوچھو، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، مریم نے اپنا دست سے کہا کہ ہمیں ان بچوں کو کچھ نہ کہیں ہوتا،



سودہ کے بچے میں دکھ بول رہا تھا، کیا..... مطلب؟  
 مریم! یکدم گھبرا گئی، مریم کیا نہیں لکھیں گے! یہ بچے اپنی دنیا بہتر بنانے کے لئے اپنی آخرت کی تباہی کی بیڑیوں کو بہت تیزی سے پھلانگ رہے ہیں، مریم میں یہ تو نہیں کہتی کہ ان کو اپنی دنیا بہتر بنانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، میں تو صرف یاد دہانی کروانا چاہتی ہوں کہ اپنی دنیا کو بہتر بنانے کی کوشش میں ہم اپنی آخرت کی بھری سے ایسے غافل ہیں، جیسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا میں رہنا ہے اور آخرت چند روزہ، سودہ کی آواز بھرا گئی، ملحق میں گولہ سارنگ کیا اور یکدم ہی وہ اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی گی، مریم ہوتوقوں کی طرح اس کو دیکھتی رہی، اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے، کچھ دیر بعد مریم سودہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی، پیڑوں سودہ ہو جاؤ تمہاری باتیں نہ لگتا ہے کہ تم کو یونانی ہو اور آج تم نے یہ غائب کر دیا، ایسا نہیں ہے سودہ کے میں تمہیں یا تمہاری باتوں کو غلط سمجھتی ہوں، جب انسان کو اپنی کوئی مقصد بتا لیتا ہے تو آخری سانس تک اس کے حصول کے لئے ہر طرح کی جنگ لڑنے کے لئے خود کو تیار کر لیتا ہے، مریم نے سودہ نے روتے روتے سے اسٹارٹ کر مریم کی بات کا بھی، مریم نے حیرانی سے سوالیہ نظروں سے سودہ کو دیکھا تھا، تم نے ابھی کہا کہ ”جب انسان اپنا کوئی مقصد بتا لیتا ہے تو“ تو میں یہ وضاحت کر رہا تھا، جی ہوں کہ اللہ پاک نے انسان کو ایک مقصد ہی کے تحت دنیا میں بھیجا ہے، وہ مقصد پہلے اور باقی تمام شعبہ ہائے زندگی بعد میں ہیں اور میرا سودہ! میرا رونا ہی ہے مریم کہ آج ہم مسلمان اپنے مقصد کو بھول چکے ہیں، ہر انسان نے اپنے لئے ایک مقصد بنا لیا ہے، انسان کو اپنا کوئی نہ کوئی مقصد بنانا چاہئے، مگر مقصد حقیقی کے حصول کے لئے ہم جاتی ہو مریم کہ میں یہاں اس اسکول میں کیوں پڑھانے آئی ہوں اور میں نے عالم کے کون سے بعد کی بھی مدد میں اپلائی نہیں کیا

تھما صرف انگلش میڈیم اسکول میں اپلائی کیا تھا، آٹھ، دس اسکول میں، اس اسکول کے علاوہ اور اسکولز بہت زیادہ کوشش کی کہ میں وہاں جاؤں مگر یہاں سائنس کرچی تھی، میرے مدرسے والوں کا روز فون آرہا ہے کہ میں وہاں پڑھانے جاؤں، مگر میرا انگلش میڈیم اسکول میں پڑھانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ یہاں پر والدین اپنے بچوں کو دنیاوی اعتبار سے ہر ممکنہ کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے بچے دنیاوی تعلیم میں کسی سے پیچھے نہ رہیں، انگلش میں کا کیریئر بن جائے، اچھی جا بول جائے، انگلش میں بات چیت کرنا آسان ہو جائے، بچے جتنے اچھے انگلش اسکول پڑھے گا، اتنا ہی دنیاوی اعتبار سے اس کا کامیاب ہونا یقینی ہے، مگر مریم میں ان بچوں کو صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ اپنی دنیا کی صرف وقتی بہتری کے لئے اپنی آخرت کو مکمل طور پر تباہ نہ کریں، تمہیں پتہ ہے کہ آج میں نے اپنی کلاس سے پوچھا کیا کیا کرتے ہو کہ ہم دنیا میں کیوں آئے، کسی بچے کو کسی معلوم نہ تھا، میری اس وقت سے کیا کیفیت ہے، میں یہاں نہیں کر سکتی، سودہ نے اپنے آنسو صاف کئے تھے، تمہیں بیان کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، تمہارے آنسو خود بیان کر رہے ہیں، مریم جو سودہ کے رونے سے پریشان ہو گئی تھی، اس کی ساری باتیں نہ کر بہت نرم لہجے میں بولی تھی، یہ یونانی بیڑہ، مریم نے ٹھیک سے جگ اٹھا کر گلاس میں پانی ڈالا اور سودہ کو، جزاک اللہ، سودہ نے پانی لے کر کہا۔  
 مجھے تم سے ایک مشورہ کرنا تھا، سودہ نے پانی کا گلاس رکھتے ہوئے مریم کو مخاطب کیا تھا، ہاں بولو..... مریم اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

در اصل میں نے اپنی کلاس کو کہا تھا کہ ہم لوگ دس، پندرہ منٹ آپس میں بات چیت کریں کہ تو میرا مقصد کیا تھا کہ تو میرا بہن کو اپنی حقیقت سے آگاہ کرواؤں، مریم میں یہ نہیں کہتی کہ ہم مولوی بن کر دنیا سے بالکل ہی گوشہ نشین ہو جائیں، ہر وقت صلیب پر بیٹھیں رہیں،

دنیاوی امور بھی اہم ہیں، ظاہر ہے ان دنیاوی امور میں ہی ہماری آزمائش ہوتی ہے، تو ہم آخرت کے دور جات کی بلندیوں کے مراحل طے کرتے ہیں، وہ دین کے ساتھ دنیا کو چھلانے کے دور دنیا کے ساتھ دین کے ساتھ کھینچنے کے دور دنیاوی معاملات کو دین کے تحت لے کر آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے کو طر کر کیا، کامل نکالا، اگر مریم اٹھ کر پانی نہیں اور اس میں یہ نیت کر لیں کہ یہ اللہ کی نعمت ہے اور پانی کو سنت کے مطابق پیو کر ہم اللہ کا پڑھ کر تین سانس میں پیئیں تو یہ ہماری اگرچہ انسانی ضرورت ہے، مگر اس عمل سے یہ عبادت بن جائے گا نہ اس کا حساب ہوگا نہ گناہ ہوگا، پانی تنقی بڑی نعمت ہے، ہمیں اس کا احساس ہی نہیں ہے، سودہ نے پانی کا جبک دیکھتے ہوئے دکھ سے کہا تھا، میں نے اس اسکول کی تقریباً ہر کلاس کی اسلامیات کی کتاب دیکھی، کسی بھی کلاس کی کوئی بھی ایسی کتاب نہیں کہ بچہ خود دنیا اور دین میں کیا بہتر ہے، اس کا فیصلہ کر سکے، اس کو اپنے وجود کی حقیقت کا علم ہو، حتیٰ کہ ان بچوں کی کلاس میں بھی نہیں، بس میں ان بچوں کو یہی سمجھانا چاہتی ہوں کہ ”اجتماع سنت“ اور ہماری زندگی کا مقصد بن جائے تو ہم دینی اور دنیاوی لحاظ سے کامیاب ہوں گے، چونکہ میں دنیاوی بھی ایک انگلش میڈیم اسکول میں پڑھا تھا، اس لئے مجھے بچہ اعزازہ تھا کہ یہ تصور ہوتا ہے ہونے بھی اچھی بات ہے اس کے متفق ہو رہے ہیں اور اب اسکول میں آکر تو میں حیران ہوں کہ ہمارے مسلمان پاکستانی بچے اردو میں نہیں بول پاتے، والدین اسکول میں کامیابی کے لئے لگے ہوں میں بھی ان سے انگلش میں بات کرتے ہیں، آخر کیا؟؟؟ ہماری داری تو ہی زبان کی تھکھٹو رکھتی ہے، ایسے حالات میں؟؟؟ ہمارے بزرگوں نے اس زبان کی حفاظت کے لئے کتنی قربانیاں دیں، یہ بات ان بچوں کو معلوم نہیں ہوئی، ہمارا پاکستانی ہونے کا فخر و غرور، ہماری اسلامی تہذیب، اتباع رسول

صلی اللہ علیہ وسلم اور ہماری قومی، داری زبان ہے مگر..... میں نہیں کیا کیا بتاؤں مریم، بس انگلش اسکول میں پڑھانے کی وجہ یہی دور ہے، جو مجھے سکون نہیں دیتا، اب تم بتاؤ کیا کیجئے یہ سب نہیں کرنا چاہتے؟ کیا تم میرا سودہ! کوئی؟؟؟ سودہ نے بہت آس سے سر ہمو کر دیکھا۔  
 سودہ! میں تو بالکل نہیں کہوں گی کہ تم ایسا نہ کرو، تمہاری بات سو فیصد درست ہے، ہم تنقی غفلت میں زندگی بسر کر رہے ہیں، یہ ہم خود بھی نہیں جانتے مگر یہ بچے بچپن سے اسی ماحول میں پڑھتے رہے ہیں اور تم جانتی ہو کہ اب اسکول میں 3 سال کا بچہ بھی داخل کر لیا جاتا ہے، یہ بھی مغرب کی ایک چال ہے، تین سال کی عمر کا بچہ عمر کے اس دور میں ہوتا ہے کہ جو دیکھتا ہے، یاد کرتا ہے، دل میں اس کے جو بات اتار دی جاتی ہے، وہ مریم تم تک نہیں نکلتی، سودہ نے مریم کی بات کا ٹکڑے ہوئے اعزاز میں کہا تھا، میں تو بس یہ کہہ رہی ہوں سودہ کہ ان بچوں پر ایک دم اتنا بڑھو، اللہ کا یہ دین سے تحفہ ہو جائیں یا اسکول کی کتابوں کی طرح یہ سب بھی ہو چھہ تمہیں، مریم نے نرمی سے اپنی بات مکمل کی تھی، ویسے سودہ میں بھی اپنی کلاس سے روزانہ پندرہ بیٹھ میں بیٹھتی ہوں، مگر ہمارا موضوع روز مختلف ہوتا ہے، مریم نے ایسے کہا کہ جیسے کسی جرم کا اعتراف کر رہی ہو، سودہ اس کی کیفیت سے بے خبر تھی، اشتیاق سے پوچھا، میں بتاؤ تو دوں گھر شاید بے اچھا نہ لگے، مریم نے کہا، ہر اصل سودہ ہوگا نہ، قلبہ شعرو شاعری، گیمز، یا پھر کوئی بھی کرنت انفر، کسی سیاست دان کی نقل، تھر، ڈانس کی مشہور فلم کے کسی شوٹ پر ایکٹنگ، ہر تفریق کر سودہ کہ ہم بھی مسلمان ہیں، مگر کبھی اس طرف دھیان ہی نہیں کیا، نہ کبھی کسی بات پر روک ٹوک ہوئی، نہ پوچھو پوچھو اصل سودہ بات تمہاری ہی درست ہے کہ آج کی کل کو ہماری کل کی قوم کو جان بوجھ کر ان کے اصل سے بے خبر رکھا جا رہا ہے، کل کو یہ بچہ بھی میری طرح غافل ہی ہوں گے، مریم نے دکھ سے کہا تھا،

دیا، سودہ نے بہت نرم لہجے میں مسکرا کر کہا تھا۔  
(جاری ہے)

## تین باتوں کی قسم

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں تین باتیں قسم اٹھا کر کہتا ہوں، کسی بات کی صداقت کے لئے یہی دلیل کافی تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیضِ برتمان سے یہ بات نکلی ہے، لیکن اس سے بھی اوپر یہ کہ نبی علیہ السلام نے قسم اٹھائی۔ مطلب کہ یہ تین باتیں سو فیصد سچ ہیں، کون کون سی؟

پہلی بات: ..... کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: جو بندہ دوسرے کی غلطی کو ملدہی معاف کر دے گا اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس بندے کو قیامت کے دن عزت عطا فرمائے گا۔ اللہ اکبر! اب یہ بات نبی علیہ السلام نے قسم اٹھا کر کہی ہے تو ہم اگر اسے غصے کو قابو کر لیں تو پھر قیامت کے دن ان کی عزت طلی، کتنے نفع کا سوا ہے۔

دوسری بات: ..... نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے راستے میں صدقہ کرتا ہے، اس صدقہ کرنے سے اس کا مال کم نہیں ہوتا، اللہ ہمیشہ زیادہ فرمایا کرتے ہیں۔ صدقہ سے ہمیشہ بھڑکے مال بڑھتا ہے، یہ نبی علیہ السلام نے قسم اٹھا کر فرمایا، ایسے آپ کوئی بندے نہیں ہے کہ ذی فطرت ہو گئے، کاروبار قلاب ہو گیا، ایسا بندہ نہیں ملے گا کہ جس نے مسجدیں، عوامیں، مدرسے بنا دیں اور ان کے بنانے کی وجہ سے وہ بندہ کنگال ہو گیا، کوئی بندہ ایسا ال نہیں سکتا تو نبی علیہ السلام نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ صدقہ دینے سے انسان کے مال کے اندر کمی نہیں بلکہ اللہ رب اعزت زیادتی فرماتی ہیں۔

تیسری بات: ..... نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جو مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے سامنے افلاس اور غربت کا دروازہ کھول دیا کرتے ہیں۔

انتہائی مختصر..... Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں مل کر تفصیل سے بات کریں گے، برامت ماننا مریم ای پریشان ہوں گی، دیر ہو جانے کی وجہ سے، سودہ نے عاجزی سے کہا تھا، اس میں برامنے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے، میری امی بھی پریشان ہو جاتی ہیں، اچھا جی! السلام علیکم سودہ نے نقاب لگاتے ہوئے سلام کیا، مصافحہ کرنے کے بعد دستانے سپنے اور جانے کے لئے قدم بڑھاتے تو مریم بھی اس کے ساتھ ہی چل پڑی۔

☆☆☆☆

ابھی چھٹی میں آدھا گھنٹہ باقی تھا، مگر ڈیس کو زور سے ہاتھ سے بجا کر سودہ نے پوری کلاس کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا، بات کو پندرہ منٹ میں بھی ہو سکتی تھی، مگر سودہ کو یہی مناسب لگا کہ آج پہلا دن ہے تو بچوں کو مدعا سمجھانے کے لئے بھی وقت درکار تھا، سب بچے..... کلاس

یکدم متوجہ ہو گئی، بائیز آپ سب تشریف لے کر گلاس جو اسکول کے اصول کے مطابق استاد کے متوجہ کرنے پر کھڑی ہو گئی تھی، سودہ نے کلاس کو بیٹھتے ہوئے کہا، انگشٹ اسکول اور اس کے اصول کے مطابق یہاں چھوٹی چھوٹی باتیں انگشٹ میں ہی کرنی چاہی تھیں، مگر وہ کادل بہت نازک تھا، یہاں اگر اپنی ماری تو فی زبان سے اس قدر

دور ہو جانے کے خوف سے کانپتا تھا، ویسے بھی یہ پانچویں کلاس تھی اس اسکول کی سینئر کلاس تھی تو نرسری سے لے کر اب تک یہاں کے ہر اصول کی پاسداری کرتے ہوئے بہت زیادہ بلکہ سودہ کے خیال سے ضرورت سے زیادہ یہ انگشٹ لب و لہجہ ذات چیت سیٹھ تھے، اس کے خیال میں اب تو ہی ادب کی ضرورت تھی اور اتنی جلدی تو وہ نرسری سے لے کر اب تک کے سکھے ہوئے Sitdown کو نہیں بھول سکتے تھے، مگر ساتھ ساتھ اب یہ یاد رکھ سکتے تھے کہ Sitdown کا کیا مطلب ہوتا ہے؟

میں کس نے آپ لوگوں سے پوچھا تھا کہ ہم لوگ

جب تھ دو بار بھی ایسے گناہ کا کام نہ کرنے کا پختہ ہر کردار گویا اللہ پاک جنہیں تک کام کی توفیق دیں گے، پتہ ہے کہ انسان جس کام کی جستجو کرتا ہے، اللہ پاک اسی کے راستے بناتے ہیں، اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ اللہ پاک نے ہدایت اور گمراہی کے راستوں کی وضاحت فرمادی ہے، اب انسان دونوں میں جس کا انتخاب کرے گا وہ خود اس کا ذمہ دار ہو گا۔ سودہ کی باتوں سے مریم کو ڈھارس ہوئی تو بہت عزم سے بولی کہ ان شاء اللہ انکس سے میں بھی اپنی کلاس سے با مقصد بات کروں گی، جس سے کم از کم میرے دل کو یہ تسلی ہو سکی کہ میں ان بچوں کی آخرت پر بار کرنے کی حد اور نہیں ہوں، مریم نے سودہ کا ہاتھ پکڑ کر گلوگیر لہجے میں کہا تھا، ان شاء اللہ سودہ نے بھی مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوسرا ہاتھ بھی اس کے ہاتھ پر رکھ کر بہت یقین سے اس کو کمالیاتی کا یقین دلایا تھا۔

میرا خیال ہے سودہ! کہ ہم دونوں آپس میں لپکھ ڈسکر کر کے ایک ہی بات اپنی اپنی کلاس میں کریں، اس سے ہمیں ایک وقت میں زیادہ بچوں کے ذہنوں کا تبادلہ کرنے کا موقع ملے گا اور ایک دوسرے کا تعاون بھی رہے گا اور مزید یہ یاد رکھیں کہ ہر ایک کے وقت

جب بیٹے آپس میں ملیں گے تو تمہاری اور میری کلاس کے پاس ایک ہی موضوع ہو گا، جس سے ان کے تعلقات بھی اچھے ہوں گے اور ایک ہی موضوع پر بات بھی مل کر سکیں گے، مریم نے اپنی رائے کا اظہار کیا، سودہ کو دل خوش ہوئی، اس سے پہلے کہ کچھ بولتی کہ مریم نے کہا کہ اس سے مجھے بھی یہ فائدہ ہو گا کہ علم ہوا اور میرے پاس ایسا مدلل علم بھی نہیں ہے تم سے ڈسکر ہوا کرے گی تو یقیناً میرا حوصلہ بھی بلند ہوا کرے گا، مریم ایسی تو کوئی بات نہیں کہ تمہارے پاس علم نہیں، ہاں تمہاری ہمت و حوصلے والی بات مجھے پسند آتی ہے، ایک سے بھلے دیر، میرا بھی حوصلہ بڑھتا رہے گا، اب تو ہم دونوں بہت دیر کر چکے ہیں، کل ان شاء اللہ ہر ایک ناظم

سودہ کی باتوں نے اس پر خاطر خواہ اثر کیا تھا، کوئی بھی انسان ایک دم ہی نہیں بدل جاتا ہے، انسانی فطرت کے بھی کچھ اصول ہیں، ہر معاملے کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں، جن کا لحاظ کر کے چلنا ہوتا ہے سودہ نے مریم کی بات سن کر راسنیت سے اس کو سمجھایا تھا، مگر سودہ تم خود ہی بتاؤ کہ میرا کیا قصور تھا کہ میرے والدین نے میری دنیا کو بہتر بنانے کے لئے مجھے میری آخرت سے غافل کر دیا، جی! میں بھی ان بچوں کی طرح نہیں جانتی کہ ہم دنیا میں کیوں آئے؟ مریم کی آواز بھر آئی، یہ بیچے تو خوش قسمت ہیں سودہ کو ان کو تمہارا جیسے اور کوئی درد مند لایا ہے، گرنہ یہ بھی میری طرح اپنی زندگی کے 20-25 سال ضائع کرتے، مریم اتنا یوں سے ہوا اور اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے، اللہ پاک جس سے کام لینا چاہتے ہیں، لیتے ہیں، اگر تمہارے دل میں بھی مطلب ہے تو ان شاء اللہ تم سے بھی لیں گے، کیونکہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ ”ہم ہدایت اسی کو دیتے ہیں جو طلب رکھتا ہے“، پس لیں کا وقت ہے، استطاعت کا وقت ہے، شکر کے گناہ اور اللہ پاک ہر گناہ معاف فرمادیتے ہیں اگر ان انسان شکر سے بھی سچی توبہ کر لے تو اس سے بھی سچی زندگی کا کوئی حساب نہیں اور ہم تو مسلمان ہیں، ہمارے ہی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ ”اے میرے وہ بندے! جنہوں نے حد سے زیادہ اپنی جانوں پر ظلم کیا، نہ پاویں ہوں میری رحمت سے، بے شک کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“ سچی توبہ سے سب کچھ معاف ہو جاتا ہے، مگر شرط یہی ہے کہ دوبارہ وہ گناہ کرنے کی نیت نہ ہو۔ سودہ نے نرسری سے مریم کے ہاتھ پر دو ڈال کر اس کو تسلی دی۔ مریم اس وقت بہت حساس کیفیت کے زیرِ اثر تھی، سودہ کے کئی آمیز انداز پر اسی کے کندھے پر سر رکھ کر رو پڑی، کچھ دیر سودہ نے اس کو روئے دیا، مریم آج گھر جا کر عشاء کی نماز کے بعد دو غلطی توبہ کر پڑنا تمہارے دل کو تسلی ہوگی اور اللہ پاک اپنے بندوں پر بہت مہربان ہیں، ان شاء اللہ





# مجھے اک حسن انسانیت کا ذکر کرنا ہے

مجھے رنگ عقیدت فکر کے خاکے میں بھرنا ہے

حمیرا سیاح

جب شعور فکر پر تاریکیوں کا راج تھا  
اک ہستی شمع کی مانند نور افشاں ہوئی  
مطلع کیتی پر ابھری بن کے خورشید سکون  
قاصد خبرو سفیر رحمت یزداں ہوئی  
ارض نقشہ کام پر برسا صاحب نور حق  
اس زمین کو اک انعام حسین بخشا گیا  
بول! اے دلدادہ و شیدائی تہذیب نو  
مخواب عیش ہے چشم بعسیرت کس لئے؟  
ہے اگر دھوی عرفان تو بتا ام الکلب  
طاق نساں کی بنا رکھی ہے زینت کس لئے  
چھوڑ دے یا تو تضاد قول فقل اے ہم نفس  
یا نہ کر دھوی جب سرور ملے و مکاں  
اے عقیدت کیش! اودھ میراث تو من کیا ہوئی  
کھوٹکی ہے جو ہر تاثیر کیوں تیری زباں  
ہے علاج خاطر ناشاد کی خواہش اگر  
بے قراری کا اگر تجھ کو عداو چاہئے  
سرور کو تین کی اتباع کو اپنا لئے اے انسان  
ہاں اگر تیرے سینے کو کنارہ چاہئے  
چودہ سو برس سے زیادہ زمانہ تو گرا کہ رب العالمین

نہ ظلمت کدہ عالم کو نور بخشے والا وہ پیغمبر بھیجا جن کے  
ہاتھ میں سیادت رسل کا علم اور سر پر شامیت انبیاء کا تاج  
تھا، اللہ تعالیٰ جلال نے اپنے پیغمبر کو ایسی شریعت کاملہ عطا  
فرمائی ہے کہ اس کے بعد قیامت تک نوع انسانی کے  
لئے کسی مذہبی قانون اور نئی شریعت کی ضرورت پیش نہیں  
آئے گی، تاریخ عالم میں اگر کوئی ایسی ہستی تلاش کی  
جائے جن کی پوری زندگی پورے امتداد کے ساتھ محفوظ ہو،  
جن کی سیرت، انسانی سماج کے ہر فرد کے لئے رہنمائی  
رکھتی ہو، جن کی حیات طیبہ کو ہر شعبہ زندگی کے لئے  
آئینہ مل کے طور پر پیش کیا جاسکے، ایسی ہستی جس میں  
جامعیت، کاسلیت، تاریخت، اپنے پورے جمال و  
جلال کے ساتھ جلوہ گر ہو تو ہزار ہا برس کی طویل انسانی  
تاریخ میں صرف ایک ہستی ایسی ملے گی اور وہ بھی فقر  
کا نکتہ، السید الانبیاء عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی جن کے  
مضائق تو آپ سے پہلے کوئی ہستی عالم وجود میں آئی اور نہ  
آئندہ ایسی جامعیت، کاسلیت، تاریخت کسی انسانی  
وجود کو نصیب ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف  
آوردی سے پہلے سارا عالم فقر و شرک کے لدل میں پھنسا  
ہوا تھا، آپ تشریف لائے تو سوں کو چنگا ہی حق کی طرف

بلایا، بھلے، برے کی پہچان کروائی، اس وقت سے لے کر  
آج تک کروڑوں انسان و جنات جنت کے مستحق  
ہو چکے ہیں۔  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک انسان کی عظیم  
ترین سعادت ہے، اس روئے زمین پر کسی بھی ہستی کا  
تذکرہ اتنا باعث اجر و ثواب اور اتنا باعث خیر و برکت  
نہیں ہو سکتا، جتنا سرور کا نکتہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ  
وسلم کا تذکرہ ہو سکتا ہے، لیکن تذکرے کے ساتھ ہم نے  
بہت سی ایسی غلط باتیں شروع کی ہیں جن کی وجہ سے ذکر  
مبارک کا صحیح فائدہ اور صحیح شرعہ حاصل نہیں ہو رہا، ان  
غلطیوں میں سے ایک غلطی یہ ہے کہ ہم نے سرکارِ دو عالم  
صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک صرف ایک مہینہ ربیع الاول  
ہی کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور اب تو یہ روایت ہی بن گئی  
ہے کہ ہم نے ماہِ ربیع الاول کو ہی ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ  
وسلم کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اور ربیع الاول کے بھی  
صرف ایک دن اور ایک دن میں بھی صرف چند گھنٹہ ہی  
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر کے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم  
نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کر دیا ہے، یہ حضور  
صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ساتھ تائیدِ ظلم ہے کہ  
اس سے بڑا اور سیرت طیبہ کے ساتھ کوئی اور نہیں ہو سکتا،  
مالا نکہ اگر انسان کا دل ایمان سے لبریز ہو، اس کے سینے  
میں جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عذبات موجزن ہو،  
اس کی زندگی اتباع سنت سے مالا مال ہو اور وہ حرمت  
صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا حق من، وقوف، امانت کے  
لئے تیار ہو تو اس کی زندگی کا ہر دن ہر لمحہ ربیع الاول ہے۔  
صحابہ کرام و ایسے صحابہ کرام انہیں سے بلکہ انہوں  
نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی چھوٹی سنتوں  
اور باتوں پر جان دی، دیکھئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ  
عنہ نے ایک مرتبہ مسجد نبوی سے بہت دور مکان لے لیا  
تھا، وہاں رہنے لگے تھے اور دوری کی وجہ سے وہاں سے  
روزانہ مسجد نبوی میں حاضری دینا مشکل تھا، چنانچہ ان

کے قریب ایک صحابی رہتے تھے، ان سے یہ سطر لکھا تھا  
کہ ایک دن تم مسجد نبوی چلے جایا کرو گے اور ایک دن  
میں جایا کروں گا، جس دن تم جاؤ، اس دن وہاں  
آکر تجھے یہ بتانا کہ جن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے  
کیا کیا باتیں ارشاد فرمائیں اور جب میں جایا کروں گا تو  
میں وہاں آکر تمہیں بتانا کروں گا کہ حضور کا نکتہ صلی  
اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا، تاکہ ہر کارِ دو عالم صلی اللہ  
علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئی کوئی بات چھوٹنے  
نہ پائے۔ سبحان اللہ! عقیدت و تواتر ایسی ایک اور اور آتا ہے کہ  
آتا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی  
میں خلیفہ دے رہے تھے، خلیفہ کے دوران آپ نے  
دیکھا کہ کچھ لوگ کناروں پر کھڑے ہیں، آپ نے  
کناروں پر کھڑے ہونے لوگوں سے خطاب کرتے  
ہوئے فرمایا کہ "بیٹھے جاؤ"، جس وقت آپ نے یہ حکم دیا،  
اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ باہر  
سرک پر تھے اور مسجد نبوی کی طرف آرہے تھے، ابھی  
مسجد میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ اس وقت ان کے کان  
میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نی کی کہ "بیٹھے  
جاؤ"، آپ رضی اللہ عنہ وہیں سرک پر بیٹھ گئے، خلیفہ  
کے بعد جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات  
ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے بیٹھے کا حکم ان لوگوں  
کو دیا تھا جو یہاں مسجد کے کناروں پر کھڑے ہوئے  
تھے، لیکن تم تو سرک پر تھے اور سرک پر بیٹھے تو میں نے  
نہیں کہا تھا، تم یہاں کیوں بیٹھ گئے؟  
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب  
دیا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک  
کان میں پر گیا کہ "بیٹھے جاؤ" تو پھر عبداللہ بن مسعود  
مجال نشیں ٹھہر کر وہ ایک قدم آگے بڑھا۔  
صحابہ کرام کی اتباع کا یہ حال تھا، شوق و محبت کے  
دوے دار تو بہت ہیں، لیکن کوئی ان صحابہ کرام میں یہاں شوق تو  
لے کر آئے، یہ حال میں سنت کی پیروی کرنے والے

تھے، کسی بھی حال میں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نہیں چھوڑتے تھے۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، فاتح ایران، جب ایران میں سرکری پر حملہ کیا تو اس نے مذاکرات کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دربار میں بلایا، وہاں آپ تحریف لگئے، جب وہاں پہنچتے تو اس کے طور پر پہلے ان کے سامنے کھانا لاکر رکھا گیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا شروع کیا، کھانے کے دوران آپ کے ہاتھ سے ایک نوالہ نیچے گر گیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اگر نوالہ نیچے جائے تو اس کو سناخ نہ کرو کہ وہ کسی اللہ کا رزق ہے اور یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے کون سے حصہ میں برکت رکھی ہے، اس لئے کسی نوالہ کی نافرمانی نہ کرو، بلکہ اس کو اٹھاؤ، اگر اس کے اوپر کچھ نمی لگی ہے تو اس کو صاف کرو، پھر کھاؤ، چنانچہ جب نوالہ نیچے گرا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث یاد کی اور آپ نے اس نوالہ کو اٹھانے کے لئے نیچے ہاتھ بڑھا دیا، آپ کے برابر ایک صاحب بیٹھے تھے، انہوں نے آپ کو بھی یاد کرنا اشارہ کیا کہ یہ کیا کر رہے ہو، تو نوالہ کی سپہ پادرسر کی یاد دلا رہے، اگر تم اس دربار میں زمین پر گراؤ تو نوالہ اٹھا کر کھاؤ گے ان لوگوں کے ذہن میں تمہاری وقعت نہیں رہے گی اور یہ تمہیں گم رہے کہ یہ بڑے غیہہ قسم کے لوگ ہیں، اس لئے یہ نوالہ اٹھا کر کھانے کا موقع نہیں ہے، آج اس کو چھوڑ دو، جواب میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ایسا عجیب جملہ ارشاد فرمایا جس کے لفظ لفظ سے اتباع سنت سے محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

فرمایا: ”کیا میں ان اچھوتوں کی وجہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دوں، چاہے یہ اچھا سمجھیں یا برا سمجھیں، عزت کرنی یا ذلت کرنی یا مذاق اڑائیں، لیکن میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔“

اب بتائیے کہ انہوں نے اپنی عزت کرائی یا آج ہم

منتیں چھوڑ کر کروا رہے ہیں؟ عزت انہوں نے ہی کرائی، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اتباع میں، آپ کی سنتوں کی تقلید میں، ان حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دنیا بھر میں اپنا نواہی اودار انجام دیا، یہ خوف مسلط ہے کہ اگر فلاں سنت پر عمل کر لیا تو لوگ کیا کہیں گے، اگر فلاں سنت پر عمل کر لیا تو دنیا والے نہ مذاق اڑائیں گے، فلاں مذاق اڑائے گا، فلاں دوست اڑائیں گے، فلاں گاس کا نتیجہ یہ ہے کہ ساری دنیا آج ذلیل ہو رہی ہے، آج دنیا میں جتنے مسلمان ہیں، اتنے مسلمان پہلے بھی نہیں ہوئے، آج مسلمان کے پاس جتنے وسائل ہیں، اتنے وسائل پہلے بھی نہیں ہوئے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ تمہاری تعداد تو بہت ہوگی، لیکن تم ایسے ہو جیسے سلاب میں بہتے ہوئے نکلے ہوئے ہیں، جن کا اپنا کوئی تکیہ نہیں ہوتا، آج ہمارا یہی حال ہے، اپنے دشمنوں کو راضی کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہے، اپنے اخلاق چھوڑے، اپنے اعمال چھوڑے، اپنی سیرتیں چھوڑیں، اپنے کردار چھوڑے، اپنی صورت تک بدل ڈالی، سر سے پاؤں تک ان کی نقل انارکری دکھا دی کہ ہم تمہارے غلام ہیں، لیکن وہ پھر بھی خوش نہیں ہیں، روزانہ نت نئے مطالبات کرتے ہیں، لہذا ایسا مسلمان جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑے گا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا چھوڑ دے گا، تو یار رکھے! اس کے لئے ذلت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایک شاعر گز رہے ہیں اس حد ملانی مرحوم، انہوں نے بڑے اچھے کیمانیہ شعر کہے ہیں یہ فرماتے ہیں:

کسی کا آستانہ اونچا ہے اتنا  
کہ سر جھک کر بھی اونچا ہی رہے گا  
منے جانے سے جب تک تم ڈرو گے  
زمانہ تم پر ہنستا ہی رہے گا  
اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عے عاشق ہو

صرف ریشہ الاول میں ہی نہیں بلکہ وقت و قما میں تقریب کر لیں جس میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ذکر ہو، لیکن اس میں کوئی غیر شرعی کام نہ ہو، مثلاً بے پردگی نہ ہو، شرک نہ ہو، عفت نہ ہو، ساز و سر کا کوئی نکتہ نہ ہو، انمول خرچی نہ ہو، ایذا و رسانی نہ ہو، اگر عورتیں آپ کو پارے شرعی پر دے میں آئیں ان کی آواز نہ بگلیں اور جو بیان میں ان پر عمل پیرا ہوں، یہ نہیں کہیں کہ میں لفظوں میں بیان ہو کہ میں جنت میں ہے، محبت ہے، اگر بہت سے تو ان کی پیروی کرو اور دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کیسے بسر ہوئی، ان کے نمونہ کو دیکھو ان کے نقش قدم پر چلو، اگر تم چاہو، یہ تو بڑا دیکھو فاطمہ کے باپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے تھے؟ اگر تم شوہر ہو تو دیکھو حضرت عائشہؓ کی کرتے تھے؟ اگر تم حاکم ہو تو دیکھو مدینہ کے حاکم کی صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے تھے؟ کس طرح انہوں نے حکومت کی؟ اگر تم مزدور ہو تو دیکھو کہ کی پہاڑیوں پر بکریاں چرانے والے مزدور صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے تھے؟ اگر تم تاجر ہو تو دیکھو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام تجارت میں کیا طریق اختیار فرمایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت بھی کی، زراعت بھی کی، مزدوری بھی کی، سیاست بھی کی، معیشت بھی کی، زندگی کا کوئی شعبہ نہیں چھوڑا جس میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نمونہ کے طور پر موجود نہ ہو، تم اس نمونہ کو دیکھو ان کی پیروی کرو، ایسی مفقود کے لئے یہی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا۔ آئیے اس بات کا عزم کریں کہ ہر معاملہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں گے اور کسی حال میں منت جوئی کو ترک نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ امت کے حال پر رحم فرمائے۔ آمین  
میری قسمت سے الٹی پائیں یہ رنگ قبول  
پھول کچھ میں نے پنے ہیں ان کے دامن کیلئے

☆.....☆.....☆

## قرآن مجید میں.....!

☆.....قرآن مجید میں سب سے بڑی سورت سورۃ البقرہ ہے۔☆.....قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ ہے۔☆.....قرآن مجید کی سب سے چھوٹی آیت پارہ نمبر ۲۹ سورۃ مدثر کی آیت نمبر ۳۱ ہے۔☆.....قرآن مجید کا سب سے چھوٹا کون سورۃ الکافرہ پارہ نمبر ۳۳ ہے۔☆.....قرآن مجید میں سب سے زیادہ آنے والی آیت سورۃ الرحمن کی ہے سورۃ مرتبہ آتی ہے۔ (بحوالہ القرآن آن تحفہ العصفیان)

## دس قسم کے لوگ بڑے ظالم ہیں

حضرت عثمان ثوری رضی اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دس قسم کے افراد بڑے ظالم ہیں۔  
(۱) جو اپنے لئے دعا کرتے ہیں والدین کے لئے دعا کرتے۔ (۲) جو قرآن پڑھتا ہے لیکن روزانہ آیات بھی پوری نہ کرتا۔ (۳) کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا اور بغیر احتیاج کے مسجد میں داخل ہو کر وہ وقت نہ (۴) کوئی شخص جو قبرستان سے گزرتے نہ اس پر سلام کرے اور نہ (۵) کوئی شخص جو جمعہ کے دن شہر میں یا قبرستان پر جمعہ کے دن چلا گیا) اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ باتوں میں جو حد نہیں، روزانہ پڑھتا نہ ہوتا، (۶) وہ شخص جو ایسے محلے میں بیٹھے جہاں کوئی عالم رہتا ہو اور یہ بغیر کچھ علم حاصل کے وہاں آجاتے۔ (۷) وہ شخص جنہوں نے اپنے منہ سے کراہی، لیکن ایک دوسرے کا نام تک نہیں پوچھا۔ (۸) وہ شخص کہ اس کو انیشت میں بلایا گیا ہو اور وہ ضایعت قبول نہ کرے۔ (۹) وہ جو اس جس کے پاس فارغ وقت تھا اس نے علم دین حاصل نہیں کیا۔ (۱۰) وہ شخص جو خودیہ ہو کر سوا یکن اس کا بڑی جھوٹا کوسا یاں کو پھینک دیا۔ (انتخاب..... بہت حافظ حق و قرین، کراچی)



# والدین کے حقوق

## قرآن و احادیث کی نظر میں



سیدہ اقراء صدیقہ

والدین کے حقوق کی ادائیگی ایک ایسا فرض ہے جو تمام امت مسلمہ پر لازم ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کہتا ہے:

”تم میرے رب نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو کھینچ جائیں تو تم ان کو ان بھی مت کہو اور ان پر خفا نہ ہو اور ان کو نہ جھڑکو، اور ان سے ادب و عزت اور نرم لہجے میں بات کرو اور ان کے لئے اطاعت کا بازو محبت سے بچھا دو اور کوہو اسے پروردگار، ان کی کمزوری میں ان پر ایسا ہی رحم فرما جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں مجھے مہربانی سے (سورۃ بنی اسرائیل)

اس وقت معاشرہ جن برائیوں اور خرابیوں میں مبتلا ہے، ہر شخص اس کے مضمر اثرات سے پریشان ہے، ہر شخص پرانے فتنوں کی بات کر کے ان کے حسان اور ان لوگوں کو یاد کر کے خون کے آنسو بہاتا ہے اور آرزو کرتا ہے کہ کاش پرانے لوگوں کو وہ اخلاق اور حسن معاشرت پھر سے لوٹ آئے اور موجودہ معاشرہ اپنی خویوں اور محاسن سے آراستہ ویرانہ نہ ہو جائے، اگر بشر خاند دیکھا جائے تو

معاشرے کی بے راہ روی خود پیدا نہیں ہوئی بلکہ اس میں معاشرے کا ابتلا غل غل ہے، اگر مسلمان اپنے بچوں اور بچوں کو اس تعلیم و تربیت سے آراستہ کریں جو ہمارے بڑوں نے اپنی اولاد کو اپنی حق و نفیقا آج بھی ان تمام امراض کا میں وہ برائیاں جڑ نہ پھڑیں، جنہوں نے آج ہمیں پریشان کر رکھا ہے۔ میرے خیال میں آج بھی ان تمام امراض کا علاج موجود ہے بشرطیکہ مصلح طور پر قرآن و سنت کے دارالشفاء کی طرف واپس چلی جائے۔ اگر کسی بات پر بحث کی جائے تو قرآن و دارالشفاء میں آج بھی وہ دوا موجود ہے جو تمام برائیوں کو جڑ سے اکھیر سکتی ہے۔ قرآن و حدیث کا مطالعہ بچوں کو خدا اور رسول کی اطاعت و پیروی کے بعد والدین کی عزت و احترام کی بہت سختی سے تاکید کرتا ہے۔

(۱).....خدا کی ذات کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

(۲).....ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔

(۳).....اگر ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے

کو کھینچ جائیں تو آف بھی نہ کیو۔

(۴).....اور نہ جھڑکوان دونوں کو۔

(۵).....اور ان کے لئے اطاعت کا بازو محبت سے بچا دو۔

(۶).....اور کہہ دو اے پروردگار! تو ان دونوں پر

ازم فرما، جیسے انہوں نے مجھے بچپن میں پالا اور پوسا ہے۔

آداب والدین:.....پہلی بات یہ کہ والدین سے

احسان کرو، یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے

یہاں اپنے بیوی، بچوں کے لئے اچھی خوراک و پوشاک

کا اہتمام کرو، وہیں والدین کے لئے بھی اسی طرح کا

اہتمام کرو، سفر و حضر میں، رہن بہن میں، کھانے پینے

میں، علاج معالجے میں، تہذیب و تمدن میں، غرضیکہ ہر

شعبہ زندگی میں اپنی پسند اور آرائش پر والدین کی پسند اور

نوٹی تو کر دیں، انہیں ہر سال میں خوش رکھیں۔

دوسری بات یہ کہ والدین کے بڑھاپے میں انہیں

اُفت تک نہ کیو، کیونکہ والدین کا بڑھاپا اولاد کی جوانی کا

دوہن اور اس کی آکڑی ہوتی گردن اس وقت کی کو کام

میں نہیں لاتی قرآن مجید نے اس کو ذلیل جوان کو مخاطب

کر کے فرمایا ہے کہ کسی تجھ پر بھی یہ وقت آسکتا ہے اور

والدین سے تیری یہ ترش روی تجھے بھی اس مقام پر

پہنچانے والی ہے، اگر تو اپنی اولاد سے احترام کروانا اور

ان کی ذلت نہ چاہے، بچتا چاہتا ہے تو اپنے والدین کو

الہ بھی یہ یاد دلاؤ، کیونکہ بڑھاپے میں ان کا چرچا پن اور

نوت برداشت کی کمی اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ تم

لے اپنی اولاد کو جو تعلیم، عزت، دولت اور جوانی دی ہے،

اس کا ہمیں بہتر صلہ ملنا چاہیے، اگر والدین کے سامنے

ہمیں خست، ست بھی کہو یا ہم انہیں آف کوہ نہ دینا اور

اواز سے بولو، کیونکہ انہوں نے اپنی جوانی کی مہاریں لانا

کر نہیں پالا پوسا، اسی لئے قرآن نے اولاد کو اس

طریقہ کو یاد دلا دیا ہے۔

تیسری بات اولاد کو اس تہذیب سے روکا گیا ہے، جب

وہ عالم عقوان شباب سستی میں والدین سے روار کھتی ہے

کیونکہ اولاد کی مرضی کے خلاف کی گئی والدین کی معمولی

بات پر یہ آکڑی گردن اور لے فرزندہ والدین کو وہ

جلی گئی سناتے ہیں کہ الامان و احتفظ، دینا جہان کی

مغفلانہ بات ہے، ہودہ کو اس اور قلب و جگر کو لاد دینے والی

گفتگو کے سامنے والدین بے بسی کی تصویریں بن

جاتے ہیں کہ ان کا وجود مر یا اہتمام اور بے روح نظر آتا

ہے اور ٹوٹے ہوئے دلوں سے بے ساختہ یہ بکا آتی

ہے کہ اے اللہ اس رسوائی کی زندگی سے بہتر ہے کہ مجھے

موت دے دے۔ بوڑھے والدین کو اولاد کی ذلت

ڈپٹ سے روکنے کے لئے قرآن نے اس دفعہ کو نذ کیا

کہ والدین کے ساتھ بدبیزاری، زبان درازی، ذلت

ڈپٹ اور جھڑنا وغیرہ، ان کے دل کو توڑ کر کہیں عرش

عظیم کو ہلا کر نہ رکھ دے اور تمہارے تمام غرور و خاک میں

مل جائیں اور ہر دروازے سے تم پر ملت ملا

ہونے لگے اور تم مارے مارے پھرو اسی لئے خبردار

کیا کہ والدین کو جھڑنا نہیں۔

چوتھی بات یہ کہ والدین سے عزت، احترام اور

ادب بے گفتگو کرنا اس چوتھی دفعہ میں ادب کو ٹوڑ رکھنے

کا حکم دیا گیا ہے، کیس کی تیرہ بات والدین کے دلوں کو

ڈنسی نہ کر دے، ان سے اعلیٰ گفتگو، مذہب، باخلاق اور

شیریں ہونا چاہئے جیسا کہ حضرت ابراہیم نے قرآن

میں مجید میں بڑھاپے کے مالک کو اپنے میرے پیارے

ابا جان، کہہ کر مخاطب کیا۔

پانچویں بات یہ کہ ان کے لئے اطاعت کا بازو

محبت سے پھیلا دے، یعنی ان کے احکامات کے سامنے

سراجمت و اطاعت بن جائے، ان کے لئے تیرا عمل خوشی

باعث بن جائے اور تیرے کسی عمل سے ان کو دکھ اور

تکلیف نہ پہنچے۔

چھٹی بات یہ کہ والدین کے لئے دعا کرتے رہنا،

اولاد کے حقوق و فرائض کی اس دفعہ میں قرآن مجید اس

## عظیم شخصیات کے عظیم اقوال

(۱)..... تم میں سے کوئی بھی کسی مسلمان کو تہیہ نہ سمجھے، کیونکہ حقیر مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت معزز ہوتا ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۲)..... شریف آدمی علم کی دولت حاصل کر کے متواضع ہوجاتا ہے اور شرع علم حاصل کر کے متکبر ہو جاتا ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۳)..... آسو بہا اس دن پر جو تیری زندگی سے زور کیا اور اس میں کوئی نیکی نہیں ہوئی۔

(۴)..... علم بغیر عمل کے بیکار سا ہے اور عمل بغیر علم کے بیمار سا ہے۔

(۵)..... جس پر بصیحت اثر نہ کرے، اسے کچھ لینا چاہئے کہ اس کا دل ایمان سے خالی ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۶)..... وہ لوگ بہت نہیں جو آخرت کے لئے دنیا کو چھوڑ دیتے ہیں، بہتر تو وہ ہیں جو دنیا اور آخرت دونوں کو حاصل کرتے ہیں۔ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

## چھ چیزیں

دنیا میں اگر چھ چیزیں تمہارے پاس ہوں تو تمہیں کسی نقصان نہیں ہوگا۔

(۱)..... مال کی دعا

(۲)..... اچھی زبان

(۳)..... اچھا دوست

(۴)..... امانت داری

(۵)..... خوش اخلاقی

(۶)..... رزق حلال

(انتخاب..... بیمار جمیل شہزاد)

کے حق اطاعت ادا کرنے میں خدا کا فرمانبردار ہوتا ہے، اس کے لئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اگر والدین میں سے ایک زندہ ہو تو ایک دروازہ کھلتا ہے اور جو شخص والدین کے حق میں خدا کا فرمانبردار ہوتا ہے تو اس کے لئے دوزخ کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں گلا کو والدین کے حقوق ادا کرنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، وہیں پر اولاد کو والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی بھی ترغیب دی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے ”اے خدا جس طرح انہوں نے مجھے پچپن میں پالا ہے اور میرے حال پر رحم کرتے رہے تو مجھی اسی طرح ان پر رحم فرما۔“ اسی طرح ابراہیمؑ کی دعا بطور مضمون پیش کی جاتی ہے جب انہوں نے دعا کرتے وقت یہ کہا ”اے ہمارے پروردگار! جس دن اعمال کا حساب ہونے لگے، مجھ کو اور میرے ماں باپ اور جو شخص ایمان لایا اس کو بخش دیجئے۔“ اسی طرح نورؑ نے بھی قوم کی طرف سے ناپاکی ہونے کے بعد یہ دعا کی ”اے میرے پروردگار! مجھ کو اور میرے ماں باپ اور جو شخص ایمان لاکر میرے گھر پہنچا لیتے آیا، اس کو اور عام ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بخش دے اور ایسا کر کہ ان خالوں کی تنہائی روز بروز بڑھتی چلی جائے۔“

ان صفحات میں قرآن وحدیث کی روشنی میں والدین سے حقوق پورا پورا رکھنے کی ہے، امید ہے کہ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد ہر مسلمان والدین کو ان کا کسی مقام اور حقیقی منصب عطا کریں گے اور کوئی دقیقہ والدین کی خدمت سے فرو گذر نہ کریں گے، والدین کی حقیقی سسر تہیں ہی خدا اور رسولؐ کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہوں گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو خدا اور رسولؐ کی مرضیات کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے آمین آمین

☆.....☆.....☆

اس سے ماں کی رقت وعظمت کا پتہ چلتا ہے۔ بچے کے لئے ماں کی گود ہی پہلا مدرسہ ہوتا ہے جہاں سے عالم اور عابد بنتا ہے۔

ماں باجرا ہو تو بچہ اسٹائل پیدا ہوتا ہے ماں مربع ہو تو بچہ صیغی پیدا ہوتا ہے ماں آمنت ہو تو بچہ محمدؐ پیدا ہوتا ہے ماں فاجر ہو تو بچہ حسینؑ پیدا ہوتا ہے یہی نہیں جن کی گود میں اسلام پلٹا تھا انہی مودوں میں انسان نور کے سانچے میں وحلتا تھا والدین کا ادب بحال دیکھ کر روشنی میں:..... احادیث جن میں مراد دوعالم نے کچھ ارشادات فرمائے ہیں:

(۱)..... خدا نے ماں کی نافرمانی تو ہر آدمی سے ہے۔ (۲)..... تین قسم کے لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ دیوت، ماں باپ کا نافرمان، مردوں کی مشابہت کرنے والے عورت۔

ان ارشادات نبویؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی نافرمانی کچھ بڑا گناہ بنتی ہے اس لئے ہمیں ہر حال میں والدین کو خوش رکھنا چاہئے اور جنت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

والدین کے فرمانبردار کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی سنئے جائے:

”خدا کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے اور خدا کا ناراضگی باپ کا ناراضگی میں ہے۔“

پوچھا گیا: یا رسول اللہ! ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے۔ فرمایا: تیری جنت دوزخ وہی ہیں، یعنی جنت دوزخ کا سبب والدین کی خوشی اور ناراضگی کی فکر کروایا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والا فرزند جب کویت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو خدا اس کے لئے ہر روز دیکھنے کے بدلے میں ایک حج قبول کا ثواب لکھتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص والد

بات پر زور دے رہا ہے کہ اگر تمہارے والدین دارقانی کو کچھ کر گئے ہیں تو ان کے لئے مغفرت اور زندہ ہیں تو حسن خیر کی دعا کرتے رہنا، بعد از مرگ ان کے لئے ایصال وثواب اور صدقات جاریہ کا اہتمام کرتے رہیں تاکہ ان کی قبر روشن ہو اور آخرت میں سکون اور چین نصیب ہو۔

کمال دینی صغیرا:..... قرآن حکیم کی اس تحریر نے عجیب سی ماں باپ بندہ دے اس میں اولاد کو اس کا بچپن یاد دلایا گیا ہے کہ دیکھ، تو پڑے کا پورا والدین کا مہربان منت ہے، وہ اس طرح کہ تمہیں بیوقوف لگتی تھی تو رحم والدین کو آتا تھا، تمہیں پچپن لگتی تھی تو رحم والدین کو آتا تھا، تمہیں سردی و گرمی لگتی تھی تو رحم والدین کو آتا تھا، تمہیں بیماری لاحق ہوتی تھی تو رحم والدین کو آتا تھا، اور اب تمہیں والدین کے بڑھاپے کے وقت رحم و شفقت کا دریا اختیار کرنا چاہئے، کیونکہ والدین تمہارے حسن ہیں اور والدین تمہاری تربیت کے لئے شب و روز زندگی کا قیمتی حصہ صرف کر چکے ہیں، خداوند قدوس سے دعا کرنی چاہئے کہ اے اللہ! جس طرح انہوں نے پچپن میں ہماری پرورش کی، ہم اس کا صلہ پیش دے سکتے، اب آپ نے اپنی ذات کریمہ سے ان پر رحمت و شفقت کا دروازہ کھول دیں، کو بٹایا گیا ہے کہ انسان تو اپنے والدین کی خدمت کا حقیقی صلیبیں ادا کر سکتا، بہتر ہے کہ تو اسے اپنے خدا کے پروردگار سے، تاکہ وہ اپنی رحمت کے خزانوں کو تیرے والدین پر بٹا کر دے۔ سبحان اللہ

آپ کا رضایاں ماں کا ادب:..... حضرت حلیمہ سعدیہؓ حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپؐ نے اپنی چادر انکریں حلیمہ سعدیہؓ سے قدموں تلے بچھائی، صحابہ کرامؓ حیران ہوئے کہ یہ سعادت مند خاتون کون ہیں کہ جس کے پاؤں تلے نبیؐ نے اپنی چادر بچھادی، آپؐ نے فرمایا، یہ حلیمہ سعدیہؓ ہیں۔ یہ نثار رضایاں ماں کا اعزاز، جو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا تھا،



# استاد صاحب



زاد رشتہ

وہ بے چینی سے ٹبل رہا تھا، ماضی کو یاد کرتا اور حال پر ماتم کرتا تھا۔ ”ایک دریا بڑا منجھ کر زندگی بھی کتنی بے کار ہے“ وہ خود کلاہی کرتے ہوئے پلنگ پر بیٹھ گیا۔ ”زندگی کون سی بیلے ہی فارغ الہابی، خوش حالی میں گروری بھی تھی مرگ“ اب تو لگتا ہے سانس لینا بھی مشکل ہے۔ ”وہ پھر خود کلاہی کرنے لگا۔ وہ جب سے ریٹائرڈ ہوا ہے زندگی اس پر بوجھ بن گئی ہے۔ بیوی کی زبان پر حرف شکایت کے سوا کچھ نہیں اور بیٹا ہے کہ بس کو یہ کھانا جاتا ہے کہ نہ پاپ نہ اسے کوئی اعلیٰ تعلیم دی گئی، نا انگشٹ میڈیم اسکول میں پڑھایا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ باپ کی کوئی جائیداد نہیں، ماں کے خیال میں اس نے اپنی ساری زندگی علم کی راہ میں برباد کر دی، کچھ اور کرتا تو کچھ نہیں تھا انداز کر سکتا تھا۔

اس کے اس وقت مضطرب ہونے کی وجہ یہ تھی کہ تھوڑی دیر قبل بیوی نے اسے طعنہ دیا تھا اور بیوی کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ ”یہ ہیں استاد صاحب، نہ زبرد نہ زمین، نام بڑا درجن چھوٹا“ ماں اسے اپنے چھوٹے بیٹے کی بات بھی یاد آ رہی تھی جو کل اپنی بیوی سے باواں بلند کر رہا تھا ”نہ جانے نہ جانے ابھو کوس نے منجھری کا مشورہ دیا تھا یہ منجھری ہے کس کا کام کی۔“

خانوی چیز رہی، میں نے کبھی اسے اتنا اہم جانا ہی نہیں۔“ لہو دکلاہی کرتے ہوئے یکا یک اس کے چہرے پر ضیانتان کی لہر دوڑ گئی، اس نے فیصلہ کر لیا، وہ کوئی ملازمت کرے گا، ماں باپ بھتہ کو بھتہ میں جیش نہیں، انھوں میں تو دم ہے، اس لپٹے کے بعد اس کے منتشر خیالات سبٹ گئے اور وہ سکون کے ساتھ سرت پر لیٹ گیا، نہ جانے کب نیند نے اسے اپنی آنکھوں میں لے لیا، شاید یہ اس کے فیصلے کا اثر تھا۔

وہ صبح نماز فجر سے فارغ ہو کر طلوع آفتاب تک ذکر الہ کا ریس مصروف رہا اور پھر اس کے بعد نوکری کے حصول کے لئے نکل کھڑا ہوا، وہ کئی اداروں میں گیا، لیکن اس نے کسی تعلیمی ادارے کا رخ نہ کیا، اب وہ اپنی غلطی دہرائیں جانتا تھا شاید وہ اپنی بیوی اور بچوں کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ اب وہ استاد نہیں۔

”استاد صاحب! یہ عمر آپ کی نوکری کی ہے؟ آرام کریں، آرام اس عمر میں آپ سے کیا کام ہوگا تو ہم نو جوانوں کو رکھتے ہیں۔“ وہ اپنے آپ سے ہم کام ہوا۔ نہ ہانے تھی جگہ کیا مگر پر جگہ اسے یہی جواب ملا۔ ماں بعض لوگوں نے اس سے اطمینان دھوری ضرور کیا مگر حاصل انکار کے سوا کچھ نہ تھا، ملازمت کی تلاش میں دور پر دستک دینے کے برابر ہے۔ ماں بھی اس شہر کا راجی میں اس کے بایوں کی بیوٹھ نصیبی تھی کہ ملازمت دستک کی طرح نہ تھی مگر بے رادگاروں کی کھپ نے اسے ایسا ہی بنادیا ہے۔ ”ملازمت نہ لے لگا کہ اس کو یہ سوچتے ہوئے وہ ایک آئینے سے نکل ہی رہا تھا کہ اس کے کانوں سے یہ آواز نکلتی۔

”بہ چارہ! اولاد نہ ہو تو چاہا جانتا مشکل ہے۔“ یہ آواز اس کی ساعیت سے نکلتی تو وہ یک بیک کچھ بھر لاری لہو پر پیچھ مڑ گیا۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ فیضی بات کہی کس نے۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے مٹھیاں پھینکیں اور پھر کچھ سوچ کر متغیر فلفلہ بھانجا کہ بڑھل۔

”میرے تو ایک نہیں دو بیٹے ہیں اور میں بچہ بھی۔“ وہ آگے نہ سوچ سکا۔ اس کی آنکھوں سے

آنسوؤں کے دو موتی نکلے اور اس کی داڑھی میں جذب ہو گئے۔ وہ دو مال سے آنکھیں صاف کرتا ہوا گھر کی طرف چل دیا۔

☆.....☆.....☆

## صاحب ایمان کے اخلاق

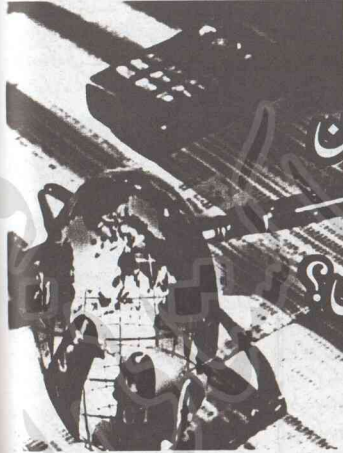
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایماندار آدمی کے اخلاق یہ ہیں۔

دینداری کی باتوں میں سخت ہوتا ہے۔ جب لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں نرمی کا برتاؤ کرتا ہے تو غری کے ساتھ ہوشیار بھی رہتا ہے۔ خدا کی وحدانیت پر ایمان لاتا اور اس پر یقین رکھتا ہے۔ علم کے حاصل کرنے میں حریص ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی کے ساتھ جھگڑی کرے تو ہمراہ میں دشن ہوتا ہے۔ اگر اس کو علم ہو تو علم کے ساتھ اس میں علم بھی ہوتا ہے۔ اگر وہ دولت مند ہو تو خرچ کرنے میں مانتہ روی اختیار کرتا ہے۔ اگر وہ فاقہ سے دوچار ہو کر رہتا ہے۔ لایع سے دور رہتا ہے۔ حلال روزی کی تلاش کرتا ہے۔ سنی کا کام استعمال کے ساتھ کرتا ہے۔ ہدایت کی باتیں حاصل کرنے میں چوکنا اور پھر جلتا ہوتا ہے۔ تقیاتی جذبات سے کبھی نہیں دیتل سمیت زود پر مہربانی ہوتا ہے۔ اگر کوئی آدمی اس سے کینہ رکھتا ہو تو اس پر ظلم نہیں کرتا۔ اگر وہ کسی کے ساتھ دقتی رکھتا ہو تو اس دوست کی خاطر گناہ میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی آدمی اس کے پاس امانت رکھوے تو وہ امانت میں خیانت نہیں کرتا۔ نہ وہ حسد کرتا ہے نہ کسی پر طعن کرتا ہے نہ لغت کرتا ہے۔ وہ حق بات کا فوراً اقرار کرتا ہے، اگر کوئی آدمی اس پر کلامی تو دے۔ اگر کوئی اس کو ستاتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے یہاں تک کہ خدا کی مدد کرے۔ (بخاری، آئینے ایمان کی فکر کیجئے)

(انتخاب..... سامیہ نور، نکالہ)

# موبائل فون یا دین کا خون؟

بنت نیاز محمد



آج کل جسے دیکھیں، ہر کسی کے پاس موبائل، جوان لڑکیاں اور لڑکے موبائل کے بغیر اپنا گزارا نہیں کرتے، اگر ظاہر میں دیکھا جائے تو بہت چھپوٹی چیز نظر آتی ہے، مگر حقیقت میں فتنہ نہیں سے اٹھ رہا ہے۔ یہی موبائل ہے جس کے ذریعے انسان اپنا ایمان بیچ دیتا ہے، پہلے زمانے کے مقابلے میں اس زمانے میں لوگوں کو فتنے میں مبتلا کرنے والے ایک آکر کا اضافہ ہوا ہے، وہ یہی موبائل ہے، جب موبائل کی گھنٹی بجتی ہے، تو کسٹوری کی بجھا کر موبائل انہیں کرتی ہے اور نرم و نازک آواز کے ساتھ اپنا تعارف کرتی ہے اور دوسری طرف مرد کو موقع مل جاتا ہے اور سلسلہ یہیں سے شروع ہو جاتا ہے لڑکی اسی طرح مومنٹ کے مینڈ میں بات کرتی ہے، تاکہ کوئی نہ سمجھے اور والدین بڑے خوش ہوتے ہیں کہ ہماری بیٹی اپنی ٹیلی سے بات کر رہی ہے یہی موبائل ہے جس کے ذریعے کتنے گھر برباد

ہو گئے، کتنے شوہر بیوی جدا ہو گئے، کتنی غلط غلط کارروائیاں اسی کے ذریعے سے ہوئی، اسی کے ذریعے کتنے دھوکے دیئے، اسی کے ذریعے ایک دوسرے کو کھج کرنا، جھوٹ بولنا، بے سراسر لایہ ہے، اگر غور کیا جائے، ایسا کرنا حرام ہے، حدیث شریف میں ہے۔ ایفاء المسلم حوام یہ موبائل، لی وی سے کم نہیں، تمام تصاویر اسی میں سیو، گانے اسی میں سیو، جو گناہ کرنے کا دل چاہے، اسی سے وہ گناہ پورا کر لیں، بعض اوقات رات بک نمبر کے ذریعے شیطان انسان کو بھکا کر جہنم کے گھڑے میں گرا دیتا ہے۔ اسی طرح موبائل میں کانوں کی بتل لگا کر جو کہ فحاشی کا سبب ہیں، گنہ گیمیل کر وقت کا ضیاع کرنا، کیرا موبائل کے ذریعے تصویروں کا کھینچنا، جس کے بارے میں سخت وعید ہے، جو اپنی شخص کی گانوں کا لگا کر، جو کہ گناہ کی تبلیغ ہے اور ناجائز پیغاموں کا آپس میں تبادلہ

خصوصاً نو جوان لڑکوں کا اور فحاشی گفتگوں میں ہے جا اور غیر ضروری باتیں کرنا موبائل میں قرآنی آیات اور احادیث کو جانداروں کی تصاویر کے ساتھ محفوظ کرنا، جس میں مقدس کلمات کی توہین ہے، جو کہ بڑی ہلاکت کا ذریعہ ہے، اس کے علاوہ آج کے دور کا سب سے بڑا فتنہ، یعنی بغیر تحقیق کے احادیث کا تبادلہ کرنا اور اس کے علاوہ قرآنی آیات کو انگریزی رسم الخط میں لکھ کر ایک دوسرے کو بھیجنا، یہ سب چیزیں گناہ کا سبب اور ایمان کی سلامتی کے لئے خطرہ ہیں اور فتنوں کے پھیلنے کا سبب ہیں اور دین میں اختراع کرنے والوں کے لئے آسانی پیدا کرنے کی سیل ہے، لہذا ان سب سے بچنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس سے پہلے کہ یہ فتنے ہمیں کراہی میں ڈال کر ہلاک کر دیں، اسی طرح عورت ذات کو موبائل میں بات کرتے وقت آواز کو سخت کرنی چاہئیں، اور جو بات دوشمٹ کی ہوں، اس کو مختصر کر کے ایک منٹ میں کرنا چاہئے، ضروری بات کرنا چاہئے، فضول بات سے شریعت نے منع کیا ہے، کیونکہ عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے، آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن میں اللہ پاک نے کسی عورت کا نام نہیں لیا، کیونکہ عورت کے نام کو کبھی اللہ پاک پر پردہ میں نہیں لکھا ہے، تو آواز تو بدعنوانی پر پردہ میں ہوئی، قرآن میں امراء کو نوح، امراء کو لوط کہا گیا، زینبہ نہیں کہا گیا، بلکہ امراء کو عزیر کہا گیا، امہات المؤمنین کو زور دیا کہ کہہ کر گیا، ہاں، ہاں، مریم علیہا السلام کا نام اس وجہ سے لیا گیا، کیونکہ اس وقت لوگ حضرت علی علیہ السلام کو مریم علیہا السلام کا بیٹا نہیں بلکہ اللہ کا بیٹا قرار دیتے تھے، تو اللہ پاک نے ان لوگوں کو دور کرنے کے لئے بطور وضاحت ان کا نام ذکر کیا، یعنی میرا بیٹا نہیں، بلکہ مریم علیہا السلام کا بیٹا ہے، تو جو عورت اپنی حفاظت کرے گی، اللہ پاک ان کے ایمان کی حفاظت کرے گا۔ اللہ پاک ہمیں اس موبائل کو صحیح استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

☆.....☆

## کشتی نوح کا مسطول

ہمدان رشید کے زمانے میں کسی نے یہ بھی کیا کہیں نوح بنو جبریل ہوں، ہمدان رشید نے اسے ہلاک کر چھوڑا۔ ”مہدی نوح“ ہو جو ایک مرتبہ پہلے بھیجے گئے تھے، یہاں کوئی ایسا نہیں ہے جو بلیک ”میں“ وہ نوح ہوں جو پہلے سارا جیسے نو سو برس زندہ رہا، اب مجھے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ بچاں برس اور زندہ رہ کر ایک ہزار سو برس کے بعد ”ہمدان رشید“ کو ہلاک کر کے سولی پر لٹکا دیا جائے، چنانچہ اسے چماک سے دی گئی، ابھی وہ سولی پر لٹکا ہوا تھا کہ کوئی ظریف آدمی وہاں سے گزرا اور سولی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”وہ نوح صاحب! ابھی باپنی کشتی سے مسطول کے سوا کچھ نہ تھا کیا؟“

ان لذتوں سے اکساہٹ نہیں ہوتی

مامون رشید نے ایک دن حسن بن سہیل سے کہا: ”میں نے دنیا کی تمام لذتوں پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ لذت ایسی ہے جس سے انسان کسی نہ کسی وقت اکسا جاتا ہے، لیکن سات لذتیں ایسی ہیں جن سے کبھی اکساہٹ نہیں ہوتی، گندم کی روٹی، بیکری کا گوشت، ٹھنڈا پانی، کلامِ پاک، خوشبو، گنداز بستر اور ہر قسم کے حسن کو بچنا۔“ حسن بن سہیل نے کہا: ”امیر المؤمنین ایک چیز عزیر گئی۔“ اور وہ ہے لوگوں سے بات چیت، ”امامون نے اس کی تصدیق کی۔ (ایضاً)

باپ بیٹے کو طرس حکم دے

علامہ مظاہر بن عبد الرشید نے لکھا ہے کہ ہر باپ کو چاہئے کہ جب وہ اپنے بیٹے کو کوئی حکم دے تو صریح حکم کے الفاظ استعمال کرنے کے بجائے یوں کہتے۔ بیٹے اگر تم فلاں کام کر لو تو اچھا ہے، کیونکہ اگر صریح حکم دیا اور شوالہ کیا کہ ”اے بیٹا کر“ اور پھر بیٹا کسی وجہ سے نہ کر سکا تو تافربانی کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔ پہلی صورت میں اندیشہ نہیں (خلاصہ الفتویٰ ج ۱ ص ۳۷۰)



## اسے قبر نے بھی قبول نہ کیا

ایک گناہ گار کا عبرتناک سچا واقعہ جو جیتے جی جہنمی بن گیا

ممتاز احمد نسیم

وہ منظر اتنا ہنساک اور خوفناک تھا کہ اسے دیکھ کر میری ٹانگیں کانپنے لگیں۔ میں اس قبرستان کے گرد بیٹھ کر لوہے کی جالیوں نہ تھا۔ موزین پر میرا گانا بجنا تھا، ایک دو لمبائی روشنی میں اس اندھیرے کا عنصر غالب تھا، دوسرے رات بھر کی چھائی ہوئی دھندلی قبرستان نے زمین کے اوپر چادر کی تان رکھی تھی، سب سے بڑھ کر قبرستان کی دیرانی! اس سب نے ماحول پر اسرار بنا دیا تھا۔ مجھے نہ ہم لوگ قبروں اور قبرستانوں سے کیوں ڈرتے ہیں، حالانکہ ایک نیا دیکھ روز نہیں سہیں! آتا ہے خیر اس دھند اور نیم روشنی میں جب میری نظر اس لاش نما چہرے پر پڑی تو میری ٹانگیں کانپ گئیں، وجہ یہ تھی کہ اسے کچھ پھنسوئے کے لئے آجس میں لڑ رہے تھے، یہ منظر میں نے والدین اور دیگر مدفون اعزاء کے لئے فاجعہ بننے کے بعد دیکھا۔

میں عام دنوں میں فجر کی نماز پڑھ کر ہاتھ میں تسبیح لئے وردگتا ہوا میری طرف جایا کرتا کہ میرے بعد دن بھر تو راتو رات وہوں اور اپنے فرائض صحیح طور پر ادا کر سکوں مگر جوحی کا تاج خروانی کے لئے قبرستان آتا میرا معمول تھا، اسی معمول کے مطابق اس روز جب میں دعا کے بعد اپنے ہاتھ میں پیریکر پکڑنے لگا تو انگلیوں کی چھری

ادھر میں سے ٹوٹی ہوئی اینٹ اٹھا کر کتوں کی طرف پھینکی، تو وہ بھاگ گئے۔ ہم دونوں مزید قریب جانے سے گھبرا رہے تھے کیونکہ کتوں نے پاؤں کی طرف سے کفن کے چھینٹے اڑا دیئے تھے اور میت کے پاؤں نیچے ہو چکے تھے، ابھی ہم اسی سوچ میں مبتلا تھے کہ گورن ہاتھ میں پھاڑا لئے ہمارے پاس آکھڑا ہوا۔

”یہ کس کی لاش ہے بھائی؟“ بٹ صاحب نے گورن سے پوچھا۔

پیشتر اس کے کہ وہ جواب دیتا نا کہاں میری نظر ایک قبر پر پڑی، اس کی ساری مٹی باہر نکلی ہوئی تھی یہاں تک کہ بے منت کی وہ لمبیں جو لحد کو بند کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہیں، خاصی وزنی ہونے کے باوجود کھدی ہوئی قبر کے باہر پڑی تھیں۔

”بٹ صاحب! یہ قبر تو ابھی برسوں ہی آباد ہوئی تھی۔“ میں نے حیرت سے کہا۔

”کیا مطلب؟“..... ”ہاں یہی قبر ہے جس میں میرے بڑی بچپن اور جوانی کے دوست عدنان کو بروز بدھن کیا گیا تھا۔“

گورن کے آجانے سے ہمارے حوصلے بڑے اور ہم تینوں آگے چلے۔ گورن نے غیر رسمی انداز میں پہلے ادھر سی ہوئی قبر اور میت کو دیکھا، پھر بہت کم مدت کا چہرہ دیکھا۔ اگر بٹ صاحب نہ ہوتے تو میں یقیناً بے ہوش ہوجاتا۔ میت کی آنکھیں اہل کر حلقوں سے باہر آچکی تھیں، منہ سوزی ہوئی تھوکی کی طرح آگے نکلا ہوا تھا، رنگ کونسلے کی طرح سیاہ ہو چکا تھا، دانت باہر کی طرف

لنگے ہوئے تھے۔ اگر میں اس کی پیشانی کا آئینہ زدہ نشان نہ دیکھتا ہوتا تو یقین نہ کرتا کہ یہ عدنان ہی کی لاش ہے۔

بٹ صاحب اونچی آواز میں استغفار پڑھنے لگے اور ساتھ ساتھ مجھے حوصلہ دینے کے لئے گھمایاں دیتے رہے۔ گورن نے جلدی سے میت کا منہ ڈھانپ کر ہاتھ، پاؤں کی طرف کفن صحیح کیا اور پوچھا: ”باؤی!

میرے لئے کیا حکم ہے؟“ بٹ صاحب میرا اور میں ان کا منہ نیچے لگا کر آخرت صاحب بولے: ”مہربانی کرو اور اسے دوبارہ کفن میں آنا۔“ ”اچھا جی!“ گورن نے جواب دیا اور ساتھ ہی قبرستان کے ایک کونے میں بنی اپنی کھڑی کی طرف رخ کر کے کسی کو آواز دی۔ چار پانچ منٹ بعد دو جوان نمودار ہوئے جو شاید گورن کے بیٹے تھے۔ ان تینوں نے مل کر میت اٹھائی، اس کی ادھر سی ہوئی قبر میں انا کر لیں، جس میں اور مٹی ڈالی۔ اس سارے عمل میں آدھ گھنٹہ صرف ہو گیا۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا، سوسے کو دو ٹوٹ نکالے، گورن کو دینے اور کہا ”تجی! ابلی میرے پاس یہی ہیں۔ میں دوپہر تک مزید دو سو پڑے نہیں دے جاؤں گا۔“

اب ہم دونوں ملے اور ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہوئے ہتھکھینچتے قدموں سے واپس مڑے۔ اس روز میں صدمے کے باعث دفتر میں نہیں جا سکا اور فون پر اپنے نہ آنے کی اطلاع کردی۔ میری اوری ویلیم نے میری حالت غیر دیکھی، فون پریشان ہو گئیں۔ میں نے انہیں پیش آنے والے واقعات سے آگاہ کیا تو ای ویلیں: ”اللہ تعالیٰ عدنان کے گناہ معاف فرمائے۔ دیکھ بیٹا! اس مرحوم نے زندگی بھر باں کی نافرمانی کی اور اس کی نافرمانی ہی کی وجہ سے اسے قبر نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔“

تھوڑی دیر بعد جب میں مکمل ہوش حواس میں آیا، تو میں نے بدھ کے روز عدنان کی تدفین میں پیش آنے والے خوفناک واقعات تفصیل سے بتائے، تو ابلی حیرت زدہ ہو گئیں اور ویلیں: ”تم نے پہلے مجھے بتایا نہیں؟“

ای کا کھوکھو بجا تھا لیکن میں نے پوری بات یوں نہ کی کہ مبادا شیفٹی کی وجہ سے ان کی طبیعت خراب ہوجائے۔ اسی نے دبے جھجھ میں مجھے مرحوم کی مغفرت کے سلسلے میں ایک مشورہ دیا۔ میں اس پر عمل کرنے کے لئے مسجد کے امام صاحب سے ملنے چلا گیا۔

☆.....☆

☆.....☆

☆.....☆

☆.....☆

☆.....☆

☆.....☆

☆.....☆

☆.....☆

☆.....☆

☆.....☆

☆.....☆

☆.....☆

☆.....☆

☆.....☆

☆.....☆

☆.....☆

☆.....☆



م-ع

جب کسی رکاوٹ کے سبب دل کے پٹوں کو خون کی فراہمی رک جاتی ہے تو دل یا تو غلط انداز سے جسم میں خون پمپ کرنا شروع کرتا ہے یا پھر رکتا بند کر دیتا ہے۔ دل کی شریانوں کی دیواروں میں چربی جملے مادوں کے جمنے اور ان کے پٹنے سے خون کی نالیوں تک یا بند ہو جاتی ہیں جس سے دل کا دورہ پڑتا ہے۔ مردوں اور خواتین کے دل کی ساخت اگرچہ ایک جیسی ہوتی ہے لیکن عام طور پر خواتین کو مردوں کے مقابلے میں 10 سے 20 سال بعد دورہ پڑسکتا ہے تاہم خواتین کا پہلا دورہ ہی جان لیوا ہو سکتا ہے، بہت سی خواتین میں ہارٹ اٹیک کی صورت میں مردوں جیسی علامتیں مثلاً سینے اور بازو میں درد یا سانس میں دشواری کا احساس نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے ڈاکٹر یہ بتاتے ہیں کہ خواتین میں دل کے دورے کا شبہ شریانوں میں رکاوٹ کے بجائے خون کی نالیوں میں تنگی سے ہوتا ہے۔

پامیلا سیر نے عمر کی 40 دہائی میں قدم رکھا تو اس کی صحت قابل رشک تھی، نیویارک میں سی مارکیٹنگ انجیریکولی کی سخت مشقت آمیز مزدور دہائی میں بھاگے ہوئے وہ تقریباً تھک چکی تھی، جس کے بعد پینکٹیس میں اس

نے جوں کا رو بہا شروع کیا تھا اور یوگا کے علاوہ کم کھانے کے فوائد پر کتابیں بھی لکھی تھیں اچھی صحت کے لئے اس کی تجویز کردہ غذاؤں کے موثر ہونے کا اعتراف لیک بیلڈو اور باربرا اسٹریٹ جیسی مشہور فلمی شخصیات نے کیا تھیں لیکن ان غذاؤں سے ہر اسرارطہ پر اس کی اپنی گنتی ہوتی تھی کہ کوئی مثبت اثرات مرتب نہیں ہو رہے تھے۔ اسے سینے میں جلن، تھکاوٹ، گردن، میں درد اور بخوڑ سی محنت کے بعد بہت زیادہ سینے کی شکایت ہو گئی تھی، گزشتہ دس سال کے دوران اس نے کم از کم کئی مختلف ڈاکٹروں سے رجوع کیا تھا جنہوں نے اس کے سینے میں درد کو سوز، معدہ، بہت زیادہ پیند آنے کو ن یا اس کی آمد کا اعلان اور تھکاوٹ کو کمر اور دل کے شاذ شاذ قرار دیا تھا، ان لوگوں نے اس کے سینے کا اسکریس بھی کیا تھا تا کہ عموماً اور بروکٹیکس کا سراغ نکالیں لیکن انہیں کچھ نہیں ملا۔ یہ تمام معالجے میں درد کو معمولی شکایت سمجھ کر نظر انداز کر گئے۔

1998ء میں 47 سالہ سیر نے اپنی صلاحیتوں کے حوالے سے ایک اور ڈاکٹر سے ملاقات کی اس نے اسے عامہ مکمل کرنے کے بعد مزید سے کہا: ”آپ کو شوہر نہیں

اجما کرتا ہے۔ یہ انکشاف سن کر سر رکواس پر بالکل یقین نہیں آیا تاہم ڈاکٹر نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ کم از کم ہارٹ اٹیک سے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے نائٹروگلیسرین کی گولیاں اس کے کمرے کی کچھ روز کے بعد وہ ایک کارڈیالوجسٹ کے پاس گئی۔ معمول کے تمام ٹیسٹ نائل تھے۔ وہ باہر امراض قلب سے کل کر اسپتال سے باہر نکل ہی رہی تھی کہ اس سینے میں جلن محسوس ہوئی۔ اسے واپس اس ڈاکٹر کے پاس لایا گیا۔ چند منٹوں کے اندر اس کے سینے سے ہارٹ مانیٹر لگا دیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ چند لمحوں بعد اس پر دل کا دورہ پڑنے والا تھا۔ سر کے دل کی اہم ترین شریان 98 فیصد بند ہو چکی تھی اور دیگر شریانیں قدرے بہتر حالت میں تھیں۔ بانی پاس سر جری کے لئے اسے تیار کرتے ہوئے چیف کارڈیالوجسٹ نے اس سے کہا تھا: ”ہمیں نہیں معلوم کہ تم کس طرح چل پھر رہی تھیں، لگتا ہے کہ مذہب پر تمہارا عقیدہ بہت مضبوط ہے۔“

امراض قلب کے حوالے سے یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہیں ہو گا کہ ہر طرح سے ایک خاتون کو دل کی کوئی نہ کوئی بیماری ہو سکتی ہے اور تمام اقسام کے سرطانوں میں اتنی خواتین جان سے ہاتھ نہیں دھوئیں جتنی امراض قلب سے ہلاک ہوتی ہیں۔ ہر سال مردوں سے زیادہ خواتین دل کی بیماریوں کا شکار ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود مردوں کے مقابلے میں خواتین میں اس بات کا کچھ کم از کم امکان ہوتا ہے کہ امیر شوہر جس تک پہنچنے کے بعد بھی ڈاکٹر زان

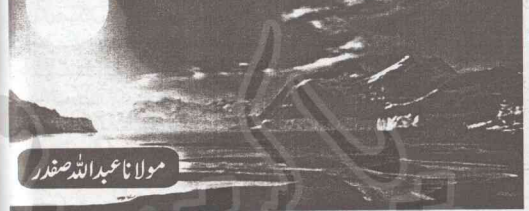
**تین چیزیں!!**  
تین چیزیں ہر ایک کو ملتی ہیں، غم، موت، تین چیزوں کو بھی نہ ٹھکراؤ، خلوص، تجھ، دعوت، تین چیزیں زندگی میں ایک بات ہیں، جن جبرانی والدین دینا پس تین قسم کے دوست ملتے ہیں، باپانی، باپانی، باپانی، تین چیزیں ایک جگہ پر دوش پاتی ہیں، پھول، کاغذ، خوشبو، تین چیزیں دل سے گریں، رحم، کرم، دعا

(انتخاب)..... مجھ سے یعقوب قریشی، (کراچی) تین چیزیں ہر ایک کی جدا ہوتی ہیں، بصورت، قسمت، سیرت، تین چیزیں سوچ سمجھ کر اٹھاؤ، قسم، قدم، تین قسم کے نشے بہت تیز ہوتے ہیں، دولت، علم، حسن، تین چیزوں کے ساتھ چلو، چپائی، وقت، خلوص، تین چیزیں سچے سچے سچے کا باعث بنتی ہیں، عزت، زور، زمین، تین چیزیں کسی کا انتظام نہیں کرتی، موت، وقت، عمر





# خوابوں کی تعبیر



مولانا عبد اللہ صفدر

(بخاری، عن ابی ہریرہ)

ہر وہ انسان جس کو اللہ تبارک تعالیٰ نے نیند دینی سے نوازا ہے، وہ خواب ضرور دیکھتا ہے، یوں کہنا چاہئے کہ سوتے ہوئے انسان جو مناظر دیکھتا ہے، ان میں کئی کیفیات کو خواب کہا جاتا ہے۔ شریعت مطہرہ کے اندر ان خوابوں کو ایک حیثیت حاصل ہے۔ سائنس اور ریسرچ اس کو تجلیات و دماغ یا ذہنی انتشار کا باعث سمجھتی ہے، مگر دین اسلام بالکلے خوابوں کا حقیقت سے بالکلے تعلق کی نفی نہیں کرتا، بلکہ پوشیدہ امور سے چاہے وہ دنیا کے امور سے متعلق رکھتے ہیں یا آخرت کے امور سے متعلق ہوں، ان کو حیثیت دیتا ہے، حلال و حرام اور آخرت کی زندگی کے بارے میں انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام بذریعہ وحی انسانیت کی راہ بری و راہ نمائی فرماتے تھے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ براۓ اللہ کے خاتم النبیین ہیں، اس لئے یہ سلسلہ تو بند ہے، البتہ الہامی کیفیت کو باقی رکھا گیا ہے، جس کی ایک قسم خواب ہے۔ مومن کے خواب کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

ترجمہ:..... نبوت میں سے کچھ باقی نہیں گزرے مراثت، صحابہؓ نے پوچھا مراثت کیا ہیں، فرمایا: سچا خواب۔

ہرگز نہیں ختم ہے، اگر دوسرے لفظوں میں اس کو یوں

بیان کیا جائے کہ سچا اور صالح خواب نبوت کا عکس کئے، چاہے وہ بھی نہ ہو، کیونکہ دوسری کئی روایات میں اس قسم کے مفہوم کی احادیث آئی ہیں کہ نیک رؤی، علم، میانہ روی نبوت میں سے ہے، چونکہ کئی مائل ہوتا ہے، اس لئے اس کی عالی صفات میں سے کسی صفت یا وصف کا غیری میں پایا جانا جز من الہوہ کی مثال بنایا جاسکتا ہے مگر بعض علماء نے جزء من الہوہ کی دیگر تفسیلات، تعبیرات و تحلیلات میں بیان کی ہیں، جو خاصی علی اور دقیق ہیں۔

انسان کے خواب کی کیفیت دو طرح کی ہوتی ہے یا تو وہ خواب نشاط کا باعث ہوتے ہیں یا پھر کج کار کا باعث بنتے ہیں، ان کو عوام اچھے اور برے خوابوں کے عنوان سے بیان کرتی ہے، انہی کیفیات سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

ترجمہ:..... ”اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہے اور برا شیطاں کی طرف سے، پہلے جب کوئی اچھا خواب دیکھے تو اسے صرف ایسے شخص سے بیان کریں جس سے محبت ہو اور جب برا خواب دیکھے تو اللہ تعالیٰ سے اس خواب کے شر اور شیطاں کے شر سے پناہ مانگے اور تین بار تنہا کمرے سے باہر ہو جائیں اور یہ خواب کسی سے بیان نہ کرے تو برا خواب اس کو کوئی ضرر نہیں دے سکتا۔“ (بخاری، مسلم)

یعنی خوابوں کو دو قسم کے ہوتے ہیں جو نیند پر اندازہ اور صالح خواب ہوں، وہ رب تعالیٰ کی طرف سے اور جو دہشت زدہ، بھوانی ناپسندیدہ خواب ہو وہ شیطانیات کا وصل اور خلل ہے اور اگر خواب کسی کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں آجائے اور سننے والا میر نہ ہو تو وہ اپنے کسی مخلص دوست یا جاننے والے سے بیان کرے، ورنہ کسی سے بھی بیان نہ کرے تو اس خواب کا شیطانی ضرر اثر انداز نہ ہوگا، باقی تین دفعہ تنہا کمرے والا مسئلہ صحیح مسلم شریف کی ایک دوسری روایت میں ذرا تفصیل سے واضح کیا گیا ہے، یعنی بائیں طرف تنہا کمرے سے باہر نہ نکلے

بدل لینی ہے۔

یہاں ایک اہم مسئلہ بھی ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ شیطاں بہت سارے تصرفات کر سکتا ہے، مگر وہ وہ لاشریک نے اس کو یہ قدرت نہیں دی کہ وہ شیطاں لعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت یا شبیہ مبارک بنا کر کسی کو دھوکہ دے، ارشاد گرامی ہے:

ترجمہ:..... ”جس نے مجھے دیکھا، اس نے مجھے ہی دیکھا، کیونکہ شک شیطاں کو یہ قدرت نہیں کہ وہ میری صورت میں آسکے۔“ (رواہ البخاری و مسلم)

خواب کی حقیقت سے متعلق لوگ ذہنی اعتبار سے تین گروہ میں تقسیم ہیں، دو گروہ تو افراط و تفریط پر مشتمل ہیں اور ایک گروہ معتدل ہے، جو گروہ افراط کا شکار ہے، اس کا عقیدہ یا نظریہ فلسفہ یہ ہے کہ خواب کی سرے سے کوئی حقیقت نہیں ہے، ان حضرات کے نزدیک خوابوں کی حقیقت تو ہمارے سے زیادہ نہیں اور اس ضمن میں یہ گروہ خواب، کشف، کرامات، سب کا منکر ہے، اس نقطہ نظر یا افراط و تفریط کے گروہ کے باطل ہونے کے لئے وافر مقدار میں قرآن و احادیث سے دلائل موجود ہیں، جس کا انکار کوئی بھی ذی عقل انسان نہیں کر سکتا، کیا کہ ایک مومن کرے؟ دوسرا گروہ تفریط کا شکار ہے، یہ اپنی عملی زندگی کے مضموہوں اور تربیت کا عمارتی خوابوں کی دنیا پر رکتے ہیں، ان کا ادوڑنا بیچونا خواب، ان کی دلیل خواب، ان کا تاثر خواب، گویا کہ خوابوں کی دنیا پر جد سے بڑھا ہوا اعتقاد اس گروہ کا حراج ہے اور ان کو اس گروہ کے افراد کا ہم شریعہ کو بھی اپنے خوابوں کی وجہ سے خاطر میں نہیں لاتے، چاہے زندگی تقنی ہی فسق و فجور میں ڈوبی ہوئی ہو، اگر ان کو مبارک قسم کا خواب دیکھ لیا، گویا کہ اللہ کے دلی ہو گئے اور ان کو کوئی ایسا کن یا پرانندہ خواب کچھ لیا تو حزن و ملال کا بیکر بن جاتے ہیں، حالانکہ خواب و عقاب عملی زندگی کے اعمال پر مرتب ہوتا ہے، حالت کی بدداری کی زندگی کا اقتدار ہوتا نہ کہ خوابوں کے امانتیں کی



حکات کا، اگر کوئی نمازی پڑھ کر اپنے آپ کو خواب میں کوئی کیرہ لٹا کر دے دیکھ تو وہ ہرگز اس گناہ کبیرہ کا مرتکب نہیں کہ دیا جائے گا، اسی طرح اس کا برعکس بھی جاسکتا ہے، مذکورہ بالا دونوں گروہ افراط و تفریط کا شکار ہیں اور ہر گز اعتدال پر نہیں ہیں، اس بارے میں صحیح اور حق مذہب یہی ہے کہ خواب کی حیثیت کشف یا اندازے سے زیادہ کچھ نہیں ہے جو صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی ہو سکتا ہے اسی طرح ہر شخص کا خواب بھی قابل تعبیر نہیں اور نہ ہی ہر شخص کی بتائی ہوئی تعبیر درست ہو سکتی ہے جب کشف جیسی کیفیت ہو جاتی حالت میں اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اس کے خاص بندوں کو ہوتی ہے کئی زیادہ اور کئی کم، وہ ضروری حجت نہیں تو خواب اس سے ادنیٰ حالت کا نام ہے، حالانکہ کشف نسبت خواب کے زیادہ صحیح ہونے کا امکان احتمال رکھتا ہے۔

آنکھ کا تعبیر خواب: خوابوں کے اکثر غلط ہونے میں کچھ..... ان وجوہات کا بھی بڑا عمل دخل ہے جس کو میں مختصر آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

(۱)..... احادیث میں روشنی میں یہ معلوم ہوا کہ خواب شیطان کی طرف سے بھی ہوتا ہے اور اس میں کوئی عقلی اشکال بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ آج ہمارے ہاں اکل حلال اور صدق قتال کی انتہائی کمی ہے، مکمل عام معصیت کا ارتکاب ہے شریعت مطہرہ کی واضح مخالفت موجود ہے اور حد تو یہ ہے کہ دل میں شریعت پر عمل کے احساس کی کمی اور لاپرواہی کی وجہ سے طہارت ہمیشہ ایک مسئلہ سے بھی صرف نظر ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے نظاہری پاک یا اس کو حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی باطنی روحانی پایداری اس کو نصیب ہوتی ہے اگر یہ بات مذہبی ہو تو معاشرے میں اتباع شریعت انتہائی درگزر کوئی کیفیت کا شکار ہے اور ظاہری بات یہ ہے کہ افراد یا فردا کی معاشرے کے لازمی حصہ ہوتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی مثال حال ہوتی ہے جو بندہ محفوظ رہ سکتا ہے، یہ ایک قوی سبب ہے اکثر خوابوں کے قابل

اعتبار ناقابل اعتبار ہونے کا۔

(۲)..... دوسری صورت یہ ہے کہ زندگی مثنی اور انتہائی غمکلاپنے والی ہو گئی ہے نیشات اور حب جانی کے حصول کی خواہش نے زندگی مثنی اور انتہائی اعصاب شکن محنت میں ڈال دیا ہے، نظام الاوقات بے قاعدہ ہو گئے ہر محنت کے عادی نہ بن سکے بلکہ محنت کی وجہ سے شل ہو گئے مگر خواہشات کا دائرہ وسیع ہو کر پاس کی دہرے بھی اس بات کا احتمال موجود ہے کہ خواب بیداری کے واقعات کا اثر ہو اور کثرت ایسا ہوتا ہے کہ بیداری کی حالت کا اثر خواب کی صورت میں آشکار ہو جاتا ہے۔

(۳)..... خواب کی جو تعبیر دیکھ لی جاتی ہے یا کچھ میں آتی ہے ضروری نہیں کہ حقیقت میں وہی تعبیر بھی ہو، خواب نیز تعبیر کے واقع ہونے کا ایک خاص وقت ہوتا ہے اور تعبیر کے ظہور میں سالہا سال کا عمر بزرگ جاتا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے میں روایات کے مطابق 40 سال تک اس کا عرصہ صلا تھا۔

(۴)..... بعض اوقات خواب کی تعبیر دیا یا اس کے اپنے عمل سے بدل بھی جاتی ہے اور یہ سب عجیب خواب اللہ ہوتی ہے، یاد وہ ظاہر نہیں ہوتی جس کا وہ نظر ہو ہے۔

(۵)..... تعبیر بیان کرنا یہ ایک مستقل فن ہے ہر آدمی کو اس کے اندر دخل دینا چاہئے بھی نہیں ہے فن تعبیر میں پہلو کے ساتھ لدنی کسی اثر بھی غالب ہوتا ہے۔ فن تعبیر اور مشہور آئمہ مجربین کا مختصر تعارف.....

قرآن کریم میں سورہ یوسف سے پتہ چلتا ہے کہ باقاعدہ طور پر فن تعبیر اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا کیا تھا اور خود حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کا اثر بھی کیا کہ کچھ کو یہ علم عطا کیا گیا ہے جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے فرمایا تھا، اس کو پورا فرمایا، اس کی مکمل تفصیل سورہ یوسف کے اندر دیکھی جاسکتی ہیں، اور تعبیرات کے سہارا سے اس کو سمجھا بھی جاسکتا ہے قرآن وحدث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ علم تھا اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف ایک بہترین مفسر تھے، بلکہ اس فن کے اصول و ضوابط کے واضح اور شارح بھی تھے، حضرت دانیال بھی مجربین کی فہرست میں شمار ہوتے ہیں۔ غیر انبیاء میں امام ابن سرینؒ کا اللہ تبارک و تعالیٰ نے خاص اس کا ملکہ نصیب فرمایا، ان کے علاوہ چار دیگر حضرات ائمہ رحمہ اللہ ان میں شہرت حاصل ہوئی۔

(۱)..... حضرت امام جعفر صادقؒ  
(۲)..... حضرت امام جابر مغربیؒ  
(۳)..... حضرت امام ابی ہریرہؒ  
(۴)..... حضرت امام اسماعیل اعرجیؒ

یہ تمام ائمہ فن تعبیر میں مشہور ہیں مگر امام ابن سرینؒ کو ان سب میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے، علم تعبیر میں اس چیز کا خصوصی خیال رکھنا چاہئے کہ معلوم طریقہ کا جاننے والا ہو اور ان صفات کا ہونا ضروری ہے۔

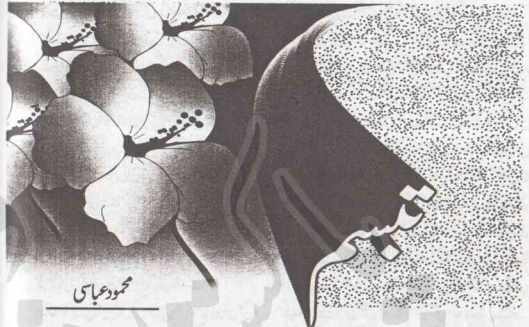
(۱)..... علم النبیؐ، علم اللہ علیہ وسلم ضرب الامثال، اشعار عربیہ، نوادیر علم، لطافت علم، لغات جملہ، یہ صفات علم تعبیر کے متبرک سے اخذ کی گئی ہیں۔ جن لوگوں سے تعبیر کا پوچھنا منع ہے وہ چار قسم کے ہیں:

(۱)..... بے دین لوگ جو شریعت کے پابند نہ ہوں، عقوق سے، جالوس سے، دشمنوں سے، یہ امام جعفر صادق سے مقتول ہے۔  
خواب دیکھنے والے حضرات کے لئے خصوصی نصیحت یہ ہے کہ:  
(۱)..... جس طرح خواب دیکھیں یا نکل ایسا ہی بیان۔  
(۲)..... کسی بیش بہا ہرگز نہ کریں۔  
(۳)..... خواب میں بیعت نہ لیں۔  
(۴)..... چھوٹا خواب نہ بیان کریں۔  
(۵)..... اگر کوئی ڈراؤنا خواب دیکھیں تو قوی طور

پر تین دفعہ آیت الکرسی پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لیں۔  
مجربین کو ان آدمیوں کی خصوصی رعایت رکھنی چاہئے:  
(۱)..... عالم دین ہوں (۲)..... لوگوں کے مزاج اطوار طریقوں سے خوب واقفیت ہو (۳)..... عرف کو سمجھتا ہو۔  
(۴)..... اللہ سے ہمیشہ توفیق طلب کرتا رہے۔ (۵)..... اس کی زبان پر ذکر اللہ جاری ہو۔ (۶)..... اس کا کلام بھلائی کی بات ہو۔ (۷)..... درود مند طبیعت ہو۔ (۸)..... خیر خواہی کا مزاج ہو۔ (۹)..... خواب خوب ہو شکاری اور قبیحہ سے پڑھے اور سنے۔ (۱۰)..... صاحب خواب کے مذہب سے واقفیت ضروری ہے۔ (۱۱)..... اس کی کیفیات لینا کہ کن خیالات کا حامل ہے۔ (۱۲)..... کسی ایسی بیماری میں اگر ملتا ہو کہ جس کی وجہ سے عقل خالی ہو۔ (۱۳)..... کسی صدمہ میں نہ ہو۔ (۱۴)..... مجرب کے لئے ضروری ہے کہ خواب سننے وقت باخوش ہو (۱۵)..... خط کے جواب کی صورت میں پڑھتے وقت اور جواب دیتے وقت باخوش ہو۔ (۱۶)..... عقل مند ہو اور ایسا تجربہ کار ہو کہ جیسا طبیب اپنے فن میں تجربہ کار ہوتا ہے۔ (۱۷)..... بیمار اور صاحب طرح ہو۔ (۱۸)..... کثیر خاموش رہنے والا اور باخبر صورت نہ ہونے والا ہو۔ (۱۹)..... قبرستان اور کسی فتنہ جو کس مقام پر تعبیر نہ دے۔ (۲۰)..... تعبیر دہرے میں جلدی نہ کرے خوب خود خوش کرے اور مدبر سے کام لے۔

مجربین کی حضرات کے لئے یہ چند آداب تحریر ہیں ورنہ ان کی فہرست طویل ہے۔ اب میں چند مشہور کتب تعبیر جو اس فن سے متعلق ہیں، وہ تحریر کرتا ہوں۔

(۱)..... تعبیر الروایا  
(۲)..... کتاب تعبیر  
(۳)..... کتاب کافی الروایا  
(۴)..... کتاب حقائق الروایا  
(۵)..... کتاب مفرح الروایا  
اس کے علاوہ بھی بے شمار کتب لریہ مختلف زبانوں پر لکھی ہوئی موجود ہیں۔ واللہ الشائق



### محمود عباسی

میزبان: آپ کو ہمارے یہاں آئے کتنے دن ہو گئے؟ کیا آپ کو آپ کے بیچ یا نہیں آتے؟  
مہمان: ہاں! وہی! آپ نے میرے دل کی بات کہہ دی، میں بھی سوچ رہا تھا کہ انہیں فون کر کے یہاں بلواؤں۔

(انتخاب:..... سہیل اعجاز، انٹرنیٹ یا کراچی)

☆.....☆.....☆  
ڈاکو! پھتول لہراتے ہوئے) جو کچھ ہے نکال کر میرے حوالے کر دو۔  
آدی غریب آدی ہوں، میرے پاس کیا رکھا ہے۔  
ڈاکو: ہر تم سے زیادہ غریب ہیں، پھتول خانی ہے، گولی خریدنے کے پیسے نہیں۔

(انتخاب:..... محمد الیاس، ٹاپو کراچی)

☆.....☆.....☆  
ایک بچہ زخمی ناک لے کر پھرتا۔  
ماں نے اس سے کہا: تم اس لڑکے کو پہچان لو گے جس نے تمہیں مارا۔ بچے نے جواب دیا: کیوں نہیں، اس کا کان میری جیب میں ہے۔

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆  
ایک پاگل مینار پر چڑھ گیا، پاگل خانے کے ڈاکٹروں نے اسے اتارنے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہ اترا، آخر کار انہوں نے ایک دوسرے پاگل کو بلایا۔  
دوسرے پاگل نے کہا: نیچے آؤ ورنہ مینار کو فٹنی

سے کاٹ دوں گا۔

پاگل فوراً نیچے آیا تو ڈاکٹروں نے اس سے پوچھا: تم ہمارے کہنے پر تو نیچے نہیں اترے، اس کے کہنے سے فوراً اتر آئے، کیوں، پاگل نے ہنس کر کہا: مجھے یقین تھا آپ مینار میں کاٹیں گے اور یہ تو پاگل ہے، اس کا کیا بھروسہ۔

☆.....☆.....☆

استاد شاکر سے، روشنی کو جملے میں استعمال کرو۔

شاکر: کمرے میں اندھیرا ہے۔

استاد: اس جملے میں روشنی کہاں ہے۔

شاکر: جناب لائٹ بجلی ہوئی ہے۔

(انتخاب:..... نیلماں ناز بٹ نظر محمد، میر پور خاص)

☆.....☆.....☆

ایک بچہ جراب میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کسی آدی نے اس سے پوچھا: یہ کیا کر رہے ہو۔

تو اس نے جواب دیا: جنت میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔

آدی نے کہا: مگر وہ کیسے؟

بچہ: یہ میری امی کی جراب ہے۔

(انتخاب:..... احمد علی صدیقی، واہ، کینٹ)

☆.....☆.....☆

استاد: عینک کے بارے میں کچھ بتاؤ؟

شاکر: جناب عینک اس بلا کا نام ہے جو کسی کی

ناک پر بیٹھ کر اس کے کان بکڑے۔

☆.....☆.....☆

استاد: روشنی کا مرکز کیا ہے؟

شاکر: (مصویت سے) جناب روشن دان۔

☆.....☆.....☆

صاحب (بیرے سے) کھانے کے بعد یہ مجھے

کون سی کافی پلا دی ہے کہ شیطانی ہونے لگا ہے، جلدی

سے کچھ لاؤ تاکہ کثرت اتر جائے۔

بیرا: یہ لیجئے حضور۔

☆.....☆.....☆

صاحب: یہ کیا ہے؟

بیرا: بیل ہے جناب۔

☆.....☆.....☆

استاد: (عذیم سے) والد کا مونٹ بتاؤ۔

عذیم: خالہ

استاد: وہ کیسے؟

عذیم: میرے والد کا مونٹ خالہ ہی ہے۔

☆.....☆.....☆

استاد: ہر فوک جملے میں استعمال کرو۔

شاکر: پانی ٹھنڈا ہے۔

استاد: اس جملے میں ہر فوک کہاں ہے۔

شاکر: جناب وہ پھل بجلی ہے۔

☆.....☆.....☆

استاد: موملا دھار کو جملے میں استعمال کرو۔

شاکر: سر، مجھے موملا دھار کا مطلب نہیں معلوم۔

استاد: اس کا مطلب ہے بہت سخت زور ہے۔ اب

جملہ بتاؤ۔

شاکر: دل میں موملا دھار دوڑا۔

☆.....☆.....☆

عاصم: لو کبھی تو خبر لی لایا ہوں۔

اشی: اچھا تو اسے الماری میں رکھ دو۔

☆.....☆.....☆

پہلا دوست: دو کچھ تو ہمیں صابن کھاری ہے۔

دوسرا: نہیں تو کھن کھاری ہے۔

تیسرا: یار کبھی باتیں کر رہے ہو، دیکھ نہیں رہے تو تھ

پیٹ کر رہی ہے۔

☆.....☆.....☆

مسافر: (بچے سے)

یہ سڑک کہاں جاتی ہے۔

بچہ: یہ تو ہمیں ہی ملتی رہتی ہے۔

(مضمون: فیصل آباد)

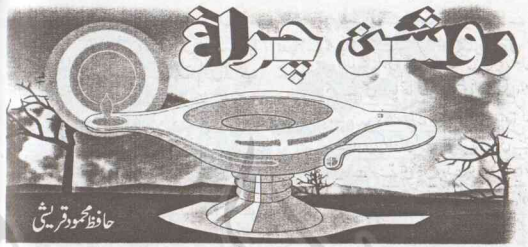


## A black and white photograph showing a Ferris wheel on the left and a large, abstract, dark sculpture on the right. The sculpture has a bulbous, rounded form with some internal structural lines visible. The background is dark and indistinct.

طیبہ طاہرہ

ناتا باؤ نے چائے پینی ہے، سب کہتے ہیں کہ بڑے ہو جاؤ گے گھر جانا کہتا ہے کہ میں ماموں جتنا ہو گیا ہوں، میں بڑا ہو گیا ہوں اور اس کو چھوٹی سی نظم بھی یاد ہے۔ اور کبھی کہتا ہے کہ میری سرائیکل میں تل نہیں، میں نے پیڑوں ڈالوائے، اب تانستے ہیں کہ سرائیکل میں پیڑوں نہیں ڈالنا کہتا ہے کہ آپ جھوٹ بولتے ہو ڈالنا سہو اس کفاروں کے کام بھی آتے ہیں اور اس کا تاننا بھی معلوم ہے کہ ہماری کفرانازی ہیں، ہر نماز کے وقت تانا اور ماموں کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، اگر اکی کی بات نہ مانے تو ای ناراض ہو جائے یا کہے کہ میں ماموں گھر چلی جاؤں گی تو ای کہیں سے لاؤ گے تو کہتا ہے بازار سے خرید لاؤں گا، اس کے ماموں کہتے ہیں کہ بازار سے نہیں ملے تو کہتا ہے کہ اللہ پاک سے دعا کیے اللہ دے دیں گے اس بات پر سب تانستے ہیں، بچپن بھی تھے سبہانے ہوتے ہیں، خود کو معلوم نہیں کہ کون یا باتیں کر رہے ہوتے ہیں، پھر جب بڑے ہوتے ہیں تو بچپن کی باتیں ان کو بتائیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو ایے نہیں کہتے تھے بچپن تو بچپن ہی ہوتا ہے، ہر گھر گوارو پریشانی

Courtesy [www.pdfbooksfree.pk](http://www.pdfbooksfree.pk)



ماں کا لفظ آتے ہی بے لوث محبت، شفقت اور محض نیک کا احساس ہوتا ہے۔ ماں محبت و رحمت کا سرچشمہ ہے۔ ماں کی آغوش کا کوئی نعم البدل نہیں۔ ماں ربکم کی طرح نرم و مہربان وقت پڑنے پر پہاڑوں کی طرح سخت ہو جاتی ہے۔ ماں صرف ماں ہوتی ہے۔ محبتیں باطنی اور لطیف ہوتی، اپنا تن و سن بچھار دے اور قربان کرتی ہوئی، چاندنی پھیلائی ہوئی اور ہر دکھ درد اپنے دامن میں پیٹتی ہوئی..... پرجائے کیوں جب یہی ماں ساس بنتی ہے تو لفظ کے معنی اور حقیقت بدل جاتے ہیں۔ ماں کا لفظ اپنے اندر جو عظیمی اور علادت لئے ہوئے ہے، ساس میں تبدیل ہوتے ہی کڑواہٹ اور سختی کا تاثر دینے لگتا ہے۔ ساس کا لفظ آتے ہی ایک ناخوشگوار، ایک تلخی اور ایک نفرت کا احساس ہوتا ہے۔ وہی گھر جو ماں کی محبتوں، شفقتوں اور قربانیوں سے گھر بنتا ہے، ماں کے ساس بننے یا ناقابل و رقابتوں اور جانچوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ ماں جب ذاتی بھی ہے تو لہجہ میں ڈانٹ مگر پھرے پر سکراہٹ چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ ساس بننے ہی چہرے کا زاویہ، بولنے کا لہجہ اور زبان کی خاص جہل بدل جاتی ہے۔ اس جب تلخی تو سراپا رحمت اور چھاؤں تلخی۔ جب ساس بنی تو رحمت زحمت میں اور چھاؤں تلخی میں بدل گئی..... لیکن ایسی بے شمار ساسیں بھی ہیں جو حقیقت میں ماں کا نعم البدل ہیں اور انھیں جن کا وجود سراپا نیر برکت اور رحمت ہے اور تھا۔ وہ تیز و دھوپ میں گھٹنا سایہ، اندھیری رات میں روشن چراغ اور مایوسیوں میں امید کی کرن ہیں اور نہیں..... چراغ میں چراغ جلتا ہے اور نیکوں کی دعوت گھڑتا ہے کہ وہ بھی آگے بڑھیں اور ایسی شمعیں ساسوں کے متعلق ہیں ہو جائے۔ یہ سلسلہ جنہوں کی دعوت گھڑتا ہے کہ وہ بھی آگے بڑھیں اور ایسی شمعیں ساسوں کے متعلق ہیں لکھ کر بھیجیں جن کے وجود سے ماں کی خوشبو اور مہک آتی ہے۔

امید ہے آپ کی نگارشات سے یہ سلسلہ سچا اور جاری رہے گا

ہم نے روشن چراغ میں بہت سی لڑکیوں کو قلم ہستی کے بارے میں لکھیں، لیکن ہمت ہی نہیں ہوتی تھی، ہستیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے پڑھا ہمیں بہت اچھا لگتا "جب" میں "حیا" میں ہم نے صبا یونس کا مضمون پڑھا تو ہم نے بے کافی مہینوں سے ارادہ کر رہے ہیں کہ ہم بھی اپنی قلم

چار ہے ہیں، وہ ہماری پیاری سی باجی، لیکن اساتذہ ہمارے کبھی بہت اچھے ہیں، سب سے بہت ہی محبت ہے، بسا اوقات انسان کو اپنے اساتذہ میں سے ایک سے کچھ زیادہ ہی محبت و عقیدت ہو جاتی ہے، انہیں میں سے ہماری باجی جان "عکلمہ صلیحہ" ہیں، وہ یہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سی اچھی صفات عطا کر دی ہیں، لیکن میرا قلم ان کے تمام اوصاف قلم بند کرنے سے قاصر ہے، اس لئے ہم ان کی چند صفات کو بیان کریں گے۔

ان کے اندر دُرُغ و تقویٰ بہت زیادہ ہے، حرام کاموں سے بہت دور بھاگتی ہیں، ہمیشہ دوسروں کو بھی اس بات کی تلقین کرتی ہیں کہ حرام سے بچو، کیونکہ حرام کام کرنے سے انسان اپنے رب سے بہت دور ہو جاتا ہے، کیا تم پر رب سے دوری برداشت کرو گے، ہمیں ان کی یہ بات بہت ہی اچھی لگتی ہے۔

انہوں نے ہمیں خاصہ میں تسبیح الضروری، رباعش الصالحین، قصص و سیر پڑھائی، اننا مزہ آیا کہ بیان نہیں کر سکتے، پھر عالیہ میں کبیرہ، مقامات اور عالیہ میں سلم شریف پڑھائی، بہت مزہ آیا، جب بھی حدیث مبارکہ میں عذاب کا تذکرہ ہوتا تو بہت گھبرا جاتیں اور اللہ تعالیٰ سے بار بار عذاب سے پناہ مانگتی، جب جنت کا تذکرہ ہوتا تو کبھی کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جنت میں اکٹھا کرے اور کبھی کہ دعا کیا کرو، ہم سب کا خاتمہ ایمان پر ہو۔ وہ بہت شفیق انسان ہیں، وہ نیچے تو پہلے سالوں میں بھی بہت شفیقت کیا کرتی تھیں، لیکن عالیہ والے سال تو ان کی شفیقت کی کوئی حد ہی نہ رہی، اتنے جذبے کے ساتھ پڑھائی کہ سننے والا اس بات پر مجبور ہو جاتا کہ اس کو قاری جان کی پروا نہیں ہے، عالیہ والے سال سبق زیادہ

ہونے کی وجہ سے وقت کم ہوتا تھا، وہ ہمیں تہذیبی اول کا کتاب الاحکام اور کتاب الزکات پڑھا یا کرتی تھیں، چونکہ دن میں وقت نہیں بچتا تھا اور غریب کے بعد باقی کتابوں کے حکمران کا وقت ہوتا تھا تو وہ گھر میں ان کے بارے میں

سازمے بارہ بھی سبق پڑھا یا کرتی تھیں، سبق سے چھٹی کرنا باکل گوارا نہیں کرتی تھیں، چاہے کتنی بھی پیار ہوں اور نہ ہی ہم نے کبھی سوچا تھا کہ باجی چھٹی کرے گی، ہم جب ان کے پاس جاتے تو ان کا یہ سوال لازمی ہوتا کہ کتنی تسبیحات اور لون کون ی کرتی ہو، جب ہم بھی کہتے کہ کم تو تسبیحات کرتے ہی نہیں، وقت ہی نہیں ہوتا تو مغرب ہم جاتیں پھر تسبیحات کے فضائل خوب سناتیں اور ہم یہ عزم کر کے اٹھتے کہ اب تسبیحات کبھی بھی نہیں چھوڑتی۔

جتنے سال ان سے پڑھا، بہت اچھا وقت گزرا، اب ان کے ساتھ رہے ہوئے پڑھاتے ہیں تو بھی بہت اچھا وقت گزر رہا ہے۔

جس دن ہمارا آخری دن تھا تو کبھی اساتذہ ہمارے کمرے میں آئے، کبھی بہت پریشان تھے، باجی تو بہت ہی زیادہ پریشان تھیں، سلام لینے ہوئے کہتے جاری تھیں کہ پڑھاتے ہوئے اگر مجھ سے غلطی ہو گئی تو دل کی گہرائیوں کے معاف کر دینا کیونکہ حقوق العباد تو بندے کے معاف کرنے سے ہی معاف ہوتے ہیں۔

ہماری اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ باجی جان کو ہمیشہ اپنے سایہ رحمت میں رکھے اور ان کو اپنی حفظ خانہ میں رکھے، ان کا حال و مستقبل خوشیوں بھرا ہو، ان کی زندگی میں کوئی غم نہ ہو، ہمیشہ سکرانی رہیں، آمین شاہ آخیں آخر میں ہماری ان کے لئے یہ دعا بھی ہے:

دعا کی صورت میں اس کی خاطر میرے ہونٹوں سے جو بھی لفظ نکلے میری آنکھوں سے جو بھی لفظ نکلے تو اس کے بدلے میں اے خدا جب بھی اس کا نصیب لکھا عروج لکھنا کمال لکھنا کبھی نہ لفظ زوال لکھنا





قارئین کے قلم سے

”ماہنامہ حیا“ کی قاریات کے لئے ایک رنگارنگ انتخاب جو آپ کے پیچھے ہوئے شہ پاروں، ادنی نگارشات اور آپ کی اپنی تخلیقات سے آراستہ کیا جا رہا ہے۔ ”گلدستہ حیا“ آپ کی منتخب کی ہوئی خوشبو سے معطر ہے۔ تاہم تحریر کے انتخاب کے وقت اس کے مینڈا کا ضرور خیال رکھئے۔ تحریر صاف اور ایک لائن چھو کر لکھئے۔ جس کتاب یا مصنف یا شاعر کے کلام سے تحریر اخذ کی گئی ہے اس کا حوالہ بھی ضرور دیجئے۔

## اسلام کی پہلی شہید خاتون حضرت سمیہ بنت خیاط رضی اللہ تعالیٰ عنہا

”..... اسلام کی پہلی خاتون شہید کا پورا نام سمیہ بنت خیاط رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا، وہ ایم جاہلیت میں کہہ کے ایک رئیس ابوہذیفہ بن امیہ کی کنیز تھیں، اسی زمانے میں یمن میں ایک غسانی انش شخص یاسر بن عامر اپنے بھائی کی تلاش میں مکہ پہنچے اور وہیں مستقل رہائش اختیار کر کے ابوہذیفہ بن امیہ کے حلیف بن گئے۔ اس نے حضرت سمیہ کی شادی یاسر بن عامر سے کر دی، پھر حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو بیٹے حضرت عبداللہ اور عمار پیدا ہوئے، جب حضرت عمار پیدا ہوئے تو ابوہذیفہ نے انہیں اڑا کر دیا..... حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شمار ان بلند پایہ صحابیات میں ہوتا ہے، جنہوں نے اسلام کی راہ میں سخت ترین آزمائشوں کا سامنا کیا، حضرت سمیہؓ نے باوجود اس کے کہ آپؐ کو زور و ضعیف تھیں سخت تکالیف برداشت کیں، لیکن ہر لمحہ حق کہنے سے باز نہ آئیں، آپؐ کا شمار کے ان سات افراد میں ہوتا ہے، جنہوں نے ابتدائی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت خیاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت سمیہؓ کے بیٹے) حضرت سمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپؐ کے شوہر (حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یہ وہ لوگ تھے، جنہوں نے نہ صرف بدلے سے داعی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز حق

پر لبیک کہا، بلکہ اپنے عمل سے بھی ثابت کیا کہ ان کا جذبہ اور ایمان واقعی صادق ہے، اس وقت جب قبائل عرب جہالت اور بے راہ روی کی اندھا دھند تقلید میں حق اور باطل کے فرق کو فراموش کر چکے تھے اور اپنے عقائد و رسوم سے ایک رائج بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھے، ان افراد کا اسلام قبول کرنا کفار مکہ کو کھلی مخالفت کی دعوت دینا تھا، لیکن اس چھوٹے سے خاندان (شوہر حضرت یاسر بن عامر، فرزند حضرت عمار اور حضرت سمیہؓ) نے نتائج و مصائب سے بے راہ ہو کر پرچہ توحید کو مضبوطی سے تھام لیا..... مشرکین نے اہل حق کے ان پروانوں کو طرح کی تکلیفیں دیں، بھارت سمیہؓ بحیثیت عورت اور صبیحہ نازک تھیں، لیکن انھوں نے ان کے شوہر اور فرزند کے ہمراہ انہیں بھی سخت سزا دیں، ان لوگوں نے آپؐ کو بے کسی زدہ پہنا کر تہمتی ہوئی جو بپ میں لٹوا کیا تاکہ کہہ دیتے ہوئے سورج کی تیش سے بے لولو گرم ہو کر آپؐ کے جسم کو آذیت ناک جلان دے، تاکہ آپؐ تک نہ گئے باز آ جائیں، مگر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان مقدس حسنین کی رگ و پے میں اس درجہ راسیت کر چکا تھا کہ کسی صورت میں بھی یہ واپس شرمک کی طرف لوٹنے کے لئے تیار نہ ہوئے..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ادھر سے گزرے تو ان کی حالت دیکھ کر فرماتے: ”ایسا یار! صبر کرو اس کے بدلے میں تمہارے لئے جنت ہے.....“ دن بھر طرح طرح کی مہمتیں اور تکلیفیں برداشت کر کے جب شام کو نجات ملتی تو گھر آتیں، ایک مرتبہ جب واپس گھر آئے تو ابوہذیفہ نے انہیں بہت برا بھلا کہا شروع کر دیا اور پھر اس کا عصا تازیہ ہوا کہ اٹھ کر ایسی برچی ماری کہ حضرت سمیہؓ شہید ہو گئی۔ جب حضرت سمیہؓ نے اسلام کی راہ میں سب سے پہلی شہید ہونے کی دولت کا اعزاز اڑایا تو حضرت عمارؓ کو اپنی والدہ کی مرگ کے کسی کا سخت صدمہ ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ”حضرت اب تو حد ہو گئی“ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی تاکید کی اور بارگاہِ خداوندی میں یوں دعا فرمائی: ”اے اللہ! اس یاسر کو درج سے پیچھے، حضرت عمارؓ کو دینا جو میں نے حیثیت سے اپنی ماں کی درود کا شہادت کوئی قبول نہیں کئے تھے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت سمیہؓ کے بے کسی اور تکلیف جو بھی اسلام کی تاریخ رقم ہوگی، پورے دیکھ اور سب کے ساتھ رکھ دیا جائے گی، یہی وجہ ہے کہ خود رو کو میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ابوہذیفہ کا ظلم اور حضرت سمیہؓ کی تکلیف اور یہی، چنانچہ رضوان المہر اک ۲ھ میں جب معرکہ بدر پیش آیا اور اس میں ابوہذیفہ بہتم واصل ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ میں یاسرؓ بلا کر فرمایا..... اللہ تعالیٰ نے تمہاری ماں کے قاتل سے بدلہ لے لیا، یہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی بات ہے۔ حضرت سمیہؓ ہمیشہ ہمیش کے لئے حیات ابدی انعامات الہی حاصل کر کے راتوں میں چلی گئیں اور اپنا شمار امراء فہرست میں شروع میں درج کر دیا کہ ایک سنت کی افتتاح کی کہ جس پر آپؐ کی مظلومیت کے بعد لاکھوں نہیں، کروڑوں مسلمان چلتے رہے اور قیامت تک چلتے رہیں گے اور مکہ کے لوگوں کو کھٹوں کے باپ نے دنیا سے ابوہذیفہ، جہالت کا باپ لقب لے کر ہمیشہ ہمیش کے لئے ذلت و خواری اور ابدی جہنم لے لیا، یہاں تک کہ دو کسٹن بچوں کے ہاتھوں دنیا میں ذلیل ہو کر مارا گیا۔ (اور اللہ پاک کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ سخت ہے)

☆☆☆☆

## قرآن اور سائنس

☆..... قرآن کیا ہے اور سائنس کیا ہے اور ان دونوں میں کیا مماثلت ہے؟ تو سنئے: قرآن علوم اور معرفت کا

خزانہ ہے جبکہ سائنس ایک علم کا نام ہے قرآن لاریب کتاب ہے اس لئے کہ اللہ نے نازل کیا اور جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نازل ہوا۔ سائنس میں "سائنس" یعنی عربی زبان کا لفظ ہے اس کا معنی ہے ریسرچ کرنا، ماٹوڈ اور ریسرچ کب شروع ہوئی؟ جب پیچیدہ آئے اور پیچیدہ کتاب نازل ہوئی، گویا کہ سائنس کا بانی قرآن ہے، کیونکہ قرآن مجید میں تقریباً ساڑھے سات سو مقامات پر سائنس کی طرف اشارہ ہے۔ تو پھر غور کیجئے آج جدید دور کی سائنسی تحقیق کیا ہے اور آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل قرآن نے کیا کہا۔

☆ سائنس کی تحقیق ہے کہ زمین گردش میں ہے۔ ☆ قرآن نے کہا: الذی جعل لکم الارض مہذا ☆ سائنس کی تحقیق ہے کہ سورج اور چاند حرکت میں ہے۔ ☆ قرآن نے کہا: الشمس والقمر

بحسبان

☆ سائنس کی تحقیق ہے کہ تمام یارے اپنے محور میں گھومتے ہیں۔ ☆ قرآن نے کہا: کل فی فلک یسبحون

☆ سائنس کی تحقیق ہے کہ چاند سورج کی روشنی کو منعکس کرتا ہے۔ ☆ قرآن نے کہا: وجعل فیہا سراجاً وقمراً منیراً..... وجعلنا سراجاً وهاجا

☆ سائنس کی تحقیق ہے کہ زندگی کی ابتداء پانی سے ہوئی۔ ☆ قرآن نے کہا: وجعلنا من الماء کل شئی حی..... والخلق کل دابة من ماء

☆ سائنس کی تحقیق ہے کہ جب پودے یا جنی بذی کر لیتے ہیں تو ایک بزرگ کا مادہ لگتا ہے، جسے کارڈول کہتے ہیں۔ ☆ قرآن نے کہا: فاخرجنا منہ خضر اخرج منہ حياً

☆ سائنس کی تحقیق ہے کہ کائنات کی ابتداء گیس مادے سے ہوئی جو کہ بائیزروجن جیسے عناصر سے مرکب کی گئی تھی، گویا ابتداء میں یہ کائنات دھواں تھی۔ ☆ قرآن نے کہا: ثم استوی الى السماء وهي دخان

☆ سائنس کی تحقیق ہے کہ ۱۹۲۸ میں کوپلر کی سب سے بڑی پچھلی نے یہ انکشاف کیا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ ☆ قرآن نے کہا: والسماء بینہا باید والاعمال مسعون

☆ فلکیات اور ارضیات کے مشہور ماہر سر جیمز کایال ہے کہ زمین سکڑ رہی ہے۔ ☆ قرآن نے کہا: ولهم یروا اناتالی الارض نقصاناً من اطرافها

☆ سائنس کے اصول، ارش مسدس کا نظریہ ہے کہ سمندر میں چھوٹا سا پتھر ڈالو تو وہ ڈوب جائے گا، لیکن بڑا رولن ڈالتی ہوا تیرتا رہے گا۔ ☆ قرآن نے کہا: ولہ الجوار المنشأت فی البحر کالاعلام..... یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے فرمایا: عافطنا فی الکتاب من شئی ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین

☆ امام بیہقی رحمۃ اللہ نے بہت پیاری بات بھی فرماتے ہیں:

ترجمہ: "جس شخص کا اللہ نے ذہن و بصیرت سے نوازا ہو اس کے لئے کائنات کی ہر چیز کا استخراج قرآن سے ممکن ہے" گہری نظر سے قرآن کا مطالعہ کرنے والے حضرات فرماتے ہیں کہ قرآن میں علم طبیعیات بھی ہے کیونکہ قرآن

میں بہت سے شراذیم اشیا کی طبائع کا ذکر ہے۔ ☆ اس میں طرفیات بھی ہے۔ خلق الانسان عجولاً..... ترجمہ: "انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے"

☆ اس کتاب میں علم فلکیات بھی ہے۔ الم قرو کیف خلق اللہ سبع سموات طباقاً..... وجعل القمر

فیہن نوراً وجعل الشمس سراجاً..... ترجمہ: "کیا تم نے نہیں دیکھا، کیسے بنائے اللہ نے آسمان تہہ در تہہ اور رکھا چاند لٹکان میں اچالایا کر اور سورج کو چراغ چلے ہوا۔"

☆ اس میں علم ارضیات بھی ہے۔ واللہ جعل لکم الارض بساطاً لتسلكوا منہا سیلاً فجاءاً..... ترجمہ: "اور اللہ نے بنادیا تمہارے لئے زمین چھوٹا سا کچلا سا پر کشادہ راستوں میں۔"

☆ اس کلام مقدس میں علم جہازات بھی ہے۔ وجعلنا فی الارض روساً ان تعبدہم..... ترجمہ: "اور رکھو یہ تم نے زمین میں تمہاری بوجہ (ہیڈز) تاکہ یہ (انسانوں کو) لے کر جگمگ نہ جائے۔"

☆ اس میں علم مناظر بھی ہے۔ لو کان فیہما الہة الا اللہ لقد فسدنا..... ترجمہ: "اگر زمین اور آسمان میں اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا اللہ ہوتا تو فساد ہو جاتا۔"

☆ اس میں علم انش بھی ہے۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم..... ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد کے معاملے میں نصیحت کرتا ہے (میراث کی بات)"

☆ اس میں علم ہیئت بھی ہے۔ اولم یبظر وافی ملکوت السموات والارض..... ترجمہ: "کیا انہوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمینوں کی ملکوت میں۔"

☆ اس میں علم ہندسہ بھی ہے۔ انطلقوا الی ظل ذی ثلث شعب..... ترجمہ: "چلو اس دھوئیں کے سائے کی طرف جس کی تین شاخیں ہیں۔"

☆ اس میں علم طب بھی ہے۔ شراب مختلف الوانہ فیہ شفاء للناس..... ترجمہ: "شراب میں مختلف رنگوں کی شے میں شفاء ہے لوگوں کے لئے۔"

☆ اس میں علم حساب بھی ہے۔ لتعلموا عدد السنین والحساب..... ترجمہ: "تا کہ تم جان لو شکی اور قمری حساب کو۔"

☆ اس میں فلاحت (کاشت کاری) بھی ہے۔ افراہتم ما تخرجون..... ترجمہ: "کیا تم دیکھتے ہو جو کچھ تم بوتے ہو۔"

☆ اس میں علم سیاحت بھی ہے۔ قل سیر وافی الارض فانظروا..... ترجمہ: "اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دیجئے کہ زمین میں گھومیں پھریں اور غور فکر کریں۔"

☆ اس میں علم تصوف بھی ہے۔ ان اللہ یحب التواہن، ان اللہ یحب المتطہرین واللہ یحب الصبرین..... ترجمہ: "اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ پاک صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

☆ اس میں علم تاریخ بھی ہے، کیونکہ سیکڑوں آیات میں سابقہ اقوام اور ہم کے حالات مذکور ہیں۔ ☆ اس میں علم کتاب بھی ہے۔ علم بالقلم..... ترجمہ: "ہم نے تعلیم دی قلم کے ذریعے۔"

☆ اس میں علم وزن بھی ہے۔ واولو الکیل والمیزان..... ترجمہ: "اور پورا کرو ناپ تول۔"

☆ اس میں علم تعمیر بھی ہے۔ وعلمتہم من تاویل الاحادیث..... ترجمہ: "اور اسے پروردگار تو نے مجھے خوابوں کی تفسیر سکھائی یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شئی

☆ جب علماء کرام نے قرآن میں غور فکر کیا اور اس کی ریکارڈ کیا تو حیران ہو کر پکارا گئے۔ کلام



اللہ لاحد لمحاحدہ ولاعد لمحاکمہ وماء لاساحل لہ..... ترجمہ: ”وہ ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔“  
اور جب سائنس دانوں نے سائنس میں ترقی کی اور کائنات کی بارکیوں کو یکجا تو چلا اٹھے۔  
وہنا مخالفت ہذا باطلًا: صنع اللہ الذی اتقن کل شئی فیتبارک اللہ احسن الخالقین  
اور انشاء اللہ اب وہ وقت دور نہیں جب غیر مسلم سائنس دان کائنات کی بارکیوں کو یکجا کر کے اختیار چلا اٹھے گے۔  
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ

(انتخاب)..... اتر ایشیاء ترقی، مدبر اسلام آباد اسلامی کانفرنس کراچی)

☆.....☆.....☆

## پروے کا حکم

☆..... پروے کا حکم علماء کا ایجاد کردہ نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کا حکم ہے جو قرآن سے ثابت ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ”اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادر کا لیا کریں۔“ (سورہ الزاب: آیت ۵۹)

”چادریب“ چادریب کی جمع ہے ایسی بڑی چادر کہ کہتے ہیں جس سے پورا بدن ڈھک جائے، اپنے اوپر چادر لٹکانے سے مراد اپنے پیچھے سے اس طرح گھونگھٹ لٹکانا ہے کہ جس سے پیچھے کا بیشتر حصہ بھی چھپ جائے اور نظریں چھک کر چلنے سے اسے راستہ بھی نظر آتا جائے، پاک و ہند یا دیگر اسلامی ممالک میں برقعہ کی مختلف صورتیں ہیں، عہد رسالت میں یہ برقعے عام نہیں تھے، پھر بعد میں معاشرت میں وہ سادگی نہیں رہی جو عہد رسالت اور صحابہ و تابعین کے دور میں تھی، جو رتس نہایت سادہ لباس پہنتی تھی، بناؤ سنگھار اور زیب و زینت کے اظہار کا کوئی جذبہ ان کے اندر نہیں ہوتا تھا، اس لیے ایک بڑی چادر سے بھی پروے کے تقاضے پورے ہو جاتے تھے، لیکن بعد میں یہ سادگی نہیں رہی، اس کی جگہ شہل اور زینت نے لے لی اور عورتوں کے اندر زرق برق لباس اور زیورات کی نمائش عام ہوئی، جس کی وجہ سے چادر سے پروہ کرنا مشکل ہو گیا اور اس کی جگہ مختلف انداز کے برقعے عام ہو گئے، کوس سے بعض دفعہ عورت کو بالخصوص سخت گرمی میں کچھ دھرتی بھی محسوس ہوتی ہے لیکن یہ روزی تکلیف شریعت کے تقاضوں کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی، تاہم جو عورت برقعے کے بجائے پروے کے بڑے یا چادر استعمال کرتی ہے اور پروے بدن کو ڈھانکتی اور چہرے سے صحیح معنوں میں گھونگھٹ لٹکاتی ہے، وہ یقیناً پروے کے حکم کو جانلاتی ہے کیونکہ برقعہ کی کوئی مخصوص شکل ایسی لازمی نہیں ہے جسے شریعت نے پروے کے لئے لازمی قرار دیا ہو، لیکن آج کل عورتوں نے چادر کو بے پردگی اختیار کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے، پہلے وہ برقعہ کی جگہ چادر اوڑھنا شروع کرتی ہیں، پھر چادر بھی غائب ہو جاتی ہے، صرف وہ پیشہ درہ جاتا ہے اور بعض عورتوں کے لئے اس کا لینا بھی گراماں ہوتا ہے، اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے یہ کہا پڑتا ہے کہ اب برقعہ کا استعمال صحیح ہے، کیونکہ جب سے برقعے کی جگہ چادر نے لی ہے، بے پردگی عام ہو گئی ہے، بلکہ عورتیں ہم برقعے پر بھی غور کرنے لگی ہیں، ان اللہ وانا البہد رجعون۔ بہر حال اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں، بیٹیوں اور عام مومن عورتوں کو کھڑے سے باہر نکلنے وقت پروے کا حکم دیا گیا ہے، جس سے واضح ہے کہ پروے کا حکم علماء کا ایجاد کردہ نہیں ہے، جیسا کہ آج

کل بعض لوگ یاد کر لے ہیں یا اس کو واقعی اہمیت نہیں دیتے بلکہ یہ اللہ کا حکم ہے، اس لئے اس کا اعراض، انکار اور بے پردگی پر اصرار کرنا اور فسق تک پہنچا سکتا ہے۔ جب اللہ اور اس کے رسول نے انتہائی تاکید کی الفاظ میں پروے کا حکم دے دیا، اب اگر ساری دنیا پروے کی مخالفت پر چمچ ہو جائے، تمام واکٹر اسے مصر صحت کہ دیں، نام نہاد مفکرین اور سائنس دان اسے ترقی کی راہ کا سنگ گراں کہ دیں، یورپ کی ہنسی کو بھی عقل اسے سوا تہیت پر ظلم کا نام دے، ہماری خواتین پر متحرک خیموں اور کفن پوش جنازوں کی بھینچاں کی جائیں، ہمیں دقیقہ نویت کے طعنے دیئے جائیں، فرنگی کلن، گھر خاندان والے برادری والے ہم سے روٹھ جائیں، ہم یہ سب کچھ برداشت کر لیں گے، سب کو ناراض کر لیں گے لیکن رب کبریا اور اپنے رہبر و رہنما کو ناراض نہیں کریں گے۔

سارا جہاں ناراض ہو پروانہ چاہئے مد نظر تو مرضی جانا نہ چاہئے  
بس اس نظر سے دیکھ کر تو کہہ فیصلہ کیا کیا کرنا چاہئے کیا کیا نہ چاہئے  
اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور تمام قارئین کو شریعت پر درہ اور اس فرض کو زندہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے! آمین

(انتخاب)..... صل بیت حافظہ عبدالواحد، مدرسہ فیض القرآن (لبنات)

☆.....☆.....☆

## ہم کون ہیں؟

☆..... ہم کون ہیں.....؟ یا خدا یا انہیں اور اپنے اسلاف کی کوئی بھی ادا یا نہیں، ہاں اگر ہمیں یاد ہے تو کافروں کے گانے، فلمیں، ڈرامے، لیکن ہمیں مسجدوں سے آنے والی صدا یا انہیں، ہم بنت خوا کو محفل نہایت ہیں اور کتنے سنگدل ہیں کہ رسم کر دیا یا انہیں، ہماری ذلت کا یہی سبب ہے، محبت مند ہوں تو خدا یا انہیں، کام میں مصروف ہوں تو نماز یا انہیں، برائی کریں تو انجام بھول جاتے ہیں، اسباب ان کو لڑکر کہ اس کا خون، بہا کر ہم اپنے آپ کو مسلمان اور انسان کہتے ہیں، یہ کہاں کی انسانیت ہے نظریں اٹھا کر جو دیکھیں تو حیا بھول جاتے ہیں، کھاتے ہیں تو ہم اللہ بھول جاتے ہیں، غصہ میں ہوں تو برداشت بھول جاتے ہیں، اس کے باوجود، وہ بد معاشرت ہمیں نہیں بھولتا، آج ہم کس راہ پر گامزن ہیں، زمانے کی رفتار میں یہ بھی نہیں دیکھتے کہ یہ راہ چھانی کی طرف جاتی ہے یا برائی کی طرف، ہر شخص کی نیت میں بخیر ہے، جے حیاتی اور بے ایمانی عام ہو گئی ہے، ہمارے اندر انسانیت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی، آج ہم مسلمان ہونے کے دعوے کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، ہمیں شرم آتی ہے کہ ہم مسلمان صرف نام کے مسلمان ہیں، آج ہم جو حق و اہمیت سانس لیتے ہیں، وہ زمین پر اللہ کے نیک بندوں اور نیک انسانوں کی وجہ سے ہے، ورنہ اس ملک کا خدا یا حافظ ہے، رب کریم سے دعا ہے کہ ہمیں جاہلیت کے اندھیرے سے نکال کر ہمیں سنت کی روشنی اور ہدایت کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے! آمین خرمین

☆.....☆.....☆

## محبت

☆..... محبت نماز سے ہو تو یوں نجات، بن جاتی ہے۔  
Courtesy www.pdfbooksfree.pk

(انتخاب:..... طبعی طاہرہ عرف ثانیہ شہزادی عرف حلالہ اشفاق، منٹری بہاؤ الدین)

## گناہ..... معاشرت سے اجتناب

☆..... حضرت نعمان بن ابیثرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی لیکن ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں ایسی ہیں جو شبہ ہیں، تو جو شخص مشیت گناہ سے بچے گا وہ بدرجہ اولیٰ ظاہری گناہوں سے بچے گا اور جو شخص مشیت گناہوں کے کرۂ اٹلنے میں جرأت دکھائے گا تو کھلے ہوئے گناہوں میں اس کا بڑا جہانمت زیادہ متوقع ہے اور مصیبتیں اللہ تعالیٰ کا ممنوعہ علاقہ ہیں (جس کے اندر کسی کو جانے کی اجازت نہیں اس کے اندر بلا اجازت گھسنا حرام ہے) جو اگر ممنوعہ علاقہ کے آس پاس جرتا ہے اس کا ممنوعہ علاقہ میں گھس جانا بہت زیادہ متوقع ہے۔ (ملکوتہ، حیاۃ المسلمین، بخاری)

☆.....☆.....☆

## گناہ کا علاج

☆..... حضرت معاذؓ سے (ایک طویل حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے کو گناہ کرنے سے بچاؤ، کیونکہ گناہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو جاتا ہے۔ (مسند احمد)

☆..... حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں تمہاری بیماری اور دو بتلاؤ؟ سن لو بیماری گناہ ہیں اور اس کی دوا استغفار ہے۔ (ترغیب و تنبیہ)

☆..... حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے تو بچ کر نہ والا ایسا ہے جیسے اس کا کوئی گناہ ہی نہ تھا۔ (تبیہ)

☆..... البتہ حقوق العباد میں تو بیکریہ بھی شرط ہے کہ الٰہی حقوق سے بھی معاف کرائے۔ (حیوۃ مسلمین)

☆.....☆.....☆

## گناہوں کی پاداش

☆..... حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم دس آدمی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں حاضر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمائے گئے، پانچ چیزیں ایسی ہیں جن سے میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم لوگ ان کو پاؤ۔

(۱)..... جب کسی قوم میں بے حیائی کے افعال علی الاعلان ہونے لگیں گے، وہ طاعون میں مبتلا ہو جائے گی اور ایسی ایسی بیماریاں میں گرفتار ہوگی جو ان کے بڑوں کے وقت میں بھی نہیں ہوئیں۔

(۲)..... جب کوئی قوم آئے تو ل میں کسی کرے گی، خطہ نخلی کا حکم میں مبتلا ہوگی۔

(۳)..... اور نہیں بندگی کسی قوم نے زکوٰۃ کو کسر میں کیا جائے گا اس سے باران رحمت، اگر بہا نہ نہوے تو کبھی اس پر بارش نہ ہوتی۔

(۴)..... اور نہیں عہد شکنی کسی قوم نے مگر مسلط فرما دے گا اللہ تعالیٰ اس پر اس کے دشمن کو غیر قوم سے، پس یہ جبر

☆..... محبت والدین سے ہو تو فرمانبرداری بن جاتی ہے۔

☆..... استاد سے ہو تو کامیابی و کامرانی بن جاتی ہے۔

☆..... غریبوں سے ہو تو رحم بن جاتی ہے۔

☆..... میریضوں سے ہو تو ہمدردی بن جاتی ہے۔

☆..... انسانیت سے ہو تو گناہوں کی بخشش بن جاتی ہے۔

☆..... وطن سے ہو تو اعزاز بن جاتی ہے۔

☆..... اور اگر یہی محبت اپنے آپ سے ہو تو ویرانوں کے لئے اذیت بن جاتی ہے۔

(انتخاب:..... نیلماں ناز بت نظر محمد، میر پور خاص)

☆.....☆.....☆

## اقوال زریں

☆..... تو بیکرنا آسان اور گناہ چھوڑنا مشکل ہے۔

☆..... غصہ بھی کبھی قابلِ قریب انسان کو بھی بےوقوف بنادیتا ہے۔

☆..... مجرم جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

☆..... خوشی انسان کو اتنا کچھ نہیں سکھاتی جتنا غم سکھاتا ہے۔

☆..... انسان بیماری کے زور سے کھانا چھوڑ دیتا ہے، لیکن عذاب کے زور سے گناہ نہیں چھوڑتا۔

☆..... مال کی نافرمانی کرنا کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے۔

☆..... بڑے بڑے کام کرو، لیکن بڑے بڑے دعوے یاد سے نہ کرو۔

☆..... جلد باز ہمیشہ منہ کے بل کرتا ہے۔

☆..... سب سے خواہ صورت چیز انسان کا ارادہ ہے۔

☆..... پاؤں چمسل جائے تو بچھلے دو گریبان کو نہ بچھلے دو۔

☆.....☆.....☆

## حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت انسؓ کو پانچ نصیحتیں

☆..... حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ باتوں کی نصیحت کی ہے فرمایا:

(۱)..... اسے انس، کامل و شکور و بہمانی پر عز ہوگی۔

(۲)..... جو میرا رشتے لئے، سلام کرو، نیکیاں بڑھائیں گی۔

(۳)..... گھر میں سلام کر کے جایا کرو، گھر کی خیریت بڑھے گی۔

(۴)..... چاشت کی نماز پڑھتے رہو، تم سے اگلے لوگ جو اللہ والے بن گئے ہیں، ان کا یہی طریقہ تھا۔

(۵)..... اے انس! چھوٹیوں پر رحم کرو، بڑوں کی عزت کرو، قیامت کے دن میرا ساتھی ہوگا۔ (بخاری)

بکھرے موتی



لے لیں گے، ان کے اموال کو۔ (ابن ماجہ)

☆..... حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بادشاہوں کا مالک میں ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں اور جب بندے میری اطاعت کرتے ہیں، میں ان کے بادشاہوں کے دلوں کا ان پر رحمت اور شفقت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں، میں ان کے بادشاہوں کے دلوں کو غضب اور عقوبت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں، پھر وہ ان کو سخت تکلیف دیتے ہیں۔ (ابو نعیم)

☆.....☆.....☆.....

## گناہوں کا وبال

☆..... حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: عین قریب وہ زمانہ آ رہا ہے کہ کفار کی تمام جماعتیں تمہارے مقابلے میں ایک دوسرے کو بلا میں لگی جیسے کھانے والے اپنے دست خوان کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، ایک کہنے والے نے عرض کیا، ہم اس وقت شمار میں کم ہو گئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ تم اس روز بہت ہو گے، لیکن تم کوڑا ہو گے جیسے ہوا کی رو میں کوڑا اڑا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں میں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں کزوری ڈال دے گا، ایک کہنے والے نے عرض کیا کہ کزوری کیا چیز ہے۔ (یعنی اس کا سبب کیا ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔ (ابوداؤد)

☆.....☆.....☆.....

## کبار گناہ

☆..... حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بڑے بڑے گناہ یہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شُرک کرنا اور مال باپ کو تکلیف دینا اور بے خطا جان کر قتل کرنا اور چھوٹی ستم کھانا۔ (بخاری)

☆..... حضرت صفوان سے روایت ہے کہ ایک طویل حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی حکم صادر فرمائے۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ کسی نے خطا کو کسی حاکم کے پاس مت لے جاؤ کہ وہ اس کو قتل کرے (یا اس پر کوئی ظلم کرے) اور جا دومت کرو۔ (ابن ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

☆..... اور ان گناہوں پر عذاب کی وعیدیں آئی ہیں، (۱)..... تمہارت سے کسی پر ہنسنا۔ (۲)..... کسی پر طعن کرنا۔ (۳)..... برے لقب سے پکارنا۔ (۴)..... بدگمانی کرنا۔ (۵)..... کسی کا عیب تلاش کرنا۔ (۶)..... بلا وجہ برا بھلا کہنا۔ (۷)..... چغلی کھانا۔ (۸)..... دورویہ ہونا (یعنی اس کے منہ پر دیسا اس کے منہ پر ایسا)۔ (۹)..... بہت لگانا۔ (۱۰)..... دھوکہ دینا۔ (۱۱)..... عار دلانا۔ (۱۲)..... کسی کے نقصان پر خوش ہونا۔ (۱۳)..... تکبر و فخر کرنا۔ (۱۴)..... ظلم کرنا، ضرورت کے وقت باوجود قدرت کے مدد نہ کرنا۔ (۱۵)..... کسی کے مال کا نقصان کرنا۔ (۱۶)..... کسی کی آبرو کو صدمہ پہنچانا۔ (۱۷)..... چھوٹیوں پر رحم نہ کرنا۔ (۱۸)..... بیڑوں کی عزت نہ کرنا۔ (۱۹)..... بھوکوں اور نگلوں کی حیثیت کے موافق خدمت نہ کرنا۔ (۲۰)..... کسی دنیوی رنج سے بولنا چھوڑ دینا۔ (۲۱)..... جاندار کی تصویر بنانا۔ (۲۲)..... زمین پر موروثی کا دعویٰ کرنا۔ (۲۳)..... بٹے کٹے کو بھیک

مانگنا۔ (۲۴)..... داڑھی مٹوانا یا کٹنا۔ (۲۵)..... کافروں یا فاضلوں کا لباس پہننا۔ (۲۶)..... عورتوں کا مردانہ وضع بنانا، جیسے مردانہ جوتا پہننا، اس کے علاوہ بھی بے شمار گناہ ہیں، سب سے بڑا جانا ہے اور جو گناہ نادانی میں ہو گئے، ان سے توبہ استغفار کرنا رہے کہ توبہ سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (حبوۃ السنین)

☆..... بسا اوقات ایک گناہ موخا تکہ کا سبب بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ بہت کبیرا رخصت ہر طرح کے گناہ سے بچائے اور ہمیں زیادہ سے زیادہ نیکی کرنے اور بچیلانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

(انتخاب..... رافعہ بیونہ بی بی، ڈھوکہ ریت)

☆.....☆.....☆.....

## خوشیاں اور غم

☆..... اللہ رب العزت نے جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بچلا بنایا تو اس کو بنانے کے بعد اس پتے پر اتار لیس (۳۹) دن رنج و غم اور پریشانی کی ہوا میں چلا گیا اور صرف ایک دن خوشی اور بے غم کی کی ہوا چلائی، یہی وجہ ہے کہ انسان غم میں زیادہ اور خوش رہتا ہے، کبھی کسی کوئی بدبختی نہیں ہوتی اور دل اداس ہو جاتا ہے۔ دولت عزت یا شہرت ہونے کے باوجود فطرت اور پریشانی انسانوں کا چچا نہیں چھوڑتیں۔

## محسوس عورت

☆..... خداوند کریم نے چاند سے چاندنی، سمندر سے کھربائی، موجوں سے روانی، سورج سے گرمی، شبنم سے تازگی، گلاب سے رنگت، پھولوں سے دل کشی، شہد سے مٹھاس، پھیرے سے شہی، زمانے سے بے وفائی، ہرن سے چال، بٹوے سے آنکھیں، خرگوش سے شرم، مہر سے خوب صورتی اور شیر سے طاقت لے کر عورت کا محسوس تیار کیا ہے۔

## خوشنودی!

☆..... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے فرمایا کہ اے مالک، جب تو خوش ہوتا ہے تو کیا کام کرتا ہے؟ اللہ رب العزت نے فرمایا: جب میں خوش ہوتا ہوں تو بارش برساتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ عرض کیا۔ جب تو اور زیادہ خوش ہو تو؟ تو فرمایا: کہ تب میں بیٹیاں پیدا کرتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا۔ اے مالک دو جہاں جب سے زیادہ خوش ہوتا تو کیا کرتا ہے؟ فرمایا: پھر میں مہمان بھیجتا ہوں!“

## سبق سیکھئے

☆..... چاند سے کہ چاند چاندنی روشنی پورے آسمان پر پھیلاتا ہے لیکن اپنے داغ اپنے سینے تک محدود رکھتا ہے سورج سے مستقل جزائی اور جرات اور پہاڑوں سے مزہ سراج کا درمیان سے توفیق اور برداشت کا کیونکہ اس کی پچھلے پر قدم دل بھی چلتا ہے اور سنگدل بھی اور دیوانوں سے سگرمایاں کا، کیونکہ وہ نکلے کے بدلے سگرمائے کا تحفہ دیتے ہیں اور دشمنوں سے گردار کی بلندی اور اعلیٰ طرفی کا اس لئے کیا گیا ہے کہ گردار اپنا تو کھش شہر بن کر جو سنگ تھکے کار سے شہر عطا کرے“

(انتخاب..... آمنت بھٹی، عید آباد، جلد بی تاؤن، کراچی)

## قرآن کی روشنی میں پردے کے احکام

☆..... تکمیل پر دے کی تلقین قرآن میں:

ترجمہ: ”یعنی“ مجھ کو اپنے گھروں میں اور زمانہ قدیم کی جاہلیت والیوں کی طرح نہ پھرو۔“ یہاں زمانہ جاہلیت میں لاواہلی سے مراد وہ جاہلیت ہے جو اسلام سے پہلے دنیا میں پھیلی ہوئی تھی، یا پھر اس کے بعد دوسری بھی کوئی زمانہ جاہلیت آنے والی ہے جس میں اس طرح کی بے حیائی، بے پردگی پھیل جائے گی، وہ اس زمانے کی جاہلیت سے جس کا آج کل مشاہدہ ہو رہا ہے، اس آیت میں پردے کے متعلق اصلی حکم یہ ہے کہ عورتیں گھروں میں رہیں، یعنی بلا ضرورت شریعہ باہر نہ نکلیں، اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا: جس طرح اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت کی عورتیں اعلان بے پردہ پھرتی تھیں، اس طرح نہ پھرو۔

نقذہ: ”تہرج“ کے اصلی معنی ظہور کے ہیں، اس جگہ مراد اس سے اپنی زینت کا اظہار ہے، غیر مردوں کے سامنے:

اول: ..... اصل مطلوب اللہ کے نزدیک عورتوں کے لئے یہ ہے کہ گھروں سے باہر نہ نکلیں، ان کی پیدائش گھر کیلواہوں کے لئے ہوئی ہے، اصل پردہ جو شرعاً مطلوب ہے، حجاب بالعبودیت یعنی گھر کے اندر رہنا ہے۔ دوسری: ..... اگر بعض عورت کو گھر سے نکلتا ہے تو اپنی زینت کو ظاہر کرے، بلکہ زینت کو برقعہ یا بڑی چادر میں چھپا کر نکلتی۔

قرآنی اہلیوت واجب کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے لئے گھر سے نکلتا منع ہے، جو زینت کے ساتھ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مبارکہ میں ضرورت کے لئے گھر سے باہر نہ نکلنے کا ذکر فرمایا: ترجمہ: ”تمہارے لئے اس کی اجازت ہے کہ اپنی ضرورت کے لئے گھر سے نکلو“ (رواہ مسلم) جبکہ ازواجِ مطہرات نکلتی تھیں تو اپنے گھروں سے باہر درج و عمرہ والدین سے ملاقات کے لئے عزیزوں کی پیار پری اور تعزیت وغیرہ اور غم اور خوشی میں شرکت کرتی تھیں۔

(انتخاب: ..... روایت بنت محمد اکرم، معلق جامعہ تراث الاسلام، کراچی)

☆.....☆.....☆

### ملفوظ

☆..... انبیاء علیہم السلام قبل از نبوت بھی معصوم ہوتے تھے، یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اپنے بلکہ غیر مسلم بھی اس کی شہادت دیتے ہیں جو تاریخ دان انصاف سے غور کرتے ہیں اور بیہوش کی زندگی سے من جملہ کچھ واقفیت رکھتے ہیں، انہوں نے شہادتیں دی ہیں کہ دنیا میں ایسا کامل اور مکمل انسان جس کی زندگی پر حرف و کلمے کی تمجاش نہ ہو، وہ صرف اور صرف جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکت ہے۔ (خطباتِ حکیم الاسلام، قاری محمد طیب)

(انتخاب: ..... ابو محمد ساجد سین)

☆.....☆.....☆

## حیا کی محفل



پیاری بہنوں، السلام علیکم!

آپ کے خطوط میرے سامنے ہیں، اپنی پوری ٹیم کے ساتھ میں آپ کے خلوص و محبت کا شکریہ ادا کرتی ہوں، آپ کے مشورے اور آپ کی ہدایت ہی ہمارے لئے مشکل سوانح آسان بناتی ہیں! اچھی بہنوں اور بھائیوں، شکایت سر آنکھوں پر کہ کہانیاں اور افسانے آئے ہیں، میں شک کے برابر نہیں، لیکن یہ گھٹو ہمیں کرنا چاہئے، آپ اپنے رسالے کے لئے اس کے معیار کے مطابق لکھئے: ”میری پسند“ سلسلہ اس کے شرار سے شروع کیا جا رہا ہے، منتخب اشعار پیچھے اسی طرح ”روپ بہروپ“ کے لئے بھی لکھنا شروع کر دیں آپ کے مضامین اور خطوط کی منتظر

مہر افروز مہر

✉ آمدن بینت طفیل سعید آباد، بلدیہ ٹاؤن، کراچی سے لکھی ہیں: انتہائی قابلِ صدا احترام مدبرہ امید ہے کہ آپ اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے ایمان اور صحت کی بہترین حالت میں ہوں گی، آپ نے مجھے ناچیز کی چند چیزوں کو شایع کیا، باقی آپ کی بہت بہت مہربانی..... اللہ رب العزت اپنے فضل و کرم سے اس کا اجر دینا و آخرت میں عطا فرمائیں آمین..... ذی الحجہ کے شرارے میں ماہنامہ ”حیا“ کی تمام کہانیاں شائع کرنا تھیں، لیکن انسدادِ مذہب کی کہانی ”فتح عالم“ اور حافظہ زبیدی کی کہانی ”کھانے پینے کے آداب“ بہت عمدہ لگے، کیونکہ کہانی ”فتح عالم“ پڑھ کر میں ایک بات آئی کہ آج کے دور میں ہمارے بزرگ اگر ہمیں بھیجتے کریں یا بیانی سے منع کریں تو قوی طور پر جذبات میں آکر غصہ نہ کریں، کیونکہ ہمارے بزرگ، ہمارے بڑے ہماری اصلاح کی خاطر کرتے ہیں، حافظہ محمد زبیدی کی تحریر پڑھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ خاتونوں کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہوئیں، اللہ رب العزت ہم کو ان سب باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین..... افسوس جاوید اقبال نے تحریر کیا: ”نگاہ پر نظر پڑتی تو یہ بات حیا نہایت پسند آئی، کیونکہ اس سے یہ بات دل میں محسوس کی کہ اللہ رب العزت کا ہم سب پر بہت فضل و کرم ہے کہ ہمیں ہمارے گناہوں پر فوراً سزا نہیں دیتے، بلکہ انسان کو کہلات دی گئی ہے کہ اگر گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ اختیار کر لیں تاکہ اللہ کی پکڑ سے حفاظت ہو۔

☆.....☆.....☆

✉ حافظ وکیل احمد ملک، بن محمد بقی، ضلع ساکھڑے، لکھتے ہیں: السلام علیکم، جناب مدبرہ صاحبہ امید ہے کہ ”حیا“ کی پوری ٹیم خیر و عافیت سے ہوگی ماہنامہ ”حیا“ پڑھ کر طبیعت خوش ہوئی اور یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ ہمارے ملک



میں ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے لئے انتخاب اور مراد یہ ہے کہ آج کل لوگوں نے گندمی، بے ہودہ اور غلطی مضامین اور تصاویر کو رسالوں میں ڈال کر آمدنی کا کندہ ذریعہ بنالیا ہے۔ آپ اور آپ کے رسالے میں لکھنے والے تمام حضرات تعریف کے مستحق ہیں کہ وہ ایک نہایت ہی نیک و قابل شخص کا انجام دے رہے ہیں، میں "حیا" رسالے کا پہلا قاری ہوں اور یہ میرا "حیا کی محفل" میں بخاطر ہے، جب میں نے فروری کا "حیا" شمارہ پڑھا تو "حیا کی محفل" میں لکھنے کو بخاطر قبول کیا، چاہا اس لئے کاغذ اور قلم اٹھا کر لکھنا شروع کیا، اللہ باری نے میری ہمت میں آسمانی، جس میں قابل تعریف "جشن عید میلاد النبی، مولانا محمد تقی عثمانی اور "ایک زندگی ایک کہانی" اس حیات ہنگوار اور طغٹان دے "مفتی محمد ساجد مسکن" غرض اطلاق کی تحریر ہیں، اس کے علاوہ بھی تمام تحریریں بہت عمدہ ہیں اور اب ایک واقعہ "شرق کی شہزادی" کے نام پر تحریر بھیج، ماہوں، امید ہے کہ ضرور شائع کریں گی، دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارا "حیا" کی انتظامیہ کی طرف سے دین کے کام میں لگائے رکھے اور ان کی ترقی و ترقی عطا فرمائے آمین

محترم حافظ وکیل صاحب "حیا" کی پسندیدگی کا شکریہ آپ کی تحریریں میں قربت سراسر ملنے کی زینت بنے گی۔

☆.....☆.....☆

✍️ تیلماں ناز بنت نظر محمد میر پور خاص سے لکھتی ہیں: پیاری اور سونٹ بابی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید کرتی ہوں کہ آپ خبریت سے ہوگی، میں یہیں ہم آپ کی خدمت میں دوری پر باہر حاضر ہو گئے، بخوری کے انمول "حیا" رسالہ کا بڑی بے پناہ بے پناہ سے انتظار تھا، بخوری کے شمارے میں ہر ایک تحریر اپنی مثال آپ تھی، سونے سے سوہاگہا، اس میں آپ نے ہمارا خط بھی شائع کر دیا، خوشی کی انتہا نہ تھی، بابی جان خط لکھنے میں قصور بھی تھا، کیوں کہ آپ نے خط میں ہمارا نام تیلماں ناز سے نمیدانہ کر دیا تھا، پیاری بابی جان، ہم کچھ تحریر بھیج رہے ہیں، اگر قابل اشاعت ہوں تو شائع کرے گا، ورنہ ردی کی کوئی رو تو مختصر ہے ہی، اچھا بابی، ہم اجازت چاہتے ہیں، کیوں کہ لائٹ جانے کا شمار ہو چکا ہے، آپ سے پھر ملا ہوگی، اپنا خیال رکھنے کا اللہ حافظ۔

☆.....☆.....☆

✍️ تیلماں بی: انام خط شائع ہونے پر آپ کو جو تکلیف ہوئی، اس پر آپ سے مددرت خواہ ہیں آپ کی

اور سال کردہ تحریریں ان شاء اللہ وقت آنے پر شائع ہو جائے گی۔

☆.....☆.....☆

✍️ عبدالرحیم رشید آباد ملتان سے لکھتی ہیں: محترم مکرمدیہ صاحبہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امیدوار ہے کہ آپ اور ماہنامہ "حیا" سے وابستہ تمام معاشین تیرہ دعاؤں سے ہوں گے، "حیا" رسالہ ہم بہت محبت اور شوق سے پڑھتے ہیں، لیکن آپ کی جان خط پہلی مرتبہ لکھ رہے ہیں، "حیا کی محفل" میں شرکت سے بے اعتبار ہمارے سستی اور کابلی نہیں، بلکہ لکھنے کے آداب سے ناواقفیت اور ناآشنائی ہے، مجھ میں نہیں آ رہا کہ آج سے بہترین اور بلند معیار رسالے کی تعریف کن لفظوں میں کی جائے۔ "رسول اعظم" اور "زمانی برائی" پروفیسر خیال آفاقی کی ان دونوں کاخوں کے بارے میں صرف اتنا ہی کہنا چاہیں گے کہ انہوں نے رسالے کے معیار کو بہتر سے بہتر بنادیا ہے۔ "نور الابی دای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" راحت آنی کی قسط اور کہانی بھی بہت پسند آ رہی ہے، سب سے لکھنے والی، نہیں بہت اچھا لکھ رہی ہیں اور "مگرستہ حیا" کی قیادت میں کیا ہے، آپ کی جان! ہمارے خط لکھنے کا مقصد اپنی ناپاکی کا ثبوت دینا تھا، بلکہ بتانا ہے کہ اس نازک اور پریشان دور میں ہمارا پسندیدہ رسالہ ماہنامہ "حیا" منف نازک کی زمین کی طرف ہی رجحان رہا ہے کہ تمام سلسلے ہی قابل تعریف ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی پشواں محنتوں کاخوں کو قبول فرمائیں اور دنیا و آخرت کی ہر مشکلات سے

محفوظ رکھیں۔ آمین..... آخر میں آپ کی جان آپ سے گزارش ہے کہ ہم نے اپنے ایک بااثر شمارہ "سفرنامہ" اپنی مفت کھٹ کی زن کے اصرار پر لکھ کر بھیجا ہے، اگر پسند آ جائے تو براہ کرم شائع فرما کر شریعہ کا موقع دیجئے گا، اگرچہ ہمیں اعتراف ہے کہ ہم اس قابل نہیں ہیں کہ ہماری تحریر "حیا" رسالے کی زینت بگر ہماری زن کا کہنا ہے کہ آپ کی جان ہمیں

ماہیں نہیں کریں گی۔

✍️ عبدالرحیم، حیا کی محفل میں آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں، حیا رسالے کی پسندیدگی اور دعاؤں کے لئے بہت شکریہ آپ کا "سفرنامہ" ہمیں موصول ہو گیا ہے، اسی کو دیکھ کر ہی فیصلہ کیا جائے گا کہ قابل اشاعت ہے یا نہیں۔

☆.....☆.....☆

✍️ مایوس لکھتی ہیں: محترم مدیرہ مہر آبی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اصدق دل سے دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت آپ کی ہر پریشانی کو نیک سے دور فرمائے، ماہنامہ "حیا" کے ذریعے دینی خدمت کو قبول فرمائے اور آپ کو صحت والی دراز عطا فرمائے، آمین خرم آمین..... یہ ناول "ترتیب یا غفلت؟"..... "حیا" کے لئے پیش خدمت ہے، امید کرتی ہوں کہ اس ناول کی اس تحریر کو بھی "حیا" میں جگہ مل جائے گی، اس ناول میں، میں نے جو احادیث نماز کے متعلق لکھی ہیں، وہ "بہت فضائل اعمال" سے ہیں اور ان کا طریقہ "تحریر" مولفہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی سے لیا ہے، اگر آپ خواہد یا چاہیں تو نام میں نے لکھ دیا ہے، دوسرے کو "مختصر 7/8" کے درمیان میں نے ترمذی شریف کا مکتوبوں کے کلاس کے کلاس کے بارے میں پورا باب لکھ کر رکھا ہے اور ناول میں صرف حدیث مبارک کا حوالہ دیا ہے تو یہ باب لکھ کر اس لئے رکھا ہے کہ شاید آپ ضرورت محسوس ہو تو حاشا نہ کرنا پڑے۔ مزید یہ عرض کرنا چاہوں گی کہ اس باب میں صرف دین کی لمبائی کا ذکر ہے اور آج کل کے فیشن میں پھر بھی فیض کی لمبائی قدموں سے ایک باشت تک نہیں ہوتی ہے، اگرچہ ہماری تعلیم کے دوران استاد نے بتایا تو بھی تھا کہ اس حدیث کے کس طرح کی فیض جو بہت علی کی ہے، وہاں ہے، مگر میں نے پھر بھی شروحات میں بھی تشریح و تفسیل دیکھنا چاہی، مگر انفس کی شرح میں بھی اس بارے میں وہ نہیں ملا، اگر آپ ضرورت محسوس کریں تو ادارے سے متعلق کسی عالم باقی سے اس کی تحقیق و تفسیل کر کے لگا دیا جائے تو لگداز میرے یہی علم میں اضافہ ہوگا اور یہ کہ ناز کا مکتوب کا مکمل طریقہ "تحریر" میں تھا اور دونوں کا بھی تقریباً میں نے اسی سے لیا ہے، پھر بھی آمین خرم عبادت کا معاملہ ہے، اس لئے درخواست ہے کہ آپ یہ طریقہ بھی کسی عالم باقی کو لکھا کر ہی شائع کیجئے گا، غلطی ہوئی تو میری بھی اصلاح ہو جائے گی اور لکھنا ضروری اس لئے سمجھا کہ حقیقتاً نماز کی ادائیگی کے سلسلے میں ہماری بہت غلطیاں ہیں اور انفس کو کس نہ مکتوب غلطی سمجھتے اور ضرورت کرنے کی کو شش کرتے ہیں، صرف اسی وجہ سے ایسا ماحول بنا کر لکھا کہ پڑھنے والوں کو بھی برحقوں نہ ہو کہ ایسا استاد چھوٹے ٹیچر کو لکھا رہی ہے۔

✍️ حیا یوس صاحبہ! آپ کا تحریر کردہ ناول "ترتیب یا غفلت؟" اس ماہ کے رسالے میں شامل اشاعت ہے، ماشاء اللہ آپ نے بہترین اعزاز میں بچوں کی تربیت کا طریقہ سکھایا ہے۔ اللہ کے رزق و کرم اور زیادہ۔

☆.....☆.....☆

✍️ انات حافظہ محمود قریشی، ابانت آباد، کراچی سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اللہ رب العزت سے امید ہے کہ خبریت سے ہوں گی، اللہ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے، بابی ہم تمام ہمیں "حیا" کی مستقل قاری ہیں، اس کی ہر تحریر نہایت عمدہ اور سبق آموز ہوتی ہے اور اس کے قسط وار سلسلوں نے ہمیں اپنا کردہ دیکھنا رکھا ہے، ایک کہانی پیش خدمت ہے اور اللہ رب العزت سے امید ہے کہ وہ ضرور شائع ہوگی اور آپ کو جس صلہ افزائی کریں گی، میرے والد

آج کل بہت بیمار ہیں، تمام قاریات بہنوں سے درخواست ہے کہ میرے والدین کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ شکر ہے  
 بھناٹ حافظہ مخصوص صاحب! حیا کی پسندیدگی کا شکر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے والد محترم کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

✉ حصہ اکرم جامعہ اصفیۃ للبنات، سعید آباد، کراچی سے لکھی ہیں: مجترمہ وکرمہ میر باکی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ  
 وبرکاتہ! امید ہے آپ خیر و عافیت سے ہوں گی اور اللہ پاک سے آپ اور آپ کی تمام ہم کی خیر و عافیت ہی مطلوب ہے اس  
 دفعہ رسالہ جلدی ال گیارہویں بہت زیادہ خوشی ہوئی کہ زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا، انشائے انتہائی خوبصورت تھا، قرآن الہی اور زینت  
 سے ہوتے ہوئے محمد ابراہیم اعلیٰ اور نعت سے دل کو گرمایا، آواز حیا میں پڑھنے کوئی نہ کوئی بتی ہوتا ہے، واقعی قوم کو اس وقت  
 متھہ ہونے کی اشد ضرورت ہے اور اسی میں ہماری امن و سلامتی ہے تمام سلسلے ہمیشہ کی طرح بہت اچھے تھے۔ "بنت مولانا  
 عبد المجید" کی تو کیا یہی بات ہے، جب بھی کہانی کے ساتھ شرف لاتی ہیں، پورے رسالے پر چھاپا جاتا ہے۔ "اللہ کرے  
 زور قلم اور زیادہ" آئیں، مجھے ان کی کہانی کے تمام کرداروں کے نام بعد پتہ نہ آئے، انتہائی منہ زور اور خوبصورت نام ہیں۔  
 فدک ابی دہی یار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پڑھ کر یوں لگا کہ تم بھی زور و صلہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھے ہیں، اپنا غمرے کا  
 سفر پہنچا تھا یا یاد، مدینہ کی فضا کی خوشبو ہاں کا پورہ ماحول بہت شرت سے یاد آیا، اللہ پاک سب کو اپنے گھر ملائے بار بار  
 آئیں، ہاں ایک بات ہے کہ "فردوس بریں" کچھ اوپر سے زور رہی ہے، سچ پہلی قسط کے بعد مجھے نہیں آ رہی، بہر حال پڑھتے  
 تو ہیں، اور یہ تجار کی کے ناول کی تو کیا یہی بات ہے ان کے تمام ناول قابل تحریف ہیں، جو ایک نئے انداز میں نوجوانوں  
 کو جہاد کی طرف راغب کرتے ہیں۔ "ایک زندگی ایک کہانی" پڑھنے کی طرح اس دفعہ بھی انتہائی بہتر ہیں، یہ ام حیات  
 ہوگا، راہب خوبصورت انداز میں معاشرے میں پہلے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ باقی تمام سلسلے بھی انتہائی  
 بہتر ہیں، ہماری کہانیوں کی کی محسوس ہوتی ہے، بعض اوقات بہت کم کہانیاں ہوتی ہیں، بہر حال ہمارا رسالہ "حیا" بھی  
 سب سے بہتر ہیں، یہ چند چیزیں ارسال ہیں، امید ہے کہ شائع کرنے کے حوصلہ افزائی فرمائیں گی۔ والسلام  
 حصہ ۲: اچھا! کہ تمام سلسلوں کو پسند کرنے اور ان پر بہتر ہیں تبصرہ کرنے کا شکر ہے "فردوس بریں" اردو  
 ادب کا شاہ کار ناول ہے اس کو شائع کرنے کا مقصد یہ ناول کو اپنی زبان اور ادب سے روشناس کرنا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

✉ کامنٹ سے لکھی ہیں: مجترمہ صدیقہ صاحبہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کہ شاعر کا سرورق شاعر کیا کریں، لیکن "زسم وفا" فدک  
 ابی دہی یار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسط کراہی خوشی کا شور ہوئی، نئے سلسلے جو "فردوس بریں" اور لکھنؤ کی ناولوں پر  
 مشتمل تھے، ان کے بارے میں تجویز ہے کہ ایسے ناولوں کی بجائے نئے اور موجودہ حالات کے سلسلے میں لکھے گئے ناول شائع  
 کئے جائیں، کیونکہ دوسرے رسائل میں بھی خیر و خیر انتہائی ممتاز کرتی ہے کہ زور و کثرت الفتوح کے متعلق ہوتا ہے، دیکھتے ہی خیر نامی  
 گرامی اور کامنڈ ہیں، لیکن ہمارے ذہن میں ایک خیال آیا سوچیں کہ کیا اس پر کسی کی دل آزادی ہوئی تو معذرت! آخر یہی  
 کیا کہ تحریر ارسال ہے، ہم یہ سوچنا چاہ رہے تھے کہ کیا ہم لکھتے ہیں، اس سلسلے میں اگر آپ اپنی رائے دے دیں تو شکر گزار  
 رہیں گی، کیونکہ ہمیں لگتا ہے کہ شاید یہ ہمارے س کا کا نہیں لیکن پھر سوچتے ہیں کہ نہ لکھتے تو بہتر ہے۔  
 حصہ ۳: محترمہ مامونہ! آپ کی تحریر میں ہی احوال کمزوری ہے۔ سلسلے لکھنے سے ان شاء اللہ یہ کی دور ہو جائے  
 گی، اللہ عزت نہ ہاں میں اور اپنی نہ ہوں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

✉ کنول عطا محمد، نایاب عطا محمد، انعم عطا محمد، شاہد پوری سے لکھی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امیر آبی،  
 کسی ہیں آپ، امید ہے کہ ٹھیک ٹھاک ہوں گی، میں آپ کے "حیا" رسالے کی ان دنوں سے دلدعا ہوں جب "محبت  
 ہوگی" کی پہلی قسط شائع ہوئی گی، محرم اور صفر کے شمارے میں بقول میرے "ابوہی کہانی اور فرحان والی کہانی" نہیں  
 دیکھی تو دل پکڑ کر بیٹھ گئے صفر کے شمارے میں بزرگندہ دیکھا تو آئندہ ہونے اور کہانی تھی "اور تسانا آبی" کی ہر قسط  
 رلا دیتی ہے، جب تحریریں شائع ہوتی ہیں سو اذرا آبی، یعنی اس کے بارے میں پڑھتی ہوں چلتے لگتا، کیونکہ میں ایک دو  
 مرتبہ الحمد للہ بزرگندہ کو خواب میں دیکھی تھی ہوں اور میں آپ سے ایک انتظار کرتی ہوں کہ میں ایک کہانی بھیج رہی ہوں، امید  
 ہے کہ آپ شائع کر دیں گی، ورنہ میری بہنیں اور وہیں صحت دے کر مار دیں گی، صفر کے شمارے میں "نٹھن ہیں  
 راہیں گہر دھواؤں" بہت زبردست قسط اور کہانی ہے اور "فردوس بریں" اور "داستان جالبہ" بھی زبردست تھی، امید ہے کہ  
 میری کہانی کے بارے میں آپ مجھے مایوس نہیں کریں گی، عنوان ہے "اے کاش" آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو  
 ہمیشہ صحت مند اور سلامت رکھے اور "حیا" دن و گئی اور رات چوٹی تر کی کرتا ہے۔ آمین آمین

خوشی سے دل آباد رکھنا  
 جس اتنی گزارش ہے آپ سے  
 کہ مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا  
 بھناٹ عطا محمد! حیا کی پسندیدگی کا بہت شکر ہے۔ آپ کی کہانی کے شائع کرنے کا فیصلہ کہانی پڑھنے کے بعد  
 ہی کیا جائے گا، نئے احوال کچھ کہ نہیں سکتی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

✉ فیحیمہ بنت محمد فاروق میر خواص سے لکھی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! پیاری باہی جان، آپ کی کسی ہیں؟  
 اسے یہ کیا آپ میرے سوال سے گھبرا گئیں؟ یقیناً آپ سوچ رہی ہوں گی کہ اب میں نہیں کیسے بتاؤں، میں کسی ہوں، میرا  
 مقصد ہرگز نہ تھا، بلکہ آپ کی طبیعت معلوم تھا۔ پیاری باہی جان میں "حیا" رسالہ بہت شوق سے پڑھتی ہوں، مجھے "حیا"  
 رسالہ بہت پسند ہے، پیاری باہی جان میں نے رسالے کے لئے ایک کہانی بھیجی تھی، جن کے مضمینے میں اس کا کچھ چاہئیں  
 چلا شائع کریں نہیں ہوئی، کیا آپ کو نہیں؟ پیاری باہی جان، میں براہ رسالہ امید پر آئینہ بھیجی ہوں کہ شاید اس ماہ ہمارے  
 میرا مطلب ہے فہرست مضامین دیکھتی ہوں، مگر جب وہ شائع نہیں ہوئی تو میں نے اس سے مایوس ہو کر ایک عدد کو لکھ  
 ماری، جی ہاں پیاری باہی جان، میں پچھرا پتے منہ پڑنے والے کے لئے ایک اور کہانی لے کر حاضر ہوئی ہوں، کیونکہ میں نے  
 کسی رسالے میں پڑھا تھا کہ ایک کہانی بھیجئے کے بعد چھ ماہ انتظار کرنا چاہئے اور میں نے ابھی تو فہرست انتظار کیا ہے اس کے بعد  
 کہانی لکھی ہے، پیاری باہی جان، اگر یہ شائع کے قابل ہو تو شائع کر کے میری حوصلہ افزائی فرمائیں۔ پیاری باہی جان  
 "حیا" رسالہ زبردست ہوتا چاہا ہے، قسط چارہ کہانی اچھی جا رہی ہے، بس میری ام محمد صاحبہ سے گزارش ہے کہ اوتھے  
 بچوں کی طرح ہم بھی پڑھتی ہیں، اس کے ایک پتھر سا ناول لکھ لے، پیاری باہی جان اس مرتبہ اپنی باتیں کافی ہیں،  
 آپ بھی کیا سوچ رہی ہوں گی، کتنی باتیں ہے، لڑکی داہنا دل خراب لکھ لے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ "حیا" کو دن و گئی رات  
 چوٹی تر کی عطا فرمائیں اور "حیا" کی پہلی نمہ اور میں لکھنے والے سب کو جائزے خیر عطا فرمائیں۔ آمین  
 حصہ ۲: آپ کی کہانی موصول ہوئی ہے، ان شاء اللہ سن قرب رسالہ کی زینت بنے گی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆